تذکرہ سادات مودود چشتیہ

مرتبہ

محمود حسین نقوی

نام : تذکرہ سادات مودود چشتیہ

مرتب : سید محمود حسین نقوی مودودی

مطبع : ایسکام پرنٹرز فیصل پلازہ، دیپالپور روڈ

اوکاڑا، موبائل:0300-6952580

کمپوزنگ : محمد تبسم شاد: موبائل:0314-3550903

اشاعت اول : مارچ ۲۰۱۱ء

قیمت : ۳۰۰ روپے

مکتبہ علوم افکار اسلامیہ

مکان نمبر ۳۰، سٹریٹ نمبر ۱۰، اے بلاک

سوان گارڈن، اسلام آباد زون ۵

فہرست

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہم اللہ سبحانہ تعالیٰ کے سپاس گزار ہیں اور اس کی نعمت ہائے فراواں بے پایاں پر صرف اس کی ہی ہستی سزوار شکر و ستائش ہے، چونکہ توفیق کا توشہ اس کی بارگاہِ اقدس سے عطا ہوتا ہے اور ہدایت کا راستہ بھی وہی ہی دکھاتا ہے جو اس کی طرف لوٹتا ہے۔ اے اللہ ہم تیری بارگاہِ اقدس میں حمد و ثناء پیش کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد و استعانت چاہتے ہیں۔

اے اللہ ہم درود بھیجتے ہیں تیرے رسول اور آخری نبی محمد ﷺ پر جن کو تو نے رحمۃ اللعالمین اور شفیع المذنبین بنا کر بھیجا۔ جن کے وجود سے تو نے مومنین کے قلب و روح کا تزکیہ و تصفیہ کیا۔ جن کی پیروی سے تو نے متقین کو راہ یاب کیا۔

ہم درود و سلام بھیجتے ہیں تیرے نبی کی آلِ اطہار پر اور صحابہٗ ابرار، تابعین اولیاء کرام پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ان کی پیروی کی۔

اللہ کے فضل خاص سے یہ کتاب حسب استطاعت تحقیق کے بعد آپ تک پہنچانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ شہرِ عارفاں کے بعد محمود حسین نقوی مودودی کی دوسری کتاب تذکرہ سادات مودود چشتیہ کی طباعت کا شرف بھی ہمیں ہی حاصل ہو رہا ہے۔ ہم عزیزان علی سادات نقوی اور حسین حماد نقوی کے تعاون کے بھی شکر گزار ہے۔

کتاب میں سنین واقعات اور کتابت کی جو غلطیاں ہوں گی، اس کے ذمہ دار ہم اور ادارہ ہے۔ ان غلطیوں کی نشان دہی پر ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔

ادارہ

ڈاکٹر سید راشد محمود نقوی

اسلام آباد۔ پاکستان

پیش لفظ

سرورِ عالم نبی آخر محمد رسول اللہ ﷺ کے وصال کو ابھی نصف صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ اسلامی اتحاد ختم ہوگیا۔ ایک جماعت مسلمین کے کئی فرقے بن گئے۔ جنہوں نے اپنے لیے علیحدہ نام اختیار کر لیے یا ان کے مختلف نام تجویز کر دیئے۔ اسلام جس کا مقصد سابقہ گروہ بندی کا انہدام تھا۔ خود تخریب و تشیع کا مرجع بن گیا۔ ابتداء میں یہ گروہ زیادہ تر سیاسی اختلاف کی وجہ سے وجود میں آئے تھے اور ان میں اعمال دین و عقائد کے بارے میں شدید اختلاف ابھی پیدا نہ ہوا تھا جو آگے چل کر ان فرقوں کا مابہ الامتیاز بن جاتا ہے۔

وہ تنوع عقائد جو آج پایا جاتا ہے۔ ابتداء ہی سے ظہور میں نہیں آ گیا تھا۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ عقائد کے یہ انواع و اقسام اور بدعت و غلو خلافتِ راشدہ کے قیام کے بہت بعد کے زمانہ میں قائم ہوئے۔ دراصل اس کی ابتداء ان منافشات کا نتیجہ تھی۔ جو حضرت عثمانؓ، حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ کے ضمن میں مسلمانوں کی جماعت میں پیدا ہوگئے۔ اور جن کو واقعہ کربلا نے انتہاء تک پہنچا دیا۔

بنوامیہ کی خلافت کا انعقاد اصول انتخاب پر اصول میراث کی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور اسلامی نظام حکومت ملوکیت کا تابع فرمان ہو کر رہ گیا۔ امیر معاویہ نے سیدنا حسن بن علیؑ کی وفات کے جلدی ہی بعد اپنے بیٹے یزید کے لیے سلطنت کو محفوظ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ امیر معاویہ کے اس اقدام نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور افتراق کا جو بیج نبی ﷺ آخر کے وصال اور خلافت راشدہ کے دوران بویا گیا تھا۔ پھوٹ کر تن آور درخت بن گیا جس کے مسموم سایہ نے ملت اسلامی کے نشو و نما پر نہایت مضر اثرات پیدا کیے۔ بنوامیہ کی حکومت کے عمال اور سرکاری خطیب برسرِ منبر سیف الاسلام حضرت علیؑ پر سب و شتم کرتے اس دور میں خاندان رسول کا احترام

اس قدر کم ہوگیا کہ معرکۂ کربلا میں کوئی ظلم نہ تھا جو نواسۂ رسول ﷺ پر اور ان کے اقربا پر روا نہ رکھا گیا ہو۔ ظلم و جبر اور بربیت کا یہ کھیل کبھی حسین بن علیؑ، عبداللہ بن زبیرؓ اور زید بن علیؑ کو شہید کر کے اور کبھی مسلم بن عتیبہ اور محمد بن قاسم کو اختلاف زائے کے باعث بورے میں بند کر کے جلایا گیا۔ شعائر اسلامی کی تخریب و تمسخر اور اہانت بنوامیہ کے اکثر خلفاء (بادشاہوں) کا دلچسپ مشغلہ ہوگیا تھا۔ جیسے جیسے ملوکیت کی جڑیں گہری ہوتی گئیں، شعائر اسلامی کے استحکام اور اخلاق کی اصلاح کا کام بالکل رک گیا تھا اور حق بات کہنے پر سر قلم کر دیئے جاتے، کوڑے برسائے جاتے، زنداں کا راستہ دکھایا جاتا۔ عراق کے گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہؒ کے سر پر 20 یا 30 کوڑے لگوائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں دس گیارہ روز تک دس کوڑے روز لگواتا رہا۔

ان انتہائی نامساعد حالات میں رشد و ہدایت کا فریضہ ائمہ اہل بیت تابعین تبع تابعین کرام فقہاء، علما اور صوفیہ کرام کرنے لگے۔ ان میں تین بزرگ امام زین العابدینؒ، امام حسن بصریؒ اور امام ابوحنیفہؒ علم و فضل، حکمت و دانش، زہد و تقویٰ کے لحاظ سے اپنے ہم عصروں میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔

بنوامیہ کی خلافت کے بعد بنوعباس کی خلافت کا دور نامسعود شروع ہوا۔ بنوامیہ کی خلافت کا دور قتل حسینؓ سے شروع ہوا اور بنوعباس کے دور حکومت کی ابتدا نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم رضیہ کے قتل سے ہوئی۔ عباسی خلیفہ منصور نے بھی امام ابوحنیفہؒ کو 30 کوڑے لگوا کر جیل میں ڈال دیا اور جیل میں آپ کو بے انتہاء سخت تکلیفیں دیں۔ اسیری کے دوران ہی آپ مالک حقیقی سے جا ملے۔ بعض تاریخ نگاروں کے مطابق بنوعباس کا دور خلافت بنوامیہ سے بھی بڑھ کر ظلم و جبر کا دور تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں اہل سادات کے کچھ احباب نے بندگانِ خدا کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے اپنے شہروں سے نقل مکانی کرے، اپنے زاویے قائم کیے۔ ان کے زاویوں میں حق و انصاف اور بلند ترین اخلاق کا مظاہرہ کر کے خلقِ خدا کو زندگی کی ایسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کی جو خدا اور رسول ﷺ کی نظر میں پسندیدہ تھا۔

بنوعباس کے حکمرانوں کی بدعملیوں کے باعث ان کی سلطنت کے آخری ایام میں وحشی تاتاریوں نے وسط ایشیا سے نکل کر مسلمان حکومتوں کو تباہ و برباد کر دیا اور اسلامی سلطنت کے مراکز کو جلا کر خاک و سیاہ کر دیا۔ اس طوفان وحشت و بربریت میں ایک وحشی فاتح اور ظالم قوم کو اسلام کی دعوت دینا بلاشبہ خطرات و مصائب کو دعوت دینا تھا، لیکن یہ درویش بے پرواہ ہو کر ان خطرات میں کود پڑے۔ آخر ایک دن اس وحشی اور فاتح قوم کو اسلام کی بارگاہ میں جھکا دیا۔ یہ ایک تو اسلام کی حقانیت و صداقت دوسرے ان زاویوں میں رہنے والے صوفیہ کی روحانی قوت، کردار و عمل، مخلصانہ اور دلیرانہ سعی و کوشش کا نتیجہ تھا۔ اس سے پیشتر بھی ماوراء النہر خراسان ایران، کابل، زابل، ہرات میں تبلیغ اسلام زیادہ تر ان ہی درویشوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے اور ہندو پاکستان میں اشاعت اسلام اور تبلیغ کا نمایاں کام صوفیہ کا ہی ہے۔ بلاشبہ اس سلسلہ میں علماء اور بادشاہوں کا بھی حصہ ہے۔ علماء نے زیادہ تر فقہ کی تدریس اور قانون اسلامی کی حفاظت اور بادشاہوں نے اسلامی سلطنت کی حدود میں اضافہ اور امن و امان قائم رکھنے کا کام کیا۔ دین اسلام جن اخلاقی، روحانی بنیادوں کا حامل ہے۔ ان سے عوام و خواص کو متعارف کروانے اور عوام کو شعائر اسلامی کی پابندی کی تلقین اور امراء سلاطین کو انصاف و عدل اور مظلوم کی دادرسی اور رعایا پروری اور شریعت کی پیروی کی جرأت مندانہ نصیحتیں یہ ہی بزرگ کرتے تھے۔ اس میں قطعی مبالغہ نہیں ہندوستان و پاکستان کی تاریخ شاہد ہے، اگر یہ کہنا صحیح ہے کہ ہندوستان محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور تیمور شہاب الدین غوری و بابر نے فتح کیا تو یہ بھی درست ہے کہ ہندوستان کی روح کو مودود چشتی درویشوں نے فتح کیا۔
چونکہ یہ صوفیہ انسان کی باطنی زندگی اور ظاہری زندگی کے نبض شناس تھے۔ صوفیہ کے دروازے مومن اور کافر کے لیے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ انسانی ہمدردی، خلوص و محبت کے جوہر سے وہ آسودہ تھے۔ کون ایسا شخص ہوگا جس کو اس حقیقت کے اعتراف میں تامل ہوگا کہ اسلامی تاریخ کے وسطی اور آخری دور میں ان بزرگ صوفیہ نے اسلام کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے۔ وہ خانقاہوں میں بیٹھ کر خانقہی رہبانیت سے بہت دور رہے اور اسلام کی شمع روشن کیے رہے۔ یہ بات

تو ماضی کی ہے۔ آج کے صوفیہ کی نہیں۔ چند صاحب نظر صوفیہ سے قطع نظر آج کے صوفیہ اور مشائخ حصول فتوح (نذرانہ و نیاز) سے بلند ہو کر اسلام کی تبلیغ میں کوشاں ہیں۔ کیا ان کو بھی قدیم صوفیہ کی طرح مسلمانوں کی ظاہری زندگی اور باطنی زندگی سنوارنے کا جنون ہے؟ کیا آج بھی صوفیہ خوف خدا اور خوف قیامت سے اسی طرح لرزاں و ترساں ہیں۔ کیا آج صوفیہ جلب منفعت اور لذائذ دنیوی سے بلند ہو کر زہد و اتقاء اور عشق خدا اور رسول ﷺ کے مقام پر فائز ہیں۔

صوفیہ کے چودہ سلاسل میں جو ائمہ اہل بیت سادات کے توسط سے حضرت علیؑ بن ابی طالب تک پہنچتے ہیں انہی سلسلوں میں سے ایک سلسلہ جو سادات مودود چشتیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس خاندان کے بزرگوں نے تیرہ سو برس تک سلسلہ ارشاد و ہدایت اور فقر و درویشی جاری رکھا۔ یہ تالیف انہیں بزرگوں کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

تذکرہ سادات مودود چشتیہ کے مصنف محمود حسین نقوی مودودی مرحوم نے اس تذکرہ میں آپ نے کرامت کے بیان کرنے سے کافی حد تک گریز کیا ہے۔ ان کی نظر میں ان کی عظمت و شان تو اس حقیقت میں ہے کہ انہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی حق و انصاف کا پرچم بلند رکھا۔ ہمیں چاہیے کہ ان کی کرامت سے زیادہ توجہ ان کے حالات و کوائف، ان کی تبلیغی اور اصلاحی کارناموں اور نصائح اور اقوال پر رکھیں۔ وہ تمام لوگ جو صوفیہ کرام کے صحیح حالات و واقعات سے آگاہی چاہتے ہیں وہ محترم کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے صوفیہ مودود چشتیہ کے گلہائے سرسبد اور بانی کے ہم نشین ساتھیوں کے حالات زندگی قلمبند کیے، تا کہ اولیاء اللہ سے محبت کرنے والے ان کی صحیح تعلیمات سے مستفید ہو سکیں۔

سید خالد محمود نقوی مودودی
مشرقی لندن

یکم جنوری ۲۰۱۱ء

سید محمود حسین نقوی مودودی

خالی ہے جام و سبو تیرے بعد
اک دیا اور بُجھا اور بڑھی تاریکی

۳۰ر نومبر ۱۹۸۷ء بروز پیر لائل پور جسے شاہ فیصل کے نام پر اب فیصل آباد میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پاکستان کے صنعتی شہروں میں اول مقام رکھتا ہے۔ شہر نے سرزمین بسی کی ایک عظیم شخصیت سید محمود حسین نقوی مودودی کو گم کر دیا اور ہم سب اس کی مفارقت میں پریشان رہیں گے۔

بسی سے ہجرت کے بعد کمالیہ میں بسی کا ادب دیکھ کر قیام کیا، لیکن وہاں بسی جیسی محبت اور خلوص نہ پا کر سیالکوٹ میں بسی کی شفقت تلاش کی۔ وہاں بھی جب وہ حاصل نہ ہوئی تو راولپنڈی میں مستقل سکونت اختیار کی اور مسلم ٹاؤن چراہ روڈ پر مکان تعمیر کرایا، چونکہ راولپنڈی میں بسی بہت سے گھرانے سے آباد ہیں۔ یہاں دلبستگی کا ذریعہ ڈھونڈا، لیکن سنگلاخ پہاڑوں کے دامن میں بسی نہ مل سکی۔ اپنے شہریوں سے والہانہ محبت کے جذبہ کے تحت لالہ موسیٰ میں بسی کا روپ دیکھ کر یہاں فقیر نے ڈیرہ ڈال دیا۔ غلہ منڈی کے ایک بے آباد چوبارہ کو فقیر کی کٹیا کا روپ دے کر اسے بسی روپ میں ڈھال دیا۔

شیخ محسن، شیخ عبدالوہاب، حکیم سعید احمد، فیض اللہ صدیقی، حفیظ اللہ صدیقی، رتھے خاں کی معیت میں بسی والوں کی راتیں اس پیر خانہ پر گزرتیں۔ لوگ اس درویش کے علم وفن سے فیض یاب ہوتے اور روحانی لطافتیں اٹھاتے۔ نظر کی خرابی کے باعث بغرض علاج اپنے بڑے بیٹے سید خالد محمود نقوی کے پاس فیصل آباد گئے۔ آنکھوں کا آپریشن ہوا، لیکن صحت دن بدن خراب ہونے

لگی۔ لوگ منتظر تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے کہ میاں محمود صحت یاب ہو کر جلد لالہ موسیٰ آئیں اور اپنے پیر خانہ سے معرفت اور روحانیت کے خزینے اپنے ہموطنوں میں تقسیم کریں۔ ناگہاں پتہ چلا کہ ۳۰ر نومبر بروز پیر شب ایک بجے وہ سب کو داغ مفارقت دے کر اپنے رب جلیل سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اور بقول میر انشاء یہ کہہ گئے۔

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
بساں نقشِ پائے رہ روانِ کوئے تمنا میں
نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں
کہاں گردشِ فلک کی چین دیتی ہے سنا انشاء
غنیمت ہے، کہ ہم صورت یہاں دوچار بیٹھے ہیں

عبدالسبحان بسوی
۱۵ر دسمبر ۱۹۸۷ء
لاہور۔

سیّدنا امام علیؑ زین العابدین

وارثِ نبوت، چراغِ ہدایت، سید الساجدین، زینتِ عابدین، شمعِ اولیاء اور کشف و حقائق کے بیان کرنے والے۔

نام: علی۔ کنیت ابو محمد و ابو الحسن۔ لقب: زین العابدین و سید الساجدین۔

نسب:

آپ کے والدِ ماجد سید الشہدا امام حسینؓ، دادا امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب بن عبد المطلب۔ آپ کی دادی سیدہ فاطمہ زہراؓ بنتِ پیغمبر السلام سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ آپ کی والدہ ماجدہ جناب شہربانو بنت یزدجرد ابن شہریار ابن کسریٰ (شاہِ ایران) ہیں۔ اس سلسلۂ نسب کے متعلق ابو الاسود دوئلی نے ایک شعر میں پوری وضاحت کی ہے۔

وان غلاماً بین کسریٰ و ہاشم
لا کرم من نیطت علیہ التمائم

اس فرزند سے بلند نسب کوئی اور ہو نہیں سکتا جو نوشیرواں عادل اور فخرِ کائنات جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے دادا سردار ہاشم کی نسل سے ہو۔

ولادت:

آپ بتاریخ ۱۵؍ جمادی الثانی ۳۸ھ یوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ بعہدِ عصمت مہد امیر المومنین علی مرتضیٰؓ پیدا ہوئے۔

وفات:

آپ بتاریخ ۲۵؍ محرم الحرام ۹۵ھ مطابق ۷۱۴ء بعہدِ خلیفہ عبد الملک مدینہ منورہ میں ہوئی۔ امام محمد باقرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جسدِ اطہر کو جنت البقیع میں دفن کیا۔

شمائل:

رنگ گندم گوں۔ چہرہ خوبصورت۔ بال سیاہ گھنے۔ قد درمیانہ۔ بدن چھریرا۔ ہاتھ پاؤں متناسب۔

عہدِ حیات کے حکمران:

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ سیدنا امام حسنؓ۔ امیر معاویہؓ۔ یزید۔ معاویہ ثانی۔ مروان بن حکم۔ عبد الملک بن مروان ولید بن عبد الملک۔

تعلیم و تربیت:

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت شہربانو آپ کی ولادت کے چھتیس دن بعد فوت ہوگئیں۔ اس لیے آپ کو ماں کی محبت بھری پرورش سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ ابھی آپ بمشکل دو برس کے ہونگے کہ آپ کے دادا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا اور آپ اپنے چچا سیدنا امام حسنؓ اور اپنے والد سیدنا امام حسینؓ کی تربیت و تعلیم کے سائے میں پروان چڑھے۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں ہی آپ علومِ دین سے ایک اچھے عالم کی طرح آسودہ ہو چکے تھے اور قرآن مجید بھی حفظ کر لیا تھا۔

تزویج:

آپ کی شادی سیدنا امام حسنؓ کے انتقال کے بعد اور واقعہ کربلا سے پہلے آپ کے چچا سیدنا امام حسنؓ کی دختر سیدہ فاطمہ (ام عبد اللہ) سے ہوئی۔

سید محمود حسین نقوی مودودی

خالی ہے جام و سبو تیرے بعد
اک دیا اور بُجھا اور بڑھی تاریکی

۳۰ رنومبر ۱۹۸۷ء بروز پیر لائل پور جسے شاہ فیصل کے نام پر اب فیصل آباد میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پاکستان کے صنعتی شہروں میں اول مقام رکھتا ہے۔ شہر نے سرزمین بسی کی ایک عظیم شخصیت سید محمود حسین نقوی مودودی کو گم کر دیا اور ہم سب اس کی مفارقت میں پریشان رہیں گے۔

بسی سے ہجرت کے بعد کمالیہ میں بسی کا ادب دیکھ کر قیام کیا، لیکن وہاں بسی جیسی محبت اور خلوص نہ پا کر سیالکوٹ میں بسی کی شفقت تلاش کی۔ وہاں بھی جب وہ حاصل نہ ہوئی تو راولپنڈی میں مستقل سکونت اختیار کی اور مسلم ٹاؤن چراہ روڈ پر مکان تعمیر کرایا، چونکہ راولپنڈی میں بسی بہت سے گھرانے سے آباد ہیں۔ یہاں دلبستگی کا ذریعہ ڈھونڈا، لیکن سنگلاخ پہاڑوں کے دامن میں بسی نہ مل سکی۔ اپنے شہریوں سے والہانہ محبت کے جذبہ کے تحت لالہ موسیٰ میں بسی کا روپ دیکھ کر یہاں فقیر نے ڈیرہ ڈال دیا۔ غلہ منڈی کے ایک بے آباد چوبارہ کو فقیر کی کٹیا کا روپ دے کر اسے بسی روپ میں ڈھال دیا۔

شیخ محسن، شیخ عبدالوہاب، حکیم سعید احمد فیض اللہ صدیقی، حفیظ اللہ صدیقی، رحمت خاں کی معیت میں بسی والوں کی راتیں اس پیر خانہ پر گزرتیں۔ لوگ اس درویش کے علم و فن سے فیض یاب ہوتے اور روحانی لطافتیں اٹھاتے۔ نظر کی خرابی کے باعث بغرض علاج اپنے بڑے بیٹے سید خالد محمود نقوی کے پاس فیصل آباد گئے۔ آنکھوں کا آپریشن ہوا، لیکن صحت دن بدن خراب ہونے

لگی۔ لوگ منتظر تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے کہ میاں محمود صحت یاب ہو کر جلد لالہ موسیٰ آ جائیں اور اپنے پیر خانہ سے معرفت اور روحانیت کے خزینے اپنے ہموطنوں میں تقسیم کریں۔ نا گہاں پتہ چلا کہ ۳۰ رنومبر بروز پیر شب ایک بجے وہ سب کو داغ مفارقت دے کر اپنے رب جلیل سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اور بقول میر انشاء یہ کہہ گئے۔

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے، باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
بساں نقشِ پائے رہ روان کوئے تمنا میں
نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں
کہاں گردشِ فلک کی چین دیتی ہے سنا انشاء
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

عبدالسبحان بسوی
۱۵ ردسمبر ۱۹۸۷ء
لاہور۔

سیّدنا امام علیؑ زین العابدین

وارثِ نبوت، چراغِ ہدایت، سید الساجدین، زینتِ عابدین، شمعِ اُولیاء اور کشف و حقائق کے بیان کرنے والے۔

نام: علی۔ کنیت ابو محمد و ابو الحسن۔ لقب: زین العابدین و سید الساجدین۔

نسب:

آپ کے والدِ ماجد سید الشہدا امام حسینؑ، دادا امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب بن عبد المطلب۔ آپ کی دادای سیدہ فاطمہ زہراؑ بنتِ پیغمبر السلام سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ۔ آپ کی والدہ ماجدہ جناب شہر بانو بنت یزدجرد ابن شہریار ابن کسریٰ (شاہِ ایران) ہیں۔ اس سلسلہ نسب کے متعلق ابوالاسود دوئلی نے ایک شعر میں پوری وضاحت کی ہے۔

وان غلاماً بین کسریٰ و ہاشم
لا کرم من ینطت علیه التمائم

اس فرزند سے بلند نسب کوئی اور ہو نہیں سکتا جو نوشیرواں عادل اور فخرِ کائنات جناب محمد مصطفےٰ ﷺ کے دادا سردار ہاشم کی نسل سے ہو۔

ولادت:

آپ بتاریخ ۱۵ ر جمادی الثانی ۳۸ھ یوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ بعہدِ عصمت مہد امیر المومنین علی مرتضیٰؑ پیدا ہوئے۔

وفات:

آپ بتاریخ ۲۵ ر محرم الحرام ۹۵ھ مطابق ۷۱۴ء بعہدِ خلیفہ عبد الملک مدینہ منورہ میں ہوئی۔ امام محمد باقرؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جسدِ اطہر کو جنت البقیع میں دفن کیا۔

شمائل:

رنگ گندم گوں۔ چہرہ خوبصورت۔ بال سیاہ گھنے۔ قد درمیانہ۔ بدن چھریرا۔ ہاتھ پاؤں متناسب۔

عہدِ حیات کے حکمران:

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ سیدنا امام حسنؑ۔ امیر معاویہؓ۔ یزید۔ معاویہ ثانی۔ مروان بن حکم۔ عبد الملک بن مروان ولید بن عبد الملک۔

تعلیم و تربیت:

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت شہر بانو آپ کی ولادت کے چھتیس دن بعد فوت ہوگئیں۔ اس لیے آپ کو ماں کی محبت بھری پرورش سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ ابھی آپ بمشکل دو برس کے ہونگے کہ آپ کے دادا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا اور آپ اپنے چچا سیدنا امام حسنؑ اور اپنے والد سیدنا امام حسینؑ کی تربیت و تعلیم کے سائے میں پروان چڑھے۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں ہی آپ علومِ دین سے ایک اچھے عالم کی طرح آسودہ ہو چکے تھے اور قرآن مجید بھی حفظ کر لیا تھا۔

تزویج:

آپ کی شادی سیدنا امام حسنؑ کے انتقال کے بعد اور واقعہ کربلا سے پہلے آپ کے چچا سیدنا امام حسنؑ کی دختر سیدہ فاطمہ (ام عبد اللہ) سے ہوئی۔

حادثہ کربلا:

واقعۂ کربلا کے وقت آپ کی عمر بائیس سال کے قریب تھی۔ آپ اس وقت بے حد بیمار تھے اسی وجہ سے شہید نہ ہو سکے۔ اپنی علالت کے دوران ایک بار آپ کو ہوش آیا تو امام حسینؑ کی تقریر سن کر بستر سے اُٹھے اور خیمہ اٹھا کر لڑکھڑاتے ہوئے خیمہ سے باہر آ گئے۔ نگاہ حضرت امام حسینؑ کی نظر آپ پر پڑ گئی تو حضرت حسینؑ نے حضرت زینب کو پکارا۔ بہن علی اصغر کو خیمہ میں لے جاؤ۔ حضرت زینب انہیں سمجھا بجھا کر خیمہ میں لے آئیں۔

شہادت امامؑ کے بعد جب خیموں میں آگ لگائی گئی تو آپ ابھی خیمہ میں تھے۔ حضرت زینب نے اولین کام آپ کو خیمہ سے باہر لانے اور ان کے تحفظ کا کیا۔ رات گزر گئی اور صبح نمودار ہوئی تو آپ کی حالت قدرے سنبھل گئی۔ ظالموں نے آپ کو آ کر جھنجھوڑا۔ آپ بیماری و نقاہت کے باوجود بستر سے اُٹھے۔ آپ سے کہا گیا کہ سب عورتوں اور بچوں کو ناقوں پہ سوار کرا دو اور ابن زیاد کے دربار میں چلو۔ آلِ محمد ﷺ کا بقیۃ السیف یہ سوار تباہ حال قافلہ غضبناک سفر کے لیے تیار ہو گیا۔ عورتیں اور بچے رسیوں سے بندھے ہوئے، ساربان قافلۂ آل محمد علی زین العابدین با زنجیر ناقوں کی پر برہنہ پشت پر سوار سرہائے شہیدائے مظلوم نیزوں پر ٹنگے ہوئے، بے رحم فوج کے حصار میں اپنے دور کے ظالم ترین گورنر ابن زیاد کے دربار میں پیش ہونے کے لیے روانہ ہو گیا۔

دورانِ سفر میں کسی نے متاثر ہو کر آپ سے کہا، ''اے علیؑ رحمت کا گھرانہ رحمت کی آل آپ کی صبح کیسی حالت میں کی؟'' آپ نے جواب فرمایا، ''ہماری صبح تو اپنی قوم میں ایسی ہے جیسی کہ قومِ موسےؑ کی صبح فرعون کی قوم کی بلا میں بسر ہوئی تھی، کیونکہ انہوں نے نجوان کے بیٹوں کو مار ڈالا تھا اور عورتوں کو غلام بنا لیا تھا، مگر ہم تو نہ صبح کو جانتے ہیں نہ شام کو کیونکہ ہماری بلاء کی حقیقت اور ہے۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اُس کی نعمت پر صبر کرتے ہیں، اس کی بھیجی ہوئی بلاؤں پر، آخر آپ کا قافلہ کوفہ پہنچ گیا۔

دربارِ ابنِ زیاد کے واقعات سے قافلہ آلِ محمد ﷺ کے تمام مظلوم ابن زیاد کے دربار

میں پیش کر دیئے۔ آپ ایک بلند انسان کی طرح دربار میں خاموش کھڑے تھے۔ ابنِ زیاد نے آپ سے آپ کا نام پوچھا تو آپ نے علی بن حسینؑ بتایا۔ ابنِ زیاد نے کہا۔ الہ نے علی بن حسینؑ کو قتل نہیں کیا؟ آپ نے جواب دیا۔ علی میرے بھائی تھے جن کو لوگوں نے قتل کر دیا۔ ابنِ زیاد نے کہا نہیں، بلکہ اللہ نے قتل کیا ہے...... آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی

اللہ یتوفی الانفس حین موتہا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ

''موت کے وقت اللہ تعالیٰ روحوں کو قبض کرتا ہے اور اللہ کے حکم کے بغیر کوئی جان نہیں مر سکتی''

ابنِ زیاد نے کہا، خدا کی قسم تو بھی انہیں میں سے ہے، تیرا برا ہو۔ دیکھو (مری بن معاذ الاحمری سے مخاطب ہو کر) اس کو کیسی بات محسوس ہوئی ہے، میں تو اس کو ایک مرد سمجھتا ہوں (حالانکہ آپ ابھی نوخیز ہی تھے)۔ مری بن معاذ الاحمری نے کہا۔ ہاں اسنے عجیب بات محسوس کی ہے...... ابنِ زیاد نہ کہا، اسے قتل کر دو...... آپ نے فرمایا، قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت ہماری فضیلت ہے۔ یہ سن کر ابنِ زیاد اور بھی غضبناک ہو گیا اور گرج کر بولا تمہیں یہ کیسے جرأت ہوئی۔ آپ کچھ جواب دینے لگے تھے کہ آپ کی پھوپھی حضرت زینب آپ سے لپٹ گئیں اور آپ کو جواب دینے سے روک دیا اور ابنِ زیاد سے مخاطب ہوئیں...... ابنِ زیاد اب بس کرو، کیا تو ہمارے خون سے تر نہیں ہوا، تو اسے قتل نہیں کر سکتا، اس کے قتل سے پہلے تجھے مجھے قتل کرنا ہوگا...... اس دوران میں آپ نے فرمایا۔ ابنِ زیاد اِن عورتوں کی نگہداشت پر کسی کو مقرر کیا ہے۔ اگر تیرے اور ان کے درمیان کچھ بھی قرابت ہے تو ان بچوں اور عورتوں کے ساتھ کسی پرہیزگار کو بھیجنا جو ایک مومن کی طرح ان کی حفاظت کرے۔ ابنِ زیاد کچھ دیر تو آپ کی طرف دیکھتا رہا پھر اپنے درباریوں سے متوجہ ہو کر کہا...... عجیب رحم طلبی ہے...... میرا خیال ہے کہ زینب کو یہ ہی پسند ہے، اگر میں علی کو قتل کروں تو اسے بھی قتل کروں...... پھر کچھ توقف کے بعد کہا۔ لڑکے کو چھوڑ دو۔ اے لڑکے اپنی پھوپھی کے ساتھ چلا جا۔

سات روز کوفہ کے تکلیف دہ قیام کے بعد ان آپ کے قافلہ کو شام روانہ کر دیا۔ ۳ دن کے

غضبناک سفر کے بعد یہ قافلہ مظلوم شام پہنچا۔ دوسرے دن سب مظلوم دربار یزید میں پیش ہوئے۔

یزید نے کہا! ایک علی تیرے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا اور میرے حق کو بھلا دیا اور میری سلطنت پر مجھ سے جھگڑا کیا، اس لیے اللہ نہ وہ کیا جو تو نے دیکھا ہے۔ آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔

"ہر مصیبت جو انسان کو پیش آتی ہے وہ خدائی نوشتوں میں پہلے سے لکھی ہوتی ہے"

یزید نے کہا!

ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفو من کثیر۔

اس کے جواب میں آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔

ما سوا علیہا فلتکم ولا تفرحو بہا اناکم والله لا یحب کل مختال فخور۔

واقعاتِ دمشق:

جب قافلہ مظلوم دمشق کے بازاروں میں سے گزر رہا تھا تو اموی حکومت نے آپ سے کہا۔ ایک فرزند حسینؑ فتح کس کی ہوئی؟...... آپ نے جواب دیا۔ تم کو اگر یہ معلوم کرنا ہے کہ فتح کس کی ہوئی تو جب نماز کا وقت اور اذان و اقامت کہی جائے تو اس وقت سمجھ لینا کہ فتح کس کی ہوئی۔

دروازہ دمشق کے قریب ایک بوڑھے نے قافلہ آلِ محمد ﷺ کو دیکھ کر کہا۔ شکر ہے خدا کا جس نے تم کو تباہ و برباد کیا...... آپ سمجھ گئے کہ یہ ہم سے واقف ہی نہیں۔ آپ نے اس سے فرمایا اے شیخ! آپ نے قرآن مجید میں یہ آیت پڑھی۔

قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودة فی القربیٰ

"کہہ دو اے رسول میں سوائے اپنے قریبی عزیزوں کی محبت کے تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا"

اس نے کہا! ہاں یہ آیت پڑھی ہے۔ تو آپ نے فرمایا! رسول اللہ ﷺ کے قریبی ہم ہی ہیں اور یہ آیۂ تطہیر ہمارے میں اہل بیت کا لفظ ہی ہمارے لیے ہی آیا ہے۔ یہ سن کر وہ کچھ دیر

چپ رہا پھر بولا۔ کیا آپ ہی وہ لوگ ہیں؟۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ہم ہی اہل بیت اور قرابت دار رسول ﷺ ہیں...... یہ سن کر وہ رونے لگا اور کہا اے فرزندِ رسول ﷺ میں توبہ کرتا ہوں جو میں نے ناواقف ہونے کے باعث آپ کی شان میں گستاخی کی، خداوند گواہ رہنا میں ان کے ہر دشمن سے بیزار رہوں۔

مدینہ منورہ میں آپ کی مصروفیات:

مدینہ منورہ میں آپ نے ساری عمر عبادت وہدایت میں گزار دی۔ دشمنوں سے بھی اس حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے کہ بے ساختہ ان آپ کی زبان پر "اللہ اعلم حیث یجعل رسالۃ" جاری ہو جاتے۔

آپ نے اپنی ساری زندگی ذہنی، دماغی صلاحیت، علم کی نشر و اشاعت پر منحصر کر دی۔ آپ کا زیادہ وقت مطالعہ، خدمتِ خلق اور امور خیر میں صرف ہوتا۔ آپ فقیروں، بے نواؤں کے کام آتے۔ ضعیفوں اور دردمندوں کی چارہ جوئی فرماتے۔ آپ کی مالی حالت جہاں تک اجازت دیتی آپ ہر حاجت مند کی حاجب پوری کرتے جس کے باعث مسلمانوں کے دلوں میں دوسرے اہل بیت کی نسبت کہیں زیادہ آپ کا جلال و اکرام اور آپ ان کی نظروں میں بہت زیادہ محبوب ہو گئے تھے۔ عوام کے قلوب آپ کی عقیدت کے مرکز تھے اور اس بات سے خلفائے وقت اور ان کے بیٹے اور حاشیہ نشین جلتے اور چڑتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ہشام بن عبدالملک تک آپ کی عظمت اور محبوبیت عام دیکھ کر اس وقت جل اٹھا تھا۔ جب آپ حرم میں طواف کے لیے آتے تو لوگوں کا اژدہام آپ کو دیکھ کر آپ کو راستہ دینے کے لیے اپنی جگہوں سے ہٹ گیا۔ اس وقت ہشام جو خلیفۂ وقت کا بھائی اور ولی عہد تھا وہاں موجود تھا۔ اس کو کسی نے نگاہِ غلط انداز سے بھی نہ دیکھا۔ اس نے تجاہلِ عارفانہ سے پوچھا یہ کون ہے؟ تو فرزدق بے ساختہ چلا اٹھا۔

ھذا الذی تعرف البطحا وطاتہ والبیت یعرفہ والحل والحرام

یہ وہ جسے مکہ مکرمہ جانتا ہے اور اس کے قدموں کے نشان کو حل و حرم بھی پہچانتے ہیں

هذا ابن خير عباد الله كلهم   هذا التقي النقي الطاهر العلم

وہ اللہ کے بندوں میں اچھوں کا فرزند ہے پرہیزگار پاکباز اور صاف صاحبِ نشان ہے

هذا ابن فاطمة الزهرا ان كنت جاهله   بجده انبياء الله ختمه

تو اگر اسے نہیں جانتا تو سن یہ فاطمہؓ زہرا کا فرزند ہے اور اس کے جد معظم پر تمام انبیاء کا خاتمہ ہوا

مسند علم و ہدایت:

آپ امام مدینہ فاضلِ اجل اور عالم بے بدل تھے۔ آپ کا گھر مدینہ منورہ میں نور و عرفان کا سب سے بڑا مرکز اور مصدر تھا، کیونکہ نکہت اسلام شہید بن شہید ابوالشہداء امام حسینؓ بن علی مرتضٰی کے فضل کے وقت سے آلِ بیت نے علمِ نبوی ﷺ کی تعلیم و تلقین اور تدریس و تبلیغ کر اپنا وظیفۂ حیات بنالیا تھا۔ آپ میں اپنے آباء کی ذکاوت تھی، اپنے جدِ محترم کی ہدایت تھی۔ ہاشمیت کا شرف تھا جس نے آپ کو باتوں سے دور کر دیا تھا اور معالی امور کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ آپ نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار رکھی اس لیے کہ آپ اس کی تلخی دیکھ چکے تھے اور اس کی حلاوت سے ابھی آشنا نہیں ہوئے تھے۔ یہ علمی مرتبہ آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ امامت بھی آپ کی موروثی چیز تھی، اگرچہ آپ دنیا کے جاہ و حشم سے دور ہی رہتے تھے۔ آپ نے اہلِ دنیا کی سرداری اور سلطانی اپنے ہاتھ میں نہیں لی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخرت کی سلطانی اور سرداری عطا کر دی تھی۔ آپ نہ صرف اہل بیت کے علم و کمال کا گنجینہ تھے، بلکہ آپ نے اپنے ہم عہد تابعین سے بھی علم حاصل کیا تھا۔ آپ مسجدِ نبوی میں تشریف لے جاتے اور تابعین کرام کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب مسجدِ نبوی میں پہنچتے تو سیدھے زید بن اسلم کے حلقۂ درس میں پہنچ جاتے۔ ایک مرتبہ نافع بن جبیر بن مطعم القرشی نے کف افسوس ملتے ہوئے آپ سے کہا۔ ''خدا آپ پر رحم کرے آپ سید الناس ہیں لوگوں کے سردار اور ملجا و ماوئی ہیں، لیکن کتنے افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ سب کو چھوڑ کر حتی کہ قریش کے اہلِ علم کو بھی نظر انداز کر کے آپ اسی سیاہ فام غلام کے حلقۂ درس میں تشریف لے جاتے ہیں۔'' آپ نے جواب دیا۔ ''آدمی

وہاں ہی بیٹھتا ہے جہاں اسے فائدہ پہنچے اور علم جہاں کہیں بھی ہو اس کی جستجو کرنی چاہیے اور اسے لے لینا چاہیے۔'' ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ مشہور تابعی سعید بن جبیر کے پاس (حصولِ علم کے لیے) جایا کرتے تھے جو ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے ذکر کیا۔ ''یہ آپ کیا کرتے ہیں، کہاں آپ، کہاں سعید بن جبیر؟'' آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ''میں ان سے ایسی باتیں معلوم کرتا ہوں جن میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے نفع رکھا ہے۔''

چنانچہ آپ نے بہت سے تابعین سے روایت کی اور اس میں کوئی حرج یا مضائقہ نہیں سمجھا۔ اس طرح ان تابعین نے آپ سے روایت کی، فقہ اور روایت میں ابن شہاب زہری آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے ابن عباسؓ، جابرؓ، ام المومنین حضرت اُم سلمہؓ اور دوسرے صحابہ سے جنہیں آپ نے پایا روایت کی۔ آپ سے آپ کے صاحبزادوں امام باقرؒ و امام زیدؒ نے اور حکم بن عیبہ، اعمش، ابواسحٰق بیقھی اور اعرج، ابن جریج، عطاء، عمر بن دینا اور امام شہاب زہری وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ ابن شہاب زہری جو آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ ''میں نے علی بن حسین سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔'' ابن شہاب زہری صحبت اور کثرت سے استفادہ کے باعث اکثر آپ کی مجلس میں نشست و برخاست رکھا کرتے تھے، چنانچہ زہری فرماتے ہیں کہ ''میری نشست زیادہ تر سیدنا علی بن حسینؓ کی مجلس میں رہا کرتی تھی۔ آپ کی یہ قول بڑا مشہور ہے۔ ''علم اس کا مستحق ہے کہ اس کا تعاقب کیا جائے۔'' حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ (علی بن حسینؓ) جب اہلِ عراق کو آئمہ اہلِ بیت کے بارے میں غلو کرتے دیکھتے تو فرماتے۔ ''اے گروہ اہل عراق، ایک گروہ اہلِ کوفہ ہم سے اسلام کے ناتے کی محبت رکھو، ہمیں ہمارے حق سے زیادہ نہ دو۔''

سعید بن المسیب فرماتے ہیں۔ میں نے کبھی علی بن حسینؓ سے افضل کسی کو نہیں دیکھا، میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا، مگر اس حالت میں کہ اپنے نفس سے بغض کرتے اور نہیں دیکھا کبھی آپ کو ہنستے۔

آپ قرآنِ مجید نہایت خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے اور آپ کی آواز میں سوز و گداز تھا۔ آپ بے حد سادہ مزاج تھے، تمام دن ایک ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھے لوگوں کو درس دیتے رہتے۔

خلفائے راشدین وصحابہ سے محبت واحترام:

روایت ہے کہ آپ کی خدمت میں چند عراقی آئے۔ ان لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں نامناسب الفاظ استعمال کیے۔ جب یہ لوگ اپنی سی کہہ چکے تو آپ نے فرمایا۔ ''کیا مجھے بتاؤ گے تم کون لوگ ہو؟ کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو جنہوں نے محض خوشنودی خدا کے لیے جلاوطنی گوارا کی اور اپنے مال و متاع سے دستبردار ہو گئے اور خدا اور رسول کی تائید میں کمربستہ رہے اور بلاشبہ یہ سچے لوگ تھے۔''

عراقیوں نے جواب میں عرض کیا۔ ''نہیں ہم مہاجرین اولین میں سے تو نہیں ہیں۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ ''پھر کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جو مدینہ منورہ میں مہاجرین کی آمد سے پہلے بسے ہوئے تھے، جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا تھا اس سے محبت کا برتاؤ کرتے تھے اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا تھا اس سے دل تنگ نہیں ہوتے تھے اور انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، اگرچہ خود فاقہ سے ہی کیوں نہ ہوں اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' عراقیوں نے جواب میں گزارش کی۔ ''نہیں ہم ان لوگوں میں سے بھی نہیں۔'' آپ نے یہ سن کر فرمایا۔ ''میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا۔

والذین جاء ومن یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقو بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا الذین آمنو ربنا انک رءوف الرحیم۔

''جو لوگ (ان مہاجرین وانصار کے) بعد آئے وہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کی طرف سے کینہ نہ پیدا ہونے

دے اور اے ہمارے رب تو بڑا رفیق (اور) رحیم ہے۔''

اور اس کے بعد فرمایا۔ ''چلے جاؤ خدا تم سے سمجھے۔'' یہ رائے صحابہ کے متعلق آپ کی ہے جو سیدنا امام حسینؓ کی شہادت کے بعد رئیس بیت حسینی تھی۔

عظمت و کردار:

آپ اخلاق و اوصاف، صبر و برداشت، حلم و عفو، مروت و حسن سلوک کے جس بلند مقام پر تھے مذکورہ بالا واقعات سے اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک بار آپ بیمار ہوئے تو حضرت امام حسینؓ نے فرمایا۔ ''بیٹا اب تمہارے طبیعت کیسی ہے، اگر کسی خاص چیز کی خواہش ہو تو بتاؤ۔'' آپ نے عرض کیا۔ ''ابا جان اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں، میری خواہش صرف یہ ہے کہ خداوند عالم میرا شمار ان لوگوں میں کرے جو پروردگار عالم کے قضاء قدر کے خلاف کوئی خواہش نہیں رکھتے۔'' یہ سن کر حضرت امام حسینؓ انتہائی مسرور ہوئے اور فرمانے لگے۔ فرزند عزیز تمہارا جواب جدِّ معظم سیدنا ابراہیمؑ سے ملتا جلتا ہے انہیں جب گوپھنئے میں رکھ کر آگ میں پھینک رہے تھے تو حضرت جبرائیلؑ نے آپ سے پوچھا تھا۔ ''ہل لک حاجۃ'' (آپ کی کیا خواہش ہے) تو انہوں نے جواب دیا تھا ''نعم اما الیک فلا'' (بیشک مجھے خواہش ہے، لیکن تم سے نہیں اپنے پالنے والے سے ہے۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ کا بیان ہے کہ میرا ایک بار حج کے لیے جانا ہوا۔ قافلہ سے کافی پیچھے رہ گیا اور میں نے اس راستہ میں ایک نوعمر جوان کو سفر پیادہ دیکھا جو پیدا چل رہا تھا، نہ اس کے ساتھ کوئی ساتھی تھا نہ سامان، میں حیران رہ گیا، میں ذرا تیز قدم چل کر اس نوخیز کے قریب پہنچا اور سلام علیکم کے بعد کہا۔ صاحبزادے یہ لق و دق صحرا اور تم بالکل تنہا، نہ ساتھ کچھ زادِ راہ، یہ کیا معاملہ ہے؟ مجھے بتاؤ تو سہی تمہارا زادِ راہ اور راحلہ کہاں ہے؟ اور تم کہاں جا رہے ہو، اس نوخیز نے جواب دیا۔ ''میرا زادِ راہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے، میری سواری میرے دونوں پاؤں ہیں اور مقصود میرا پالنے والا ہے اور میں حج بیت اللہ کے لیے جا رہا ہوں۔ میں نے کہا آپ تو ابھی پورے جوان بھی

نہیں ہوئے، حج تو ابھی آپ پر واجب بھی نہیں۔اس نوجوان نے جواب دیا۔"بے شک آپ کا فرمانا بجا اور درست ہے، لیکن اے شیخ! میں نے اکثر دیکھا ہے مجھ سے کہیں چھوٹے بھی مر گئے ہیں۔اس لیے حج بیت اللہ کو ضروری سمجھتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس فریضہ کے ادا کرنے سے پہلے نہ مرجاؤں۔" میں نے پوچھا صاحبزادے تم نے کھانے کا انتظام کیا ہے، تمہارے پاس تو کھانے کی بھی کوئی شے معلوم نہیں دیتی۔اس نے جواب دیا۔اے شیخ جب آپ کسی کے ہاں مہمان جاتے ہیں تو کیا اپنا کھانا ساتھ لے جاتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں، تو سنو میں خدا کا مہمان ہو کر جارہا ہوں میرا رزق اسی کے ذمہ ہے۔میں نے کہا اتنا طویل سفر بغیر سواری کے کس طرح طے کرو گے۔اس نے جواب دیا۔میرا کام کوشش کرنا ہے، خدا کا کام منزل مقصود تک پہنچانا ہے۔
مجھے جب گفتگو کے دوران اس نوجوان کے نام ونسب کا علم ہوا تو میں نے علی بن حسینؓ کو گلے لگا لیا اور آپ سے عرض کیا آپ آخر اس طویل سفر پر بغیر زادِ راہ وراحلہ کیوں روانہ ہو گئے۔آپ نے فرمایا۔یہ سب سامان میرے پاس ہے اور وہ یہ چار چیزیں ہیں۔(۱) اسباب وارزاق خدا کے ہاتھ میں ہے۔(۲) قضاء خدا ہر جگہ نافذ ہے۔(۳) دنیا اپنی موجودات سمیت خدا کی مملکت ہے۔(۴) ساری مخلوق اللہ کے بندے اور غلام ہیں۔یہ سن کر میں نے کہا خدا کی قسم آپ کا زادِ راہ اور راحلہ ہی سب سے بہتر ہے۔

ایک روایت ہے کہ آپ نے ایک دن اپنے خدام سے متوجہ ہو کر فرمایا۔"آؤ آپس میں بیعت اور عہد کرلیں کہ ہم سے جو کوئی بھی قیامت کے دن نجات پا جائے وہ سب کی سفارش کرے۔" انہوں نے سن کر عرض کیا۔"یا ابنِ رسول اللہ ﷺ آپ کو ہمارے سفارش کی کیا ضرورت ہے، جبکہ آپ کے نانا ﷺ تمام امت کے شفیع ہیں۔" تو آپ نے فرمایا کہ"اپنے افعال کیوجہ سے مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس حالت میں نبی کریمؐ کے روئے مبارک کو دیکھوں" (مگر یہ سب باتیں اپنے نفس کے عیب دیکھنے کی وجہ سے ہیں اور یہ صفت اوصاف کمال میں سے ہے، کیونکہ تمام انبیاء اور اولیاء یہ صفت رکھتے ہیں۔حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اذا اراد اللہ بعبد خیراً بصرہ بعیوب نفسہ

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو بھلائی عطا کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔"
پھر جو تواضع اپنے آپ کو سرنگوں کر لیتا ہے تو دونوں جہان اس کے تمام کام اللہ تعالیٰ اچھے کر دیتا ہے۔

ایک شخص نے آپ سے بدکلامی کی اور کئی غلط الزام آپ پر لگائے۔آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔"جو تم نے کہا ہے وہ اگر صحیح ہے تو خدا کے لیے مجھے معاف کر دو اور اگر غلط ہیں تو میں نے خدا کے لیے تمہیں معاف کر دیا اور خدا بھی تمہیں معاف کر دے۔

ایک دوسرے موقع پر ایک شخص نے آپ کی شان میں نازیبا کلمات کہے۔آپ نے اس کی طرف بے توجہی فرمائی کہ جیسے سنا ہی نہ ہو، اس نے پکار کر کہا۔"ایاك اُغنی" (یعنی میں آپ کو کہہ رہا ہوں)۔آپ نے فرمایا۔"عینك اعرض" (ہاں میں تم سے اعراض کر رہا ہوں)۔یہ اشارہ آیت قرآنی کی طرف تھا۔"خذ العفو و امر بالمعروف و اعرض عن الجاھلین" (یعنی عفو اختیار کرو، اچھے کاموں کی ہدایت کرو اور جاہلوں سے بے توجہی اختیار کرو)

ہشام بن اسمٰعیل نے آپ کی نسبت ناشائستہ اور ناگوار باتیں کیں۔جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کو ہشام کی اس بیہودہ حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کو فوراً خط لکھا کہ"آپ ملال نہ کریں میں ہشام کو سخت سزا دوں گا۔" آپ نے فوراً خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کو جواب دیا۔"میں یہ ہرگز ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ میری وجہ سے اسے کوئی نقصان پہنچے، میں نے اسے معاف کر دیا۔"

آپ جب کبھی مدینہ سے کہیں باہر جاتے تو اپنے نام ونسب بتلانے سے گریز کرتے۔کسی نے آپ سے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا۔"مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں اپنے نسب کا سلسلہ تو رسول اللہ ﷺ سے ملاؤں اور ان کی صفات وعمل مجھ میں نہ ہوں۔"

ایک شخص نے آپ پر بہتان باندھا۔آپ نے فرمایا۔"میرے اور جنت کے درمیان جہنم کی گھاٹی ہے، اگر میں نے اسے عبور کر لیا تو پرواہ نہیں جو چاہے کہو اور اگر میں اسے عبور نہ کر

سوں تو میں اس سے بھی زیادہ برائی کا مستحق ہوں جو تم نے کی ہے۔"

کسی شخص نے آپ سے بیان کیا کہ فلاں شخص آپ کو گمراہ اور بدعتی کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "افسوس ہے کہ تم نے اس کی ہم نشینی اور دوستی کا کچھ خیال نہ رکھا اور اس کی برائی مجھ سے بیان کردی، دیکھو یہ غیبت ہے اب کبھی ایسا نہ کرنا۔"

واقعہ حُرا سے مدینہ منورہ میں مقیم افراد بنی امیہ کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان سخت خطرے میں نظر آتی تھی۔ مروان کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی تباہی کا جب پورا یقین ہو گیا تو وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ لوگوں کی نگاہیں مجھ سے پھری ہوئی ہیں۔ میں اپنی جان اور عورتوں کی بے حرمتی سے ڈرتا ہوں، آپ میری حفاظت کریں اور مجھے پناہ دیں، مگر عبداللہ بن عمرؓ مروان سے کوئی تسلی بخش وعدہ نہ کر سکے تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حفاظت و پناہ کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا۔ "اپنے اہل وعیال کو ہمارے ہاں ینبع[1] میں بھیجو۔ جہاں میرے اہل وعیال رہیں گے تمہارے بھی رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کا حافظ و ناصر ہے۔" چنانچہ مروان نے تمام اہل وعیال کو جن میں حضرت عثمانؓ کی دختر عائشہؓ بھی شامل تھیں آپ کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے پوری طرح ان کی حفاظت کی اور ان کے آسائش و آرام کا خیال رکھا۔

ایک بار خراسان سے چند عقیدت مند حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ حکام وقت ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "صبر کرو، جدال و قتل سے دستکش رہو" میرا قول ان ظالموں کی نسبت وہی ہے جو حضرت عیسیٰؑ کا قول تھا کہ "ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم" (خدایا ان پر اگر تو عذاب کرے تو یہ بندے ہیں اگر تو معاف کردے تو تُو غالب و حکیم ہے نہ کوئی تجھ کو روکنے والا ہے نہ تیرا کوئی فعل خلاف حکمت ہے)

خلیفہ عبدالملک آپ کی دختر کے رشتہ کا خواہش مند تھا، لیکن آپ نے غرور و نسبت مٹانے کے لیے اپنی دختر کی شادی نہایت غریب مسلمان سے کردی اور ایک لونڈی کو آزاد کر کے

[1] ینبع مدینہ منورہ کے قریب ایک چھوٹی سی بستی تھی جہاں امام زین العابدین کی زراعت تھی، آپ مخدوش حالات کے پیش نظر مدینہ منورہ سے اس بستی میں منتقل ہو گئے تھے۔

اس سے خود نکاح کرلیا۔ خلیفہ عبدالمالک کو معلوم ہوا تو اس نے آپ کو خط لکھا جس میں آپ کے اس اقدام پر آپ کو ملامت کی تھی۔ آپ نے اسے جواب میں خط لکھا کہ "آبرو انسان کو جان سے عزیز ہوتی ہے، لیکن رضائے الٰہی کے سامنے عزیز سے عزیز متاع کی بھی کچھ حیثیت نہیں ہوتی۔ حضور اکرم ﷺ نے صفیہ بنت حی کو آزاد کر کے ان سے نکاح کرلیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا اپنے غلام زید بن حارث سے نکاح پڑھوا دیا۔ میں اور کوئی بھی مسلمان رسول اکرم ﷺ سے زیادہ معزز نہیں۔"

ابن شہاب زہری سے بھول چوک میں ایک خون ہو گیا۔ زہری اہل وعیال کو چھوڑ کر صحرا میں ایک خیمہ لگا کر بیٹھ گئے اور یہ ارادہ کرلیا کہ اب کسی مکان کے اندر قدم نہیں رکھوں گا نہ کسی سے ملوں گا۔ آپ کا ادھر سے گزر ہوا تو فرمایا۔ اے ابنِ شہاب مغفرت سے یہ ناامیدی اور یاس، اس گناہ سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ خدا سے ڈر اور استغفار کر اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے اور اپنے گھر میں جا کر قیام کر، چنانچہ ابنِ شہاب نے اس ہدایت پر عمل کیا اور ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مجھ پر سب سے زیادہ احسان علی بن حسینؓ کا ہے۔

روایت ہے کہ روم کے بادشاہ نے ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک کو نہایت ہتک آمیز اور دھمکیوں سے پر خط لکھا۔ اس نے حجاج سے پوچھا کہ اس کا کیا جواب لکھا جائے۔ حجاج نے علی بن حسینؓ کا وہ خط جو اس کی دھمکیوں کے جواب میں آپ نے حجاج کو بھیجا تھا اس میں لکھا تھا کہ ہر دن میں اللہ کے لیے تین صد ساٹھ لحظے ہیں، مجھے امید ہے وہ اپنے لحظوں میں پہلے لحظے میں تم کو میرے لیے کافی کردے گا۔ عبدالملک نے خط پڑھ کر یہ جواب لکھنے کے لیے حکم دیا۔

عبادات واشغال:

اکثر روزہ سے ہوتے۔ کثرت سے نوافل پڑھتے۔ تہجد کی نماز کبھی سفر و حضر میں ناغہ نہ ہوئی۔ وضو کرتے ہوئے چہرہ زرد ہو جاتا۔ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو بدن لرز جاتا۔ ایک بار کسی نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ "تمہیں خبر نہیں کہ کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔"

ایک بار آپ نماز ادا کر رہے تھے کہ گھر کے کسی حصہ میں آگ لگ گئی۔ ایک شور مچ گیا۔ لوگوں نے جلدی جلدی آگ بجھائی۔ آپ کو خبر بھی نہ ہوئی اور آپ نماز میں مشغول رہے۔ جب لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کو آگ کی خبر ہی نہ ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ دنیا کی آگ سے مجھے آخرت کی آگ نے غافل کر دیا۔

آپ کثرت سے دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی دعائیں کیا تھیں؟ الٰہیات کا خزانہ معارف وحقائق کا گنجینہ، خالق ومخلوق کے باہمی تعلق کا صحیح آئینہ تھیں۔ ان دعاؤں میں انسان کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو بڑے بڑے خطبوں اور تقریروں میں شاید اتنے پُراثر انداز میں نہ ملے۔ آپ کی ان دعاؤں کا مجموعہ ''صحیفہ کاملہ'' اور ''زبور آلِ محمد ﷺ'' کے نام سے موجود ہے۔

آپ عموماً روزہ جو کی روٹی سے افطار کرتے۔ کثرتِ سجود سے آپ کی پیشانی پہ نشان پڑ گیا تھا اس لیے لوگ آپ کو سید الساجدین کہتے تھے۔ آپ زہد وعبادت میں سب سے افضل تھے اسی لیے لوگ آپ کو زین العابدین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

آپ حد درجہ سخی بھی تھے۔ کئی کئی بکریاں ذبح کر کے ان کا گوشت غریبوں میں بانٹتے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ مدینہ منورہ کے اکثر گھروں میں مخفی طور پر وجہ معاش پہنچاتے۔ وفات کے بعد جب آپ کو غسل دیا گیا تو آپ کے دونوں شانوں پر گھٹے پائے گئے۔ گھر والوں سے دریافت کیا کہ یہ نشان کیسے ہیں تو انہوں نے جواب میں فرمایا ''یہ رات میں کھانا لادنے کے باعث ہیں جس سے وہ لے کر فقراء اور غریبوں کے گھروں میں دے کر آیا کرتے تھے۔''

جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے آپ کی خبرِ وفات سنی تو کہا ''افسوس دنیا کا چراغ گل ہو گیا اور جمالِ اسلام جاتا رہا اور عابدوں کی زینت باقی نہ رہی۔''

تعلیمات واقوال:

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ دنیا اور آخرت میں سب سے نیک بخت کو[illegible]ے؟ آپ نے فرمایا ''من اذا رضی لم یحملہ رضاہ علی الباطل و اذا سخط من

الحق ''(وہ شخص ہے جب راضی ہو تو پھر باطل پر راضی نہ ہو اور غصہ میں کبھی حق سے باہر نہ ہو) اور یہ ان لوگوں کا کام ہے جو کمال درجہ صداقت پر چلنے والے ہوں۔ اس لیے کہ باطل پر راضی ہونا باطل ہی ہے اور غصہ کی حالت میں اگر کوئی حق سے نکل جائے تو وہ بھی باطل ہے۔ مومن کی شان ہے کہ وہ باطل باتوں کا دلدادہ نہیں ہوتا۔

ایک دن آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ترک کرنے والا مثل اس شخص کے ہے جس نے خدا کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہو اور قانونِ الٰہی سے سرتابی کی ہو، مگر ہاں ہر وہ شخص اس حالت میں معذور ہو کہ کسی ظالم کے جبر وتعدی کا خوف ہو کہ اظہارِ حق میں مبتلاء بلا ہونا پڑے گا۔

ابو خالد کابلی نے بیان کیا۔ میں نے علی بن حسینؓ کو یہ کہتے سنا ''جس نے اللہ کے محارم سے پرہیز کیا وہ عابد ہے۔ جو اللہ کی تقسیم پہ راضی ہوا وہ غنی ہے۔ جس نے ہمسائے کے ساتھ اچھی ہمسائیگی کی وہ مسلم ہے۔ جس نے لوگوں کے ساتھ وہ ہی معاملہ کیا جو وہ لوگوں سے اپنے ساتھ چاہتا ہے تو وہ عادل ہے۔''

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا ''بری ہے وہ قوم جس نے دنیا کو دین سے فریب دیا۔ بری ہے وہ قوم جنہوں نے اعمال کیے جن سے وہ دنیا طلب کرتے ہیں۔ آدمی کے کمال کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس کلام کو ترک کر دے جو اس کے لیے مفید نہیں، اس کا کم جھگڑنا، صبر کرنا اور اس کی خوش خلقی۔

اے فرزندِ آدمؑ تو ہمیشہ خیریت سے رہے گا جب تک آپ اپنا واعظ بنا رہے گا، حساب فہمی تری ہمت وارادہ سے رہے گی۔ خوف تیرا شکار رہے گا اور حزن اس کی چادر ہو گی۔

ہر بچہ جوان ہو جائے گا پھر جو اچھا جوان بن سکے تو ضرور ہے۔

مجھے تکبر کرنے والے پر تعجب ہے کہ کل تک وہ ناپاک قطرہ تھا اور کل کو وہ مردار ہو جائے گا اور پھر تکبر کرتا ہے۔ تعجب ہے کہ لوگ فنا ہونے والے گھر کی تو فکر کرتے ہیں اور ہمیشہ رہنے والے گھر کی فکر نہیں کرتے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادیٰ حکم سنائے گا کہ اہل فضل کھڑے ہو جائیں۔ کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔ ملائکہ ان سے ملیں گے اور ان سے دریافت کریں گے کہ تمہارے فضل کیا ہے......وہ کہیں گے جب ہم سے سخت کلامی کی جاتی تھی تو ہم حلم کرتے تھے، جب ہم پر ظلم کیا جاتا تھا تو ہم صبر کرتے تھے، جب ہمارے ساتھ برائی کی جاتی تھی تو ہم معاف کر دیتے تھے......ملائکہ کہیں گے جنت میں داخل ہو جاؤ......اچھے عمل کرنے والوں کا کیسا اچھا اجر ہے۔ پھر منادیٰ ندا دے گا کہ اہلِ صبر کھڑے ہو جائیں...... چند لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔ ان سے ملائکہ کہیں گے تمہارا صبر کیا ہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت پر مجبور کیا اور اپنے آپ کو گناہوں سے روکا۔ وہ ان کے لیے بھی در جنت کھول دینگے...... پھر منادیٰ ندا دے گا کہ اللہ کے پڑوسی کھڑے ہو جائیں۔ کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے جو بہت قلیل ہوں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا تم نے اللہ کے گھر میں کس چیز سے ہمسائیگی کی......وہ کہیں گے کہ ہم لوگ مل کر اللہ تعالیٰ کے کام میں بیٹھا کرتے تھے اور اللہ کے بارے میں آپس میں تذکرہ کیا کرتے تھے اور اللہ کے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے بھی جنت کے در وا ہو جائیں گے۔

مردِ حق کی دعا:

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں خشک سالی سے بہت تباہی پھیلی۔ لوگ چلّو بھر پانی کو ترستے تھے۔ کھیتیاں سوکھ گئیں۔ مویشیوں کے دودھ خشک ہو گئے ہر طرف قحط پھیل گیا۔ لوگ سخت پریشانی کے عالم میں حرم میں جمع ہوئے، وہاں عابدوں اور زاہدوں کی ایک جماعت مصروفِ عبادت تھی۔ لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ وہ بارش کے لیے دعا کریں۔ عابدوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ دعا کی، لیکن ان کا دعا اور گریہ زاری کا نتیجہ نہ نکلا۔ لوگ سخت مایوس ہو گئے۔ حرم کے ایک گوشہ میں ایک دبلا پتلا اور زرد رو جوان بیٹھا عبادت میں مصروف تھا۔ کسی شخص نے بیقراری کے عالم میں اس نوجوان سے کہا دیکھتے نہیں لوگ کس تکلیف میں ہیں۔

سیّدنا امام محمد باقرؒ

نام:

باقر۔کنیت:ابوجعفر۔لقب:باقر۔

نسبت:

محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب۔والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ (اُمّ عبداللہ) بنت سیدنا امام حسن بن علی بن ابی طالب۔

ولادت:

یکم رجب المرجب ۵۷ھ بروز جمعہ مدینہ منورہ میں ہوئی۔

وفات:

۷ ذوالحجہ ۱۱۴ھ بروز دوشنبہ مدینہ منورہ میں ہوئی۔جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

آپ نے مندرجہ ذیل حکمرانوں کا زمانہ پایا۔

امیر معاویہؓ۔یزید بن معاویہ۔معاویہ بن یزید۔مروان بن حکم۔عبدالملک بن مروان۔ولید بن عبدالملک۔سلیمان بن عبدالملک۔عمر بن عبدالعزیز۔ہشام بن عبدالملک۔

مسندِ علم وہدایت:

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں۔آپ عبادت،علم اور زہد میں حضرت زین العابدین کی جیتی

جاگتی تصویر تھے۔آپ کے فیوض و برکات،کمالات و احسانات سے اس شخص کے علاوہ جس کی بصیرت زائل ہو چکی ہو،جس کی طبعیت وطنیت فاسد ہو چکی ہو اور کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

...... محمد بن طلحہ شافعی فرماتے ہیں۔آپ علم،زہد،تقویٰ،طہارت،صفائے قلب اور دیگر محاسن وفضائل میں اس درجہ پر فائز تھے کہ یہ صفات خود ان کی طرف انتساب سے ممتاز قرار پائے۔

...... علامہ ابن سعد کہتے ہیں۔کہ آپ تابعین کے طبقہ میں سے تھے اور بہت بڑے عالم، عابد اور ثقہ تھے۔

...... ابن شہادت زہری اور امام نسائی نے آپ کو فقیہِ ثقہ بتایا ہے اور کہا ہے کہ فقہا کی بڑی جماعت نے آپ سے روایت کی ہے۔

...... عطاء کہتے ہیں کہ علماء کو از روئے علم کسی کے سامنے اس قدر اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے ہوئے نہیں دیکھا جس طرح کہ وہ امام باقرؒ کے روبرو سمجھتے تھے۔میں نے حکم جیسے عالم کو ان کے سامنے سپر انداختہ دیکھا۔

...... علامہ ذہبی لکھتے ہیں ہیں کہ آپ سردار بنی ہاشم تھے۔تبحر علمی کے باعث باقر مشہور تھے،چونکہ آپ علم کی تہ تک پہنچ گئے تھے اور اس کے دقائق کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔

...... علامہ ابن خلقان فرماتے ہیں کہ سیدنا باقر امام زمانہ،امام کبیر،عالم متجر اور وسیع الاطلاع تھے۔

...... خواجہ محمد پارسا لکھتے ہیں کہ آپ عظیم الشان امام و پیشوا اور صاحب جلال وکمال ہیں۔

...... آپ نے اپنے والد امام علی زین العابدین سے امامت علم وہدایت وراثت میں پائی۔ لہٰذا جملہ بلاد اسلامیہ کے علماء وفضلاء اسی آستانہ پر کسب علم وفیض کے لیے سر جھکا کر حاضر ہوتے تھے اور شاد کام ہو کر واپس جاتے تھے۔کوئی ایسا نہ تھا جو مدینہ منورہ میں آئے اور بیت باقرؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے بغیر واپس چلا جائے۔یہ لوگ جو آستانہ باقرؒ پر حاضر ہوتے

تھے۔ ان میں شیعان اہل بیت بھی تھے اور اصحابِ اہل سنت بھی۔ ان لوگوں میں وہ غلو پسند لوگ بھی تھے جو شیعت میں حد سے آگے بڑھ گئے تھے۔ آپ ان کے سامنے حق پیش کرتے اور اس کی وضاحت فرماتے۔ اگر وہ ہدایت قبول کر لیتے تو وہ حق کامل کے لیے ان کی بیعت قبول کر لیتے۔ اگر وہ اپنے غلو اور تشدد پہ قائم رہتے تو ان پہ اپنی مجلس کے در بند کر دیتے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے اصحاب زیادہ تر آئمہ فقہ وحدیث ہوتے۔ مثلاً سفیان ثوری، سفیان بن عینہ، محدث مکہ اور ابوحنیفہ فقیہِ عراق وغیرہ۔ جو بھی آستانہ پہ حاضر ہوتا، ہدایت پاتا۔ آپ اس کے سامنے حق کو اس طرح پیش کرتے کہ اس میں کسی طرح کی نہ رہتی۔ ذیل میں اسی علمی مناقشہ کا مرقع پیش ہے جو آپ کے فقیہِ عراق ابوحنیفہ کے مابین ہوا تھا۔ امام ابوحنیفہ کثرت قیاس کے سلسلہ میں غیر معمولی شہرت پا چکے تھے اور اکثر علماء کا خیال تھا کہ وہ فقہی مسائل میں کتاب وسنت کا اتنا خیال نہیں رکھتے جتنا قیاس سے کام لیتے ہیں۔

اس امر میں بعض علماء انہیں ملامت بھی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابوحنیفہ آپ کے پاس آئے۔ اس سے پیشتر آپ کی ابوحنیفہ سے ملاقات نہیں تھی۔ جب امام فقہ ابوحنیفہ نے اپنا تعارف کروایا تو آپ نے ان سے اس طرح گفتگو کی۔

امام محمد باقرؒ: کیا تم وہی شخص ہو جس نے میرے جدِ محترم کے دین کو اور ان کی احادیث کو قیاس سے بدلنے کی کوشش کی ہے۔

امام ابوحنیفہ: آپ تشریف رکھئے میرے نزدیک آپ کی وہی حرمت ہے جو آپ کے جدِ عالیمقام کی اپنے صحابہ کے نزدیک تھی۔

امام محمد باقرؒ بیٹھ گئے۔ پھر ابوحنیفہ آپ کے سامنے مودب ہو کر بیٹھ گئے۔

ابوحنیفہ: میں آپ سے تین سوال کرتا ہوں ان کا جواب مرحمت فرمایئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ''مرد ضعیف ہے یا عورت؟''

امام باقرؒ: مرد کے مقابلہ میں عورت زیادہ ضعیف ہے۔

ابوحنیفہ: میراث میں عورت کا کتنا حصہ ہے؟

امام باقرؒ: مرد کو دو حصہ اور عورت کو ایک حصہ۔

ابوحنیفہ: یہ آپ کے جدِ عالی مقام کا علم ہے۔ اگر میں نے آپ کے جدِ عالی مقام کے دین کو بدل دیا ہوتا تو پھر قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ مرد کو ایک حصہ دیا جاتا اور عورت کو دو حصے دیئے جاتے۔ اس لیے کہ عورت مرد سے زیادہ ضعیف و ناچار ہے۔ اب میرا ایک اور سوال ہے۔ نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقرؒ: نماز افضل ہے۔

ابوحنیفہ: یہ آپ کے جدِ عالی تبار کا ارشاد ہے، اگر میں نے آپ کے جدِ عالی تبار کا قول بدل دیا ہوتا تو عورت جب حیض سے ظاہر ہو جاتی ہے تو میں اسے حکم دیتا کہ نماز کی قضاء ادا کرے اور روزے کی قضا نہ ادا کرے۔ اب میرا ایک اور سوال ہے کہ پیشاب زیادہ نجس ہے یا نطفہ؟

امام باقرؒ: پیشاب زیادہ نجس ہے۔

ابوحنیفہ: اگر میں نے آپ کے جدِ بزرگوار کا دین قیاس سے بدل دیا ہوتا تو میں حکم دیتا کہ پیشاب کے بعد غسل کیا جائے اور نطفہ کے لیے وضو کرنے کو کافی سمجھا جائے، لیکن خدا کی پناہ میں آپ کے جدِ محترم کے دین کو قیاس سے بدل دوں۔

یہ سُن کر آپ اٹھے اور امام ابوحنیفہ سے معانقہ کیا اور ان کے چہرے کا بوسہ لیا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ علماء کے گروہ میں امام کی حیثیت رکھتے تھے اور آپ انہیں اپنے حضور میں طلب کرتے تھے اور ان کا محاسبہ کرتے تھے۔ اس بارے میں جو باتیں آپ کو پہنچتی تھیں ان کی تحقیق کرتے۔ آپ کی حیثیت ایک سردار کی تھی جو زیر دستوں اور ماتحتوں پر حکم چلاتا تھا اور وہ بجان و دل آپ کے حکم کی تعمیل کرتے تھے اور آپ کی ریاست کے آگے سر جھکاتے تھے۔

آپ قرآن کے بہت بڑے مفسر تھے اور فقہ اسلامی کے بہت بڑے رمز شناس تھے۔

امر و نواحی دونوں ہی کی حکمت سے واقف تھے اور ان کے مرامی و مقاصد کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ راوی حدیث بھی تھے۔ احادیث آل بیت کی روایت بھی کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بغیر کسی تفریق کے صحابہؓ سے بھی حدیثیں روایت فرمایا کرتے تھے۔ ان کے کمال نفس، نور قلب اور قوت مدارات کے باعث اللہ تعالیٰ نے انہیں دانش و بینش کی نعمت سے سرفراز فرمایا تھا۔

طبقات ابن سعد میں آپ کے ذکر میں لکھا ہے کہ آپ (امام محمد باقرؒ) ثقہ اور کثیر علم اور کثیرت الحدیث تھے، مگر ان سے کسی ایسے راوی نے کوئی روایت نہیں کی جو قابل احتجاج و اعتبار ہو۔ غالباً اس کی وجہ یہی تھی کہ حکومت بنی امیہ اہل بیت ائماء کی سخت مخالف تھی اور اس وجہ سے آئمہ اہل بیت کی تعلیمات و روایات کو بیان کرتے ہوئے ڈرتے تھے اور بعض علما تو آپ کے ہاں جانے سے ڈرتے تھے کہ کہیں ہم عتاب حکمراں کی زد میں نہ آ جائیں۔ محض اس ایک واقع سے ہی اندازہ لگا لیجیے جو طبقات ابن سعد میں ہی مذکور ہے۔

"جس شب علی بن ابی طالب قتل ہوئے اس شب ہی عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کے یہاں لڑکا پیدا ہوا، اس مولود کا نام انہوں نے حضرت علی کی کنیت و نام پر ابوالحسن علی رکھا، مگر خلیفہ عبدالملک نے اپنے دور خلافت میں ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عباس سے کہا۔ خدا کی قسم میں اس کنیت اور نام کے اجتماع کو برداشت نہیں کر سکتا یا کنیت بدلو یا نام بدلو، چنانچہ علی بن عبداللہ نے بجائے ابوالحسن اپنی کنیت ابومحمد قرار دی۔"

آپ نے اپنے والد معظم امام زین العابدین، امام محمد حنیفہ، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک اور ابن میتب سے حدیث کو سنا اور آپ سے عطاء بن ابی رباح، ابو سبیعی، عمر بن دینار، اعرج، محدث ابن شہاب زہری و دیگر نے حدیث کو روایت کیا۔

صحابہ سے محبت و احترام:

آپ صحابہ کرام کا قرار واقعی ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ خصوصاً شیخینؓ کا۔ اس سلسلہ میں آپ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جو ابوبکرؓ، عمرؓ کا شناسا نہیں وہ سنت سے ناواقف ہے۔

ایک مرتبہ جعفر جعفی سے جو آپ کے خاص اصحاب میں سے تھے فرمایا۔ "ایک جابر مجھے معلوم ہوا ہے کہ عراق کی ایک جماعت اس خیال میں ہے کہ وہ ہمیں محبوب رکھتی اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے بارے میں برے خیالات رکھتی ہے۔ ان کو بتا دو کہ میں خدا کے سامنے ان کے اس فعل سے بری ہوں۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے محمد ﷺ شفاعت نصیب نہ ہو، اگر میں ان اصحاب رسول اللہ ﷺ کے لیے دعائے مغفرت نہ کرتا ہوں۔ وہ لوگ خدا کے دشمن ہیں جو ان سے غافل ہیں۔"

ایک مرتبہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں پوچھا گیا "انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین یقیمو الصلٰوۃ ویوۃ الذکوۃ" (تمہارے دوست تو خدا اور رسول ﷺ اور ایمان والے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں)۔ آپ نے فرمایا یہ اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں۔ سائل نے عرض کیا۔ "کہتے ہیں اس آیت میں سیدنا علیؓ مراد ہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "وہ بھی انہیں صحابہ میں سے ہیں۔" اس میں تو اختلاف ہو سکتا ہے کہ اصحاب محمد ﷺ کون تھے، لیکن یہ تو طے شدہ بات ہے کہ اہل بیت رضوان راس الصحابہ ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیت رضوان کو اپنی رضا سے نوازا ہے، لہٰذا ان کا صحابی ہونا تو خود نص قرآن سے ثابت ہے۔ "ان الذین یبایعونك انما یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم" (جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے)۔ یا یہ ارشاد باری تعالیٰ "لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ" (اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوشنود ہوا جنہوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی)۔

پھر بھلا ان نفوس زکیہ میں سے کسی پہ لعن طعن کو کس طرح جائز قرار دیا جا سکتی ہے۔ جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے خوشنودی کا اظہار کیا ہو، اگر ان پر کوئی لعنت کرے تو وہ خدا سے جنگ کرتا ہے۔ اس اصول کی بناء پر ولایت ان تمام اصحاب کے لیے ثابت ہے جو بیعت رضوان میں شریک تھے اور ظاہر ہے خلفۂ راشدین بھی ان میں شریک تھے۔

اخلاق، اوصاف، اشغال، معمولات:

آپ صوم وصلوٰۃ اور نماز تہجد پابندی سے ادا کرتے تھے اور کثرت سے نوافل پڑھتے تھے۔ زندگی زہداء اور عارفانہ تھی۔ اکثر ایک بوریہ پر بیٹھے درس دیا کرتے تھے۔ جو آمدنی آتی تھی اسے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ غریبوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ تواضع اور فروتنی، صبر وشکر اور صلہ رحمی میں بے نظیر تھے۔ فقیروں کی عزت کرتے تھے اور ان کو اچھے ناموں سے پکارتے تھے۔

آپ کے ایک خاص خادم نے بیان کیا کہ جب آدھی رات ایک حصہ گزر جاتی تو آپ بارگاہ ایزدی میں یہ مناجات نہایت الحاح وزاری سے پڑھتے۔ یہ مناجات فصیح وبلیغ عربی میں ہیں جس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ: اے میرے معبود رب رات آ گئی اور دنیا کی شاہی کا عمل و دخل ختم ہو گیا ہے، تمام آسمان ستاروں سے منور ہو گیا ہے اور تمام مخلوق خواب غفلت میں ہو گئی اور زبان خلق پہ مہر سکوت لگ چکی ہے۔ سب پہ نیند غالب ہو گئی ہے، لوگ دروازوں سے بھاگ گئے ہیں، حکمرانوں نے بھی آرام کے لیے اپنی خواہشوں کو چھپا کر اپنے دروازوں کو بند کر دیا ہے اور اپنے دروازے پر پہرے کھڑے کر دیئے ہیں، وہ حاجت مند جوان سے طالب حاجت تھے ان سے علاحدہ ہو گئے ہیں، مگر اے میرے مولا اگر کوئی ہے تو تو ہی ہے، ہمیشہ رہنے والا اور دیکھنے والا، تیری ذات اونگھ اور نیند سے مبّرہ ہے۔ جو شخص تیری ان صفات کو نہیں پہچانتا وہ کسی نعمت کا حقدار نہیں۔ دنیا کی کسی چیز کا تیرے کام میں دخل نہیں اور تیری رحمت کا دروازہ ہر ایک پر کھلا ہے جو تجھے پکارتا ہے اور تیری حمد وثنا کرتا ہے تیری رحمت کے خزانے اس پر کھلے ہیں تو وہ مالک الملک ہے کہ مسائل کو دور کرنا بھی تجھے پسند نہیں جو مومن تیری بارگاہ میں دعا کرتا ہے تو اس کے سوال کو زمین وآسمان کی خلقت میں کوئی روکنے والا نہیں یا اللہ جب ہم موت اور قبر کا حساب یاد کرتے ہیں تو پھر کس چیز سے سہارا حاصل کریں جب ملک الموت یاد آتا ہے تو پھر دنیا کی نعمتوں میں دل نہیں لگتا اور اپنے نامۂ اعمال

پر غور کرتے ہیں تو بیقرار ہو جاتے ہیں اس سے کیسے قرار پائیں۔ اے میرے مولا میرا تجھ سے سوال یہ ہی ہے سوائے تیرے اس جواب کی کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ یا اللہ میری پکار تیری بارگاہ میں صرف اتنی ہے کہ تو موت کے وقت مجھے اتنی خوشی عطا فرما جس میں عذاب نہ ہو حساب کے وقت بھی میری مدد فرماتا کہ کوئی تکلیف نہ ہو۔"

ایک خادم نے عرض کی اے میرے آباء واجداد کے آقا آپ کب تک گریہ وزاری کرتے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا "اے میرے رفیق حضرت یعقوبؑ کے فرزند حضرت یوسفؑ گم ہوئے تو وہ اس قدر روئے کہ ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور میں نے اپنے خاندان کے اٹھارہ بزرگ ترین افراد کو دشت کربلا میں گم ہوئے دیکھا ہے، میری آنکھیں ان کے غم میں سفید ہو جائیں تو کیا ہے۔

آپ کے خادم افلح کا بیان ہے کہ ایک بار حج بیت اللہ کے موقع پر جیسے ہی کعبہ مکرمہ پر آپ کی نگاہ پڑی آپ چیخ مار کر رونے لگے، میں نے عرض کیا حضور ذرا آہستہ گریہ فرمائیں لوگ دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اے افلح شاید ان لوگوں کی طرح اللہ تعالیٰ بھی مجھے دیکھ لے اور بخشش کا سہارا ہو جائے۔" اس کے بعد سجدہ میں چلے گئے بڑی دیر کے بعد جب سر اُٹھایا تو جائے سجدہ آنسوؤں سے تر تھی۔

آپ ہمیشہ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو نامۂ پند ونصائح لکھتے رہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو دفتر شاہی میں سے آپ کا ایک خط خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے نام ملا۔ اس خط میں ایک بھی حرف نصیحت نہ تھا، بلکہ سلیمان کی تعریف تھی اس لیے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ سیدی محمد باقرؒ سے دریافت کرو کہ انہوں نے سلیمان کو مادحانہ اور مجھے ناصحانہ نامے کیوں لکھے، چنانچہ حاکم مدینہ نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ "سلیمان ایک مردِ جبار تھا اس کو میں نے ویسا ہی نامہ لکھا جیسے جباروں کو لکھنا چاہیے۔ تمہارے صاحب نے چونکہ اتباع امردین کا اظہار کیا تھا، لہٰذا میں نے انہیں اسی کے مطابق لکھا۔ حاکم مدینہ

نے آپ کا جواب خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس بھیج دیا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس جواب کو پڑھ کر کہا" خدا نے ان اہل بیت کو کسی حال میں بھی اپنے فضل سے محروم نہیں رکھا۔"

تعلیمات واقوال:

اخلاق شخصی وایقامی سے متعلق ان سے ایسے اقوال وعبادات مروی ہیں کہ اگر انہیں ترتیب وتہذیب کے ساتھ ایک لڑی میں پرو دیا جائے تو وہ اخلاقیات کا ایک بہترین آئین بن جائے اور انسانیت مرتبۂ اعلیٰ پر فائز ہوجائے، چنانچہ ان کے چند عبارات واقوال نمونہ ازخروارے کے طور پر نقل ہیں۔

آپ سے آیت "وقولو اللناس حسنا" یعنی لوگوں سے اچھی بات کہو۔ کی تشریح چاہی تو آپ نے فرمایا "تم جو کچھ اپنے لیے کہنا پسند کرتے ہو اس سے بہتر لوگوں سے کہو۔"

ایک مرتبہ آپ نے فمن یکفر بالطاغوت ویوء من باللہ (ترجمہ) جو شخص شیطان کا انکار اور اللہ پہ ایمان لائے اور کل من شغلك من مطالعة الحق (ترجمہ) تیرا شیطان وہ ہے جو تجھے مطالعہ حق سے باز رکھے۔" اس کلام کی تعبیر کرتے فرمایا،" اب ذرا غور کرو تم کس چیز کے باعث اللہ تعالیٰ کے تعلق سے دور ہو اور پردے میں ہو اور جس سبب سے تم مشاہدہ حق سے عاجز ہو، اگر تم اس حجاب کو دور کر دو تو پھر مکاشفہ الٰہی ہوگا اور جو پردہ حق کے درمیان تم سے ہے وہ مانع مشاہدہ ہوگا۔ وہ لوگ جن کو مشاہدہ حق حاصل نہیں ان کو قرب حق کا دعوا نہیں کرنا چاہیے۔

آپ کی مجلس میں بے شمار علمی سوالات پیش ہوتے اور آپ ان کا بحسن وخوبی جواب دیتے، لیکن ذات خداوندی کی کنہ کے متعلق پسند نہ کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ماہیت کو جاننا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔

ایک شخص نے ذات خداوندی کو کنہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا "ذات الٰہی وہ ہے جو عقل میں نہ سما سکے اور حدود میں محدود نہ ہو سکے اس کی ذات فہم وادراک سے بالا مگر خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا خدا کی ذات کے بارے میں بحث نہ کرو ورنہ حیران رہ جاؤ گے۔

ایک بار اپنے صاحبزادے جعفر کو وصیت فرمائی "کسل اور ضجر سے بچنا، کیونکہ یہ دونوں چیزیں شر کی کنجیاں ہیں، اگر تم نے کسل سے کام لیا تو حق تک نہ پہنچ سکو گے، اگر تم نے ضجر سے کام لیا تو حق پر قائم نہیں رہ سکو گے۔"

پانچ آدمیوں کی صحبت نہ اختیار کرنا۔ اوّل فاسق کی صحبت نہ اختیار کرنا۔ دوم بخیل سے بچنا۔ سوم جھوٹ سے میل ملاپ نہ رکھنا۔ وہ اس سراب کی طرح ہے جو تم سے قریب سے دور اور دور کو قریب کردے گا۔ چہارم احمق سے پہلو بچانا وہ تمہیں نفع پہنچانے کی کوشش کرے گا، لیکن ضرر پہنچا کر رہے گا۔ پنجم قاطع رحم سے کنارہ کشی اختیار کرنا، کیونکہ میں نے اللہ کی کتاب میں اسے ملعون پایا ہے۔

اگر تم کسی قاری (عالم) کو دیکھو کہ وہ دولت مندوں کو محبوب رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ صاحب دنیا ہے اور جب تم دیکھو کہ وہ حاکم وقت کے دامن سے وابستہ ہے تو سمجھ لو وہ چور ہے۔

کسی شخص کے قلب میں کروغرور اس وقت گھر بناتا ہے جب عقل وہاں سے رخصت ہوجاتی ہے۔

فرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ طلب علم زہد سے بہتر ہے۔

قسم خدا کی ایک عالم کی موت ستر عابدوں کی موت سے زیادہ ابلیس کے لیے مسرت بخش ہے۔

مصائب پر صبر کرو، حقوق کو نہ روکو، اپنے سے کسی کو وہ چیز نہ دو جس کا ضرر تم پر اس شخص کے نفع سے زیادہ ہو۔

وہ بہت برا باپ ہے جس کو نیکی افراط کی دعوت دے اور بہت برا ہے وہ بیٹا جس کی تقصیر وکوتاہی نافرمانی والدین کی دعوت دے۔

اللہ تعالیٰ لعنت کرنے والے، برا کہنے والے، بیہودہ بکنے والے، بے حیائی کی باتیں کرنے والے اور مسائل کے پیچھے پڑنے والے سے بغض رکھتا ہے اور حیادار، بردبار، پارسا اور پاک دامن سے محبت رکھتا ہے۔

میں مسلسل روزہ رکھوں نماز پڑھوں۔ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کروں اور میرے دل میں اللہ کے دوستوں کی محبت نہ ہو اور اس کے دشمنوں سے نفرت نہ ہو تو میرے لیے اس روزہ و نماز میں سے کچھ بھی مفید نہ ہوگا۔

کمینے آدمی کا ہتھیار بدگوئی ہے۔

اے میرے بیٹے تجھے مستی اور توبیخ سے بچنا چاہیے یہ دونوں چیزیں ہر برائی کی جڑ ہیں۔ میں دنیا سے بالکل بے فکر ہوں، کیونکہ جس کے دل میں دین خالص ہو وہ دنیا کو کچھ نہیں سمجھتا۔ خیال رہے کہ دنیا چھوڑی ہوئی سواری، اُتارا ہوا کپڑا، مطلقہ عورت ہے۔ سنو دنیا ایک سرائے فانی ہے اس میں آنا جانا لگا رہتا ہے آج آئے اور کل گئے۔ دنیا ایک خواب کے مانند ہے جب جاگ اٹھے تو کچھ بھی نہیں۔

مومن دنیا کی بقا سے مطمئن نہیں ہوتا اور اس کی دیکھی ہوئی چیزوں کی وجہ سے نورِ خدا اس سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔

مومن کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے کہ وہ ہر وقت اسے متنبہ اور بیدار رکھتا ہے۔

ایک ہزار عابد سے وہ عالم اچھا ہے جو اپنے علم سے انسانوں کو فائدہ پہنچا رہا ہو۔

میرے ماننے والے وہی ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں۔

آنسوؤں کی بڑی قیمت ہے جس رخسار پر آنسو ہوں وہ ذلیل نہیں ہو سکتا۔

خدا کے نزدیک بہترین عبادت پاک دامنی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے پیٹ اور شرم گاہ کو محفوظ رکھے۔

دُعا سے قضا بھی ٹل سکتی ہے۔

اجل کی دو قسمیں ہیں ایک اجل مختوم دوسری اجل موقوف۔ دوسری سے خدا کے سوا کوئی باقی نہیں۔

نیکی بہترین خیرات ہے۔

بدترین عیب یہ ہے کہ اپنے بڑے گناہ کی پروا نہ ہو اور دوسروں کے چھوٹے عیوب بھی بڑے نظر آئیں۔

جو خوشحالی میں ساتھ رہے اور تنگ دستی میں دور رہے وہ تمہارا بھائی اور دوست نہیں ہے۔

عالم کی صحبت میں کچھ دیر بیٹھنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو تعلیم دی جائے۔

جس نے تعلیم اس غرض سے حاصل کی ہو کہ وہ علماء سے بحث کرے اور جہلا پر رعب جھائے وہ گمراہ ہے۔

دین کی راہ دکھانے والا اور دین کی راہ پانے والا ثواب کی میزان میں برابر ہیں۔

جو دینیات میں غلط کہتا ہو اسے صحیح بتادو۔

بغیر امام کے قوم کی مثال بھیڑوں کے اس ریوڑ کی طرح ہے جس کا کوئی نگران و محافظ نہ ہو۔

نصائح:

جب کوئی نعمت ملے تو ''الحمدللہ'' پڑھو۔

جب کوئی تکلیف پہنچے تو ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم'' پڑھو۔

جب روزی تنگ ہو تو استغفر اللہ پڑھو۔

ازدواج اولاد:

آپ کے چار بیویاں تھیں (۱) اُم فروہ بنت قاسمؒ بن محمدؒ بن ابوبکرؓ (اُم فروہ کی والدہ اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق تھیں) (۲) اُم حکیم بنت احمد بن مغیرہ ثقفی (۳) لیلےٰ (۴) ریطہ بنت عبیداللہ بن عبداللہ بن عبدالمدان حارثی۔ ریطہ آپ کے ماموں کی دختر تھیں۔ ان سے نکاح کی وجہ یہ ہوئی کہ ریطہ کی شادی عبداللہ بن مروان سے ہوئی تھی۔ عبداللہ کے انتقال کے بعد حجاج بن عبدالمالک نے ان سے عقد ثانی کرلیا، لیکن اس نے قبل خلوت انہیں طلاق دے دی۔

اس سے انہیں دکھ ہوا۔ آپ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ میرے ماموں کی
لڑکی ریطہ آپ لوگوں میں بیاہی تھی وہ اب بیوہ ہے، اگر اجازت ہو تو میں اس سے نکاح کرلوں۔
خلیفہ نے کہا تمہارے اور اس کے درمیان کون حائل ہے، چنانچہ آپ نے قفسرین کے قریب
مالک الطائی کے مکان میں ان سے نکاح پڑھا۔

متعدد روایات کے مطابق اُم فروہ سے محض جعفر صادق ہوئے۔ ایک روایت یہ بھی
ہے کہ ان سے عبداللہ افطح بھی ہوئے، لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام باقرؒ کی نسل صرف امام جعفر
صادق سے چلی۔ اُم حکیم سے ابراہیم وعبداللہ ہوئے۔ لیلےٰ سے علی وزینب ہوئے۔ ریطہ سے
ایک دختر ام سلمیٰ ہوئی۔ آپ کی دختر زینب کی شادی عبید بن محمد بن ابی القاسم عمر بن علی بن ابی
طالب سے ہوئی۔

سیّدنا امام جعفر صادقؒ

نام:

جعفر۔ کنیت: ابوعبداللہ۔ لقب: صادق

نسب:

جعفر بن محمد بن علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم۔ آپ کی
والدہ ماجدہ اُم فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ تھیں اور اُم فروہ کی والدہ مکرمہ اسماء بنت عبدالرحمن
بن ابوبکرؓ تھیں۔

ولادت:

بروز پیر ۱۷ ربیع الاول ۸۰ھ مدینہ منورہ میں بعہد خلیفہ عبدالملک ہوئی۔ اسی سال امام
زید بن علی بن حسین (آپ کے چچا) اور امام فقیہ ابوحنیفہ کتم عدم سے عالم وجود میں آئے۔ آپ
نے ۶۸ سال بقول دیگر ۶۵ سال عمر پائی۔

وفات:

آپ کی وفات بروز پیر ۵ الرجب ۱۴۸ھ مدینہ منورہ میں بعہد خلیفہ منصور عباسی ہوئی۔
آپ کو جنت البقیع کے اس حصہ میں دفن کیا گیا جہاں آپ کے والدِ ماجد امام محمد باقرؒ اور جدِ محترم
امام علی زین العابدین اور اُن کے چچا سیدنا امام حسنؓ بن علیؓ مدفون ہیں۔ اس قبر مقدس کی رفعت اور
مرتبت کا کیا کہنا جسے یہ شرف اعزاز ہو۔

حکمرانِ زمانہ:

آپ نے متعدد اموی اور عباسی بادشاہوں کا زمانہ پایا۔ جن میں عبدالملک، ہشام بن عبدالملک، ولید بن یزید، یزید بن ولید بن عبدالملک، ابراہیم بن ولید، مروان الحمار بنی امیہ سے تھے۔ عبداللہ سفاح اور منصور دوانقی بنو عباس میں سے تھے۔

شمائل:

آپ میانہ قامت تھے نہ طویل، نہ پستہ قد۔ چہرہ سفید اور روشن جو اس طرح دمکتا تھا جیسے شبِ تاریک میں شمع کا نور۔ بال سیاہ، ستواں ناک، بال لٹک کر پیشانی تک آجاتے تھے جس سے رعنائی کچھ اور بڑھ جاتی تھی۔ رخسار مبارک پہ ایک سیاہ خال بھی تھا۔ یہ کیفیت تو عالم شباب کی تھی، جبکہ آپ نے ابھی پیری کی منزل میں قدم نہیں رکھا تھا۔ اس کے بعد تو آپ کے وقار و جلال، سطوت اور ہیبت میں اور بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ یہ تھا آپ کا صفِ جسمی لیکن آپ کا وصفِ نفسی اور عقلی؟ وہ تو بلندی کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ جس تک نظر کا جانا اور دیکھنا محال تھا۔ آپ کے صفات عالیہ کا کچھ حصہ آپ کے اقرانی اور معاصر تک پہنچا تھا جس نے انہیں بھی بالا و برتر بنا دیا تھا۔ یہ ہی وہ مرتبۂ بلند تھا جس سے حکام اور صاحبِ اقتدار و اختیار رشک کیا کرتے تھے، لیکن یہ مرتبۂ بلند آسمانی اور الٰہی عطیہ تھا اور اہلِ زمین میں یہ سکت کہاں ہے کہ وہ اہلِ آسمانی سے لے سکیں یا ان کی برابری کر سکیں۔

تعلیم وتربیت اور حصولِ علم میں انہماک:

آپ نے اپنے اکابر کی گود میں آنکھیں کھولیں اور ان کے دامنِ تربیت سے فیض یاب ہوئے۔ اس مقدس فضا اور اس بیت کریم میں نشو و نما کے مراحل اور شعور کی منازل طے کیں جہاں سے لوگ سعادت کا تحفہ حاصل کر رہے تھے۔ جس بیت کریم کے مکینوں کے شرف فضیلت کے سامنے سب کے سر جھک جاتے تھے۔

آپ اپنی نشاۃ اولیٰ میں تین چشموں سے سیراب ہوئے۔ اپنے دادا سیدنا زین العابدینؒ، اپنے والد سیدنا باقرؒ اور اپنے نانا سیدنا قاسمؒ سے اور یہ سب اصحاب ارباب فضل عظیم تھے۔

امام زین العابدین کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۴ سال تھی۔ سیدنا قاسم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی۔ سیدنا امام باقرؒ کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۳۴ یا ۳۵ سال تھی۔

آپ شعور و بلوغ کی منزل میں پہنچتے ہی ہمہ تن حصولِ علم کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، ہر در پر دستک دی، ہر گوشہ تک پہنچے۔ یہ ذوق وشوقِ علم انہیں گویا اپنے آباء سے ورثا میں ملا تھا۔ وہ آلِ محمد ﷺ کے چشمۂ صافی سے فیض یاب ہونے کے بعد اور جہاں جہاں یہ علم مل سکتا تھا وہاں سے انہوں نے اخذ وکتب علم کیا۔ تابعین کے ذخیرۂ علم سے بھی فائدہ اٹھایا، چنانچہ انہوں نے پورے طور پر علم قرآن حاصل کیا۔ ناسخ ومنسوخ کی معرفت حاصل کی۔ حدیث کا علم پورے طور پر حاصل کیا۔ فقہ پر پوری توجہ مبذول فرمائی اور تمام ابواب فقہ پہ مکمل مہارت اور دسترس حاصل کی۔

رائے اور استنباط کو بھی اچھی طرح سمجھا اور جانا۔ اختلاف فقہا پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ اس ذخیرہ علم کے ساتھ ساتھ آپ نے دوسرے علوم پر بھی توجہ فرمائی۔ آپ کے قوائے ذہنی اور دماغی صرف ان ہی علوم پر قناعت نہیں کر سکتے تھے جو انہوں نے حاصل کر لیے تھے، چنانچہ انہوں نے علم کونیات پہ بھی توجہ دی اور اس کے بشمولہ اور متعلقہ علوم بھی پڑھے۔

چشمۂ علم وہدایت:

علم کونیات میں بھی آپ اس مقام پر فائز تھے کہ جابر ابن حیانی ایسے عالم کونیات کو آپ کے علم کا محتاج ہونا پڑا۔ چنانچہ ابن خلقان آپ کی سوانح پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے۔ ''جابر ابن حیان الصوفی الطوسی نے ایک کتاب مرتب کی جو ایک ہزار اوراق پہ مشتمل تھی اور تمام تر رسائل امام جعفر الصادق کو متعمن تھی۔'' شہرستانی اپنے رسالہ ''الدلائل والمسائل'' میں لکھتے ہیں۔ ابو موسےٰ جابر حیان صوفی کوفی امام جعفر الصادق کے مشاہیر تلامذہ میں سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہیں۔

۸۰ء میں طوس میں پیدا ہوئے۔ علم ریاضیہ اور نجوم میں کمال حاصل کیا۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ امام جعفر الصادق سے ان کا تلمذ ثابت ہے۔ آپ کی بارگاہ میں ان کے اختصاص اور امتیاز کی کیفیت یہ تھی کہ ان کی تعلیم کا وقت علاحدہ مقرر تھا اور اس وقت کوئی دوسرا ان کے شریک درس نہ ہو سکتا تھا۔ ان کے اگر سب نہیں تو اکثر مسائل کا مصدر ان کے استاد کا دبستانِ علم ہے۔ ان کے پچاس رسائل میں نے دیکھے ہیں جو قدم خط میں لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں انہوں نے لکھا ہے۔ ''مجھ سے جعفر علیہ السلام نے فرمایا''...... (کہیں لکھا ہے)...... ''مولائی جعفر علیہ السلام نے مجھ سے تحدیث کی۔'' (کسی رسالہ میں لکھا ہے) ''مجھ سے سیدی جعفرؓ نے فرمایا۔'' جابر نے ایک اور رسالہ میں جس کا نام ''منفعتہ'' رقم کیا ہے لکھا ہے ''میں نے یہ علم جعفر علیہ السلام سے حاصل کیا ہے۔''

آپ کا علم تمام تر وہبی نہیں تھا بلکہ اس کا بڑا حصہ کسبی تھا جو آپ نے اپنے آباء کرام اجداد عظام سے حاصل کیا تھا نیز اپنے ہم عصر عالموں اور فاضلوں سے ربط وصلہ قائم رکھا تھا۔ انہوں نے آپ سے بہت کچھ حاصل کیا تھا اور آپ نے بھی اگر ان کے پاس کوئی قابل اخذ چیز ملی تو لے لی اور ہمیشہ سے متبوع کی یہ ہی شان رہی ہے۔

علمائے اسلام کسی امر پر اس درجہ متحد و متفق نہیں ہوئے جتنے آپ کے علم وفضل، اتقاو پرہیزگاری پر ہوئے، چنانچہ ان کے ہمعصر آئمہ اہل سنت نے ان سے کسب علم اور کسب فیض کیا۔ ان سے روایت کی۔ حضرت امام مالکؒ نے ان سے روایت کی۔ طبقہ مالکؒ نے ان سے روایت کی جسے شعبہ بن القاسم، عان بن بلادیہ، اسمٰعیل بن جعفر، یزید بن عبداللہ الہادی، سفیان ثوری اور سفیان بن عینیہ اور دوسرے کثیر علمائے اہل سنت۔ آپ کا یہ فضل کتنا گرانمایہ ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ اور امام مالک جیسی ہستیوں کے محترم استاد ہیں۔ اسی طرح طبقہ تابعین کا ایک بڑا گروہ درِ امام پہ اخذ علم کی نیت سے حاضر ہوتا ان سے حدیث حاصل کرتا۔ اس گروہ تابعین میں یحیٰ انصاری، ایوب سختیانی، ایان بن تغلب اور ابو بن علاء جیسے اہلِ علم حضرات نظر آتے ہیں۔ علاوہ ازیں فقہ و حدیث کے آئمہ، تابعین اور شیوخ وعلمائے تصوف کے گروہ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں

تو ان کی کثیر تعداد آپ کے آستانۂ عالیہ پر کسب علم وفیض کرتی نظر آتی ہے۔ غرض جو بھی ان کی بارگاہ میں پہنچا اپنا دامن علم وفضل کے جواہرات سے بھر کر واپس لوٹا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام جعفر الصادقؓ :

امام ابوحنیفہ گورنر بغداد ابن ہبیرہ کے خوف تعزیر سے روبہ فرار ہو کر وارد مدینہ ہوئے اور تقریباً دو سال انہوں نے آپ (جعفر الصاق) کے دبستانِ علم میں گزارے۔ مشہور ہے کہ ان دو سالوں کے بارے میں ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے۔ ''لولا السنتان لهلك النعمان'' (اگر یہ دو سال خوبیٔ قسمت سے نہ حاصل ہوگئے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔''

ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی نے کہا کہ ''ایک ابوحنیفہ لوگ جعفر الصادق کے فتنہ میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ ذرا ان کے لیے کچھ بڑے بڑے اور سخت قسم کے سوال تیار کرو جن کا جواب دینا انہیں مشکل ہو جائے۔''

چنانچہ ابوحنیفہ نے مجبوراً بڑا زور لگا کر چالیس سوال مرتب کیے۔

ابوحنفیہ فرماتے ہیں کہ میں حیرہ میں خلیفہ کے حضور پیش ہوا (امام) جعفر خلیفہ کے داہنی طرف تشریف فرما تھے۔ جب میری نظر امام جعفر پر گئی تو میں نے ایک طرح کی دہشت سی اپنے اندر محسوس کی۔ ایسی دہشت میں نے خلیفہ منصور کی کبھی محسوس نہیں کی...... میں نے خلیفہ منصور کو سلام کیا۔ اس نے اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر خلیفہ منصور نے امام جعفر کی طرف متوجہ ہوا اور کہا۔ ''یہ ابوحنیفہ ہیں۔'' آپ نے فرمایا جی ہاں۔ پھر خلیفہ نے میری طرف متوجہ ہوا اور کہا۔ ''ابوحنیفہ تم اپنے سوال ابوعبداللہ جعفر کے سامنے پیش کرو۔'' میں نے یہ سوال ان کے سامنے پیش کرنے شروع کیے اور وہ جواب دیتے گئے۔ وہ فرماتے۔ ''تم لوگ یہ کہتے ہو''...... ''اہل مدینہ کا یہ قول ہے''...... ''ہمارا مسلک یہ ہے''...... ''کبھی ہم ان کی مطابقت کرتے ہیں کبھی وہ ہماری مطابقت کرتے ہیں اور کبھی ہم سب سے جدا مسلک اختیار کرتے ہیں۔'' اس طرح میرے مرتب کردہ چالیس سوال ختم ہوگئے۔ پھر ابوحنیفہ نے کہا۔ ''لوگوں میں سب سے بڑا عالم وہ ہی ہوتا ہے جو اختلاف

افکار واقوال سے پوری طرح واقف ہو۔"

امام ابوحنیفہ امام جعفر الصادق سے بکثرت روایات کیا کرتے تھے، چنانچہ امام ابو یوسف کی کتاب "لآ ثار" اور محمد بن حسن شیبانی لآ ثار میں ابوحنیفہ کی جو روایات آپ کو امام جعفر صادق ملے گیں وہ تعداد کے اعتبار سے کسی طرح کم نہیں ہونگیں۔

امام مالکؒ اور امام جعفر الصادق:

امام مالک نے بھی امام جعفر صادق سے علم حاصل کیا۔ ان کی مجلس میں حاضری دی، ان کی فقہ و روایات سے انتفاع کیا۔

امام مالکؒ بڑے ذوق وشوق سے آپ کی فضائل وملکات بیان فرمایا کرتے تھے۔ اپنے مشائخ اور اساتذہ میں سے کسی کی بھی اتنی مسلسل تعریف اور فضائل کا ذکر وہ کبھی نہیں کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ میں نے علم کی لگن اور ریاضت نفس کی طرف انہماک، عبادت سے لگاؤ اور آپ دنیا سے پورا پورا اعراض امام جعفر صادق سے زیادہ کسی میں نہیں دیکھا...... ایک مرتبہ آپ کے صفات عالیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں...... میں جعفر بن محمد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ہمیشہ متبسم نظر ڈالتے تھے، لیکن جب ان کے سامنے نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو ان کا فورتاثر سے چہرہ زرد پڑ جاتا۔ میں ایک عرصہ دراز تک ان کی خدمت گرامی میں حاضر ہوتا رہا، میں نے ہمیشہ انہیں دو حالتوں میں سے ایک حالت میں ضرور پایا۔ یا تو وہ نماز میں مصروف نظر آتے یا روزہ کی حالت میں ہوتے تھے یا قرآن مجید کی تلاوت کررہے ہوتے۔ میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کی ہو اور باوضو نہ ہوں۔ ان کے منہ سے ہی بات نکلتی تھی جو ان کی مراد ہوتی تھی۔ وہ اپنے وقت کے بڑے عابد وزاہد تھے جو صرف خدا سے ڈرتے تھے۔ میں جب کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو آپ جس گدیلے پہ تشریف فرما ہوتے تھے اسے اٹھا کر میرے لیے بچھا دیتے تھے۔

امام مالکؒ نے اپنی مؤطا کا بڑا حصہ آپ کی ضروریات کی بنیاد پر مدون کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مدینہ کا عالم آپ کے گھر کا تحفہ تھا۔

علم الکلام:

آپ کا علم فراواں صرف حدیث وفقہ تک محدود نہ تھا۔ علم کلام میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔ چنانچہ معتزلہ انہیں اپنا امام تسلیم کرتے تھے۔ بہت سے تھے جنہوں نے فہم وعقائد میں صرف عقل کو کافی سمجھا۔ ایسے لوگوں سے آپ کے متعدد مناظرات ہوئے جو گراں بہا فوائد کے حامل تھے۔

اخلاقیات:

ان تمام علوم سے بالا آپ نے علم اخلاق کو خاص طور پر اپنا لیا تھا۔ آپ اخلاقی کی اصلاح وفساد کی روح پر نظر رکھتے تھے۔ دارسات اسلامیہ، وجدانِ دینی، تقویٰ وپارسائی، رذائل سے اجتناب اور فضائل سے تمسک یہ تھے وہ عناصر۔ اس نفس شریف ومومن کے جنہوں نے دنیا پر رذائل کا دروازہ بند کردیا اور تمسک حق کی راہ کھول دی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ آپ کا نطق حق کا آئینہ دار ہوا کرتا تھا، غرضیکہ یہ ہی سب چیزیں تھیں جنہوں نے آپ کو اپنے وقت کا امام جلیل بنا دیا تھا اور اس ذخیرہ علم کا مالک ہونے کے ساتھ جو چیز آپ کو اور ممتاز کرتی ہے وہ آپ کی نیکی اور شرف نسب محمد ﷺ اور شرف علم جدی ہے اور سچ بات تو یہ ہے کہ اس شرف سے بڑا اور کوئی شرف بھی نہیں۔ اگر کوئی اس سے بڑے شرف کا مدعی ہے تو وہ اس قابل ہے کہ اس کو رد کردیا جائے۔

علامہ شہرستانی کا بیان...... امام جعفر الصادقؓ

علم دین میں وہ مرتبۂ عالی پر فائز تھے۔ ادب میں کوئی ان کا ہمسر نہیں تھا۔ حکمت میں یکتا تھے۔ دنیا سے نفوذ، حسد، دنیا اور شوات سے بے تعلق تھے، زہد اور ورع ان کی خصوصیت تھی۔ ایک عرصہ دراز تک مدینہ منورہ میں انہوں نے بود وباش رکھی۔ یہاں طالبانِ علم کشاں کشاں آتے تھے اور فیض یاب ہو کر جاتے تھے، وابستگانِ دامن پر اسرار علوم منکشف کرتے تھے۔ پھر وہ عراق

تشریف لے گئے اور کچھ دیر وہاں مقیم رہے، نہ وہ امامت کے لیے کسی سے برسرِ پیکار تھے نہ خلافت کی خاطر کسی سے جنگ وجدل پر آمادہ تھے اور سچ تو یہ ہے کہ جو بحرِ معرفت میں غرق ہو چکا ہو پھر اسے کسی چیز کی طمع نہیں ہو سکتی اور جو حقیقت کے بام بلند تک پہنچ چکا ہو وہ اس منزل سے نیچے نہیں اتر سکتا۔ مشہور ہے جسے خدا سے انس ہو جاتا ہے وہ لوگوں سے وحشت کرنے لگتا ہے اور اللہ کے سوا دوسروں سے مانوس ہو جاتا ہے اس پر وسواس کا قبضہ اور تسلط ہو جاتا ہے۔

منکرین خدا، الحاد، فلسفہ، منحرف عقائد، فتنہ انگیز تحریکیں اور سیاسی فرقے:

آپ نے جو زمانہ پایا وہ علوم فلسفہ کے آغاز وابتدا کا دور تھا۔ یہ علوم سریانی، یونانی اور فارسی سے ترجمہ ہو کر عربی میں منتقل ہو رہے تھے۔ امیوں کے آخری دور اور عباسیوں کے ابتدائی دور میں ان کے لیے جداگانہ مدارس قائم ہو چکے تھے۔ عربی اسلامی عقلیت پر مجوسی، ہندی، سریانی اور یونانی ایک دور کا خاتمہ اور دوسرے دور کا آغاز تھا اور عہد نو کا یہ آغاز اپنے اندر بہت سے فتنے پوشیدہ رکھتا تھا۔ یہ فتنے عقلی، ذہنی، فکری اور سیاسی تھے۔ ان فتنوں کا استیصال بزور شمشیر ممکن نہیں تھا۔ فوج اور سپاہ سے تو محض سیاسی فتنوں کا کچلا یا دبایا جا سکتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ فتنے پروان چڑھ رہے تھے، قوت حاصل کر رہے تھے، مسلمانوں کی دین و دانش کو لوٹ رہے تھے۔ فتنوں کے اس سیل عظیم کے خلاف بند باندھنے کا کام ایک ایسی عظیم شخصیت ہی کر سکتی تھی جو علم و کمال، فضل و ہنر، وسعت نظر اور عمیق فکر کے بلند مقام پہ ہو، جو روحانیت کے مرتبۂ بلند پر فائز ہو۔ جس کے ارشادات قلب مومن میں ہی نہیں ہر سننے والے کے دل میں گداز اور رقت کی کیفیت پیدا کر دیتے ہوں اور بلاشبہ وہ شخصیت آپ کی ہی تھی۔ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ نے نہ صرف فکری اور ذہنی فتنوں کے سیل رواں کا راستہ روکا، بلکہ اسے ایک حد تک ختم ہی کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ علم فلسفہ ایسے حربوں اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر میدان میں اترا تھا کہ اس سے عہدہ برا ہونا سخت دشوار تھا، لیکن وہ آپ کی ذات گرامی ہی تھی جسے نے بگڑے حالات سنوار دیئے۔

غالی شیعوں سے برائت اور ان کے عقائد باطلہ کی تردید:

آپ کو اپنے عہد کے ان نام نہاد شیعوں سے بھی عہدہ برآ ہونا پڑا جو غلط طور پر اپنے آپ کو آپ کا شیعہ کہتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنی غلو پسندی کے باعث آئمہ سے متعلق طرح طرح کی باتیں کہنا اور شائع کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ بعض نے یہ دعوا بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ ان آئمہ کے جسم میں حلول کر جاتا ہے۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حلول کا چرچہ شروع کر دیا۔ ان غلو پسندوں میں بعض نے ولائے امام کے ساتھ ساتھ اباحت محرمات کا دعوا بھی شروع کر دیا۔ ان لوگوں نے جمیع محارم کو حلال کر لیا۔ ان ہی غلو پسندوں میں ایک شخص ابوالخطاب بھی تھا جس نے اباحت محرمات کے علاوہ جھوٹ کو بھی جائز قرار دے دیا۔ ان غلو پسند شیعوں نے شیخینؓ پہ بھی طعن شروع کر دیا اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو یہودی بتایا۔ آپ نے ان تمام باتوں سے برأت کا اظہار کیا اور ان ادعات باطلہ کو دیکھ کر جن کا صدور بعض مدعیان اسلام کی طرف سے ہو رہا تھا۔ تردید کرتے رہے اور ان کا مسکت جواب دیتے رہے۔ دراصل ان نام نہاد شیعوں کو آپ سے کچھ تعلق نہ تھا اصل بات یہ ہے کہ گمراہی اور زندقہ نے ان کے قلوب پر تسلط حاصل کر لیا تھا انہوں نے جماعت اسلامیہ کی وحدت میں رخنہ ڈالنے کے لیے آئمہ جلیل کی محبت کا نعرہ لگایا تھا اور آپ جیسے پاک سرشت، پاکباز، سراپا عظمت و تقدیس شخصیت کی آڑ لے کر اپنے شر و فساد کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع کیا، لیکن آل بیت پر محض یہ ایک تہمت تھی جس سے وہ قیامت تک بری ہیں۔ جو لوگ نام نہاد طور پر صرف ظاہر میں اپنے آپ کو ان کا شیعہ اور عقیدتمند ظاہر کرتے تھے وہ اس نور ساطع کی ضیا باشیوں سے مستفید نہ ہو سکے، بلکہ انہوں نے ضلالت و گمراہی کے راستہ پر قدم زنی جاری رکھی، آپ کے ارشادات و اقوال یقیناً تاریکی کو نور سے بدلنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے تھے، لیکن جو لوگ گمراہ ہونا چاہتے تھے انہوں نے کچھ اور ہی دیکھا اور ہی سوچا تھا وہ ہدایت کے طالب نہ تھے ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس درجہ غلو پسند ہوتے کہ آپ کی راہ سے منحرف ہو جاتے اور آپ کے اقوال کی پرواہ نہ کرتے اور اپنا سارا وقت گمراہیوں اور نارسائیوں میں صرف کر دیتے۔

آپ کا جہاد آپ کے سیاسی افکار و آراء اور آپ کے دور کے حالات:

آپ زندگی پھر بلکہ زندگی کے آخری سانس تک راہ اسلام میں جہاد کرتے رہے، لیکن انہوں نے تلوار میان سے نہیں نکالی۔ سچ پوچھئے تو ان کا یہ جہاد جہاد اکبر تھا۔ خواہش و اختیار سے ضبط نفس، ارشاد و تعلیم میں شب و روز انہماک، دوستوں اور مخالفوں سے پہنچی ہوئی اذیتوں، تکلیفوں اور صدموں پر صبر کامل، ان لوگوں کے افعال پر تحمل جنہوں نے انحراف اور تبدیل حقائق اسلامیہ کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ گمراہی اور بھنور سے لوگوں کو نکالنے کی استقلال و عزیمت کے ساتھ سعی و کوششیں کیں۔ یہ سب چیزیں جہاد اکبر کے ذیل میں نہیں آتیں۔ وہ جہاد جو بے حد صبر آزما تھا اور جس میں زندگی بھر آپ مصروف رہے تھے وہ تھا تصیح عقائد، بیان شرع و بیان حقائق امور کا جہاد، بدگمانیوں، تلخیوں اور شکوک و شبہات کے ہجوم میں صبر و ضبط کا جہاد اور اس جہاد میں آپ کا حامی و ناصر بجز خدائے بزرگ و برتر کے اور کون تھا۔ آپ سیاست کے فارمولا سے اپنا دامن بچائے ہوئے شب روز علم و ہدایت کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔ آپ کی زندگی یکسر گوشہ نشینی اور اعتزال کی زندگی تھی، لیکن اس کے باوجود حکام وقت کی بدگمانیوں اور شکوک و شبہات کا شکار ہوئے بغیر نہ بچ سکے اور آل بیت کو جن مصائب کا ہدف بنایا گیا اس کا اثر آپ کی ذات گرامی پر بھی پڑا۔ دوسری طرف عراق کے شیعوں نے اپنی خفیہ جماعتوں کے ذریعہ سے آپ کی امامت کا پرچم بلند رکھا اور اپنے آپ کو آپ کی امات کا متبع اور پرو کہتے رہے، بلکہ بہت سے افکار بھی جن کی آپ نے بارہا ہر بریت کا اظہار کیا تھا انہوں نے پھیلا دیے۔

امام زید بن علی بن حسین کا خروج اور اس میں آپ کی عدم شرکت کا سبب:

آپ کے چچا امام زیدؒ نے جب خروج کیا تو بلوغ و شعور اور علم و فضل کی منزل تک پہنچ چکے تھے۔ امام زیدؒ اور آپ ہم سن تھے۔ بایں ہمہ آپ نے اپنے چچا کے ساتھ خروج نہیں کیا، حالانکہ امام زید کتاب و سنت اور حق و صداقت کی دعوت لے کر اٹھے تھے۔ امویوں نے اسلام کا

چراغ بجھا دیا تھا زیدؒ بن علیؒ اسے پھر روشن کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے اور دیگر افراد اہل بیت نے سیدنا زیدؒ کو خروج سے روکا۔ اس لیے کہ اکثر اہل بیت کی طرح آپ بھی اس حقیقت کے شناسا تھے کہ اہل عراق اپنی سابقہ روایات کے مطابق انہیں بھی دغا دیں گے، لیکن خلیفہ ہشام بن عبدالملک اموی کی شعلہ سامانیوں، اشتعال انگیزیوں اور عام ظلم و جبر کی کے رویہ نے انہیں میدان میں آنے پہ مجبور کر دیا۔ کچھ اہل بیت نے ان کا ساتھ بھی دیا، لیکن آپ اس خروج میں ان کے شریک نہ بن سکے، کیونکہ آپ اس وقت اس اقدام کے حامی اور موئد نہ تھے۔ اس کے باوجود کہ آپ اپنے عم محترم کے موٴقف کو سمجھتے اور اس کا احترام کرتے تھے، لیکن انہیں ان نام نہاد شیعوں کی سابقہ بزدلی، دغا اور غداریوں کا بھی پوری طرح علم تھا۔ بالآخر امام زیدؒ کے خروج کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں ہی برآمد ہو۔ شیعوں نے اپنی سابقہ روایات کے مطابق جس طرح امام جدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا ساتھ بھی نازک وقت پر نہیں دیا تھا اور انہیں تنہا معاویہ، یزید اور ابن زیاد کی ستم سامانیوں اور سفاکیوں کا ہدف بننے کے لیے چھوڑ دیا تھا امام زیدؒ کو بھی چھوڑ دیا۔ جب آپ کو امام زید کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے وہ مومن تھے۔ عارف تھے، صادق تھے اور عالم تھے، اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو وفائے عہد کرتے، اگر حکومت ان کے ہاتھ میں آجاتی تو اس ذمہ داری کو خیر و خوبی کے ساتھ انجام دے کر دکھا دیتے۔''

اموی حکومت نے امام زید اور ان کے اظہار و ابرار پر ظلم و جبر کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا ان درندہ صفت حاکموں نے نہ صرف انہیں شہید کیا، بلکہ ان کے پاک جسم کو مدتوں سولی پر چڑھائے رکھا اور اس کے بعد ان کی ذریت کرام پر جتنے بھی لرزہ خیز مظالم ڈھائے جا سکتے تھے ڈھائے۔ یہ حادثہ گزر گیا، لیکن آپ کے دل اندوہ گیں پر ایک نہ مٹنے والا اثر چھوڑ گیا۔ اس ہولناک اور روح فرسا حادثہ نے آپ کے دل پر نقش قائم کر دیا کہ یہ لوگ جو ان کا دم بھرتے ہیں کیسے ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو آگے بڑھاتے ہیں، لیکن ساتھ نہیں دیتے۔ باتیں خوب کرتے ہیں، مگر کام نہیں کر کے دکھاتے۔ اکساتے ہیں، لیکن جب کٹھن گھڑی آتی ہے بھاگ کھڑے ہوتے

ہیں۔ایسے ہی لوگ تھے جن کے متعلق امام سیدنا علیؑ نے اپنے دور میں اسی طرح کے خیالات کا
اظہار کیا تھا۔یہ ہی وجہ ہے کہ آپ کو کوئی بڑے سے بڑا واقع بھی سیاست کی زرم گاہ میں نہ لا سکا۔
آپ کے ارشادات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ اگرچہ امام زید کے خروج میں انہیں
وجوہات کے باعث شرکت نہ کر سکے،لیکن ان کی کامیابی کے دل سے آرزومند تھے اور جب انہیں
شکست ہوئی تو ان کا دل کڑھا اور حقیقتاً جو لوگ اس ناکامی کے ذمہ دار تھے انہیں ملامت کرتے
ہوئے آپ کو ذرا تامل نہ ہوا۔علاوہ ازیں آپ حکام وقت سے اُلجھنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔آپ
کا خیال تھا کہ حکومت کے خلاف جو سرگرمیاں اور جو تحریکیں چلائی جائیں وہ اقامت حق اور ابطال
باطل کے لیے مفید و معین تب ہی ہو سکتیں ہیں،جبکہ حکومت و اقتدار کی حرص و طمع میں انسان خواہش
نفسانی کا شکار نہ بن جائے جب وہ ہوا و ہوس کا تابع ہو جاتا ہے قرآن اور احکام قرآن کی پروا نہیں
کرتا اور پھر وہ حق و برہان کے سامنے نہیں جھکتا سچائی باطل کے ساتھ مخلط ہو جاتی ہے افہام میں
اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔حق باطل کے ساتھ مل جاتا ہے اور اوہام چھا جاتے ہیں اور حقیقت
چھپ جاتی ہے۔پھر ان سب باتوں کے ماوراء خروج کرنے والوں کی طاقت تنظیم،اتحاد،ایمان
اوسان اور خروج کرنے والوں کی اپنے راہنما کے ساتھ وفاداری اور مقصد کے لیے قتل کرنے اور
قتل ہونے کے جنون پر بھی منحصر ہے،اگر لوگ ان صفات و گرداء سے خالی ہوں بات نہیں بنتی اور
اس خروج کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلتا کہ فتنے بڑھ جاتے ہیں اور فتنوں سے معاملات اور بگڑ
جاتے ہیں اور طوائف الملو کی پھیل جاتی ہے اور جب طوائف الملو کی پھیل جائے تو یہ ہوتا ہے کہ
اس کی ایک ساعت میں جتنے مظالم برپا ہو جاتے ہیں استبداد کے عہد حکومت میں سالوں میں بھی
نہیں ہوتے ....از روئے شرع ہر وہ عمل جس کی مضرت نفع سے زیادہ نقصان کا باعث ہوتا
جائز ہے آپ غالباً اس بات پر زیادہ یقین رکھتے تھے کہ نما جب حکومت پڑتال زوال پذیر ہوتی
ہے،لہٰذا اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے کم از کم اس وقت تک جب تک قوت و طاقت اس
کے ہاتھ میں ہو پھر جب وہ زوال آشنا ہوا اور اس کا آفتاب اُجال مائل بہ غروب ہو تو پھر اس پر حملہ کر

کے حق شورا اور بیعت منحصر کے ساتھ استلاء حاصل کرنا چاہیے ایسا استلاء جو جبر و جور اور ظلم پر مبنی نہ ہو۔

آلِ علی پر منصور عباسی کے مظالم،امام عبداللہ بن حسن کی دسیری،امام محمد نفس ذکیہ اور امام ابراہیم نفس رضیہ کا خروج اور اس کا اثر آپ کے ذات گرامی پر:

عباسی حکومت سے اور لوگوں کی طرح اہلِ بیت کو بھی ان سے خیر و صلاح کی امید تھی،
کیونکہ یہ ان کے ابن عم تھے اور انتقام اہل بیتؑ کے نام پر ہی ان کی دعوت کامیاب ہوئی تھی اور
انہیں کے ایثار اور مدد کے باعث انہیں اقتدار ملا تھا اس لیے ابتداء میں آلِ علی سے ان کا برتاؤ
مہربانی شفقت اور دوستی کا رہا تھا۔کم از کم سفاح کے عہد تک کوئی نزع نہیں ہوا،لیکن جب خلیفہ
منصور عباسی سر پر آرائے خلافت ہوا تو منصور کسی بات پر حضرت عبداللہ بن حسن سے کشیدہ خاطر ہو
گیا اور اتنا غضب میں آیا کہ آلِ علی کے معمر اور بزرگ ترین ہستی حضرت عبداللہ بن حسن کو قید کر
دیا۔ان کی اولاد اور عزیزوں کی زندگی بھی اجیرن کر دی۔آخر مجبور ہو کر عبداللہ بن حسن کے لڑکوں
میں سے امام محمد نفس ذکیہ نے مدینہ میں امام ابراہیم نفس رضیہ نے عراق میں خروج کر دیا۔ان
دونوں بزرگوں کو امام مالکؒ و امام ابوحنیفہؒ کی تائید و حمایت بھی حاصل تھی،لیکن ان پاک نہاد اور
پاک سرشت بھائیوں کے خروج کا انجام یہ ہوا کہ انہیں بھی ویسے ہی خوفناک مصیبتوں تباہیوں اور
دہشت و قتل سے دوچار ہونا پڑا جس سے امام زید کو سابقہ پڑا تھا۔اس واقعہ کے بعد تو بیت علوی
آماجگاہِ ظلم و ستم بنا لیا گیا۔ذرا سی بدگمانی اور معمولی شبہ پر علویوں کی جان و مال پر ڈاکہ پڑنے لگا۔
اہلِ بیت میں سب سے زیادہ سن رسیدہ اور معمر شخص عبداللہ بن حسن تھے یہ بھی نہ بچے کے ۱۴۰ھ
میں منصور کے ہی عہد میں قید خانہ کی کوٹھری میں انہیں موت سے دوچار ہونا پڑا اس حادثۂ المیہ پر
آپ نے آنسو بھی بہائے اور مقتولین کے پس ماندگان کی کھلے دل سے امداد بھی کی اور ان لوگوں
کی سخت ملامت بھی کی۔جنہوں نے خروج کی دعوت دی اور خود پرے ہٹ گئے۔نصرت کا وعدہ کیا
اور ساتھ چھوڑ دیا۔بڑھ چڑھ کر تائید و حمایت کی،محبت و رفاقت کا بار بار اعلان کیا،لیکن وقت پر

دغا کی اور جان دینے والوں کو میدان کارزار میں بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے گئے۔ جس کے باعث حق سر بلند نہ ہو سکا اور باطل سرنگوں نہ ہوا۔ آپ نے خروج سے ہی انہی اولاد عبداللہ بن حسن، محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم نفس رضیہ کو خروج سے روکا اور منع کیا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ ظالم یا غاصب حکومت کو جائز سمجھتے تھے۔ بنوامیہ اور بنو عباس کے متعلق تو آپ متعدد بار صراحت کے ساتھ اعلان کرتے رہے کہ یہ غاصب حکومتیں ہیں، لیکن ان کے معاملہ میں آپ کا سکوت اور خروج میں عدم شرکت کی وجہ وہ رہی تھی جن وجوہات کے باعث آپ امام زید بن علی کا ساتھ دینے سے باز رہے۔ آپ فتنہ و فساد برپا کر کے خواہ مخواہ حکومت اور رعایا کو پریشان کرنے کے قائل نہ تھے۔ آپ کو اس بات کا یقین تھا کہ خروج اس وقت جائز اور درست ہے جب اس سے بہتر نتائج کی توقع ہو آپ کو ان نام نہاد شیعوں پر قطعی بھروسا نہیں تھا جن کا خروج کے لیے بڑھ چڑھ کر باتیں بنانا اور اقدام کے وقت گریز، بے وفائیاں، میدان کارزار سے بزدلانہ فرار آپ نے دیکھا تھا اور پھر اس کے بعد استبداد کا برپا کیا ہوا قتل و خون ریزی کا ہنگامہ بھی آپ نے دیکھا تھا اور یہ سب کچھ دیکھ کر ہی آپ ہمہ تن سیاست سے کنارہ کرتے ہمہ تن علم کی طرف متوجہ ہو گئے اس دانش وری میں انہیں سکون و معرفت کی دولت ملی، اس میں آپ نے اس عمل کا نظارہ کیا جس کے ثمر بخش نتائج ایک حقیقت ثابتہ کی طرح ظاہر و عیاں تھے۔ اس کے باوجود کہ آپ کی زندگی ایک گوشہ نشین کی زندگی تھی حصول علم، تدریس علم، زہد و اتقا و عبادت میں آپ ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ سیاست سے یکسر کنارا کشی اختیار کر رکھی تھی، لیکن سیاست نے آپ کا دامن نہ چھوڑا، چونکہ آپ عالم تھے اور سیاسی امور میں بھی ایک واضح متوازن اور صحیح رائے رکھتے تھے جمہور ان کا احترام کرتے تھے اور ان سے دلی عقیدت رکھتے تھے مختلف ممالک اور شہروں سے ہر مکتب خیال کے لوگ آپ کے پاس آتے تھے اور ہر مسئلہ پر ان سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ آپ کی یہ مرجعیت اقتدار کو کھٹکتی تھی کہ کہیں آپ کی شخصیت آپ کے اقتدار کا پیش خیمہ نہ ہو جائے، حالانکہ آپ فقہ کی رو سے ظالم اور غاصب کی اطاعت اس وقت تک واجب سمجھتے تھے جب تک فتنہ و فساد کے بغیر تغیر

حکومت کا امکان نہ ہو جائے، کیونکہ اگر اس کے خلاف خراج کیا گیا تو عوام کو سخت ترین مظالم اور مصائب سے دو چار ہونا پڑے گا۔ آپ نے جو کچھ آلِ عبداللہ بن حسن سے فرمایا تھا اس سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔

دعوائے خلافت سے اعراض اور خلافت انتظامی کے متعلق آپ کے انکار:

ہمارے سامنے جو معلومات کا ذخیرہ ہے جو واقعات ہیں ان کا اگر احاطہ اور استفسار کیا جائے تو اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ آپ نے در پردہ یا علانیہ طلب اقتدار و اختیار دنیاوی کی کوئی کوشش نہیں کی؟ سیاست میں کوئی حصہ نہیں لیا، ریاست و حکومت کے حصول سے کوئی سروکار نہیں رکھا، لیکن یہ بات نہیں کہ آپ ان مسائل و معاملات پر غور بھی نہیں کرتے تھے اور ریاست و حکومت کے امور پر کوئی رائے نہیں رکھتے تھے کم از کم ایک تاریخ کا طالب آپ کے سیاسی افکار کی نفی نہیں کر سکتا۔ آپ امامت انتظامی کو وراثت یا وصایت پر مبنی نہیں، بلکہ انتخاب اور اجتہاد پر مبنی سمجھتے تھے۔ ان باتوں کا ثبوت اس مرحلہ پر ملتا ہے جب بنو ہاشم محمد نفس ذکیہ کو امام بنانے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ اس وقت آپ نے نفس ذکیہ کے والد عبداللہ بن حسن سے کہا تھا کہ ''آپ خاندان میں سب سے زیادہ معمر اور بزرگ ہیں، اگر آپ اپنی دعوت دیں تو میں آپ کی بیعت کرنے کو تیار ہوں، لیکن محمد نفس ذکیہ کی بیعت میرے لیے مشکل ہے، کیونکہ یہ عمر میں بہت چھوٹے ہیں اور ان کی بیعت عام بھی نہیں ہو سکے گی۔ اصفہانی نے اپنی کتاب ''مقاتل الطالبین'' میں لکھا ہے کہ ''بنو ہاشم اس لیے جمع ہوئے تھے کہ آپ میں سے کسی شخص کو امام منتخب کر لیں اس موقع پر ابو جعفر منصور عباسی بھی موجود تھا اس نے محمد نفس ذکیہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی پھر عبداللہ بن حسن نے دوسرے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی، لیکن اس اجتماع میں چونکہ آپ (امام جعفر الصادق) موجود نہیں تھے اس لیے لوگ متامل رہے ایک شخص نے کہا یہاں عبداللہ جعفر کیوں نہیں ہے، چنانچہ آپ کو بلایا گیا۔ آپ نے اس اجتماع سے شرکت سے معذوری ظاہر کی۔ اس کے بعد یہ سب لوگ آپ کے گھر چلے گئے اور محمد نفس ذکیہ کی بیعت پہ زور دینے لگے۔ آپ نے عبداللہ بن حسن سے مخاطب

ہو کر کہا آپ ہم سب میں معمر اور بزرگ ہیں اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی بیعت کے لیے تیار ہوں، لیکن محمد (نفس ذکیہ) کی بیعت کے لیے مجھے مجبور نہ کریں۔ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس موقع پر عبداللہ بن حسنؒ نے اس اجتماع کے سامنے خطبہ دیا اس میں انہوں نے حمد وثناء کے بعد فرمایا۔ ''تم اہلِ بیت ہو اللہ نے تمہیں رسالت کی فضیلت سے نوازا ہے۔لوگوں میں تم سب سے زیادہ بابرکت ہو۔تم سیدنا محمد ﷺ کی ذریت ہو، ان کے چچا کی اولاد ہو، ان کے ہم خاندان ہو۔ اللہ کے معاملات میں (اگر رو براہ نہ ہو رہے ہوں) ان پر سب سے زیادہ تشویش واضطراب کا حق تمہیں کو ہے۔تم دیکھ رہے ہو کتاب اللہ معطل کی جا چکی ہے۔سنتِ رسول اللہ ﷺ کو ترک کیا جا چکا ہے۔باطل زندہ اور سربلند ہے، حق مردہ اور سرنگوں ہے۔میدان مقابلہ میں اتر و تا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکو۔قبل اس کے تمہارا نام ونشان مٹ جائے اس طرح جٹ جاؤ جس طرح بنی اسرائیل نے کیا تھا جو اس وقت خلق میں سب سے زیادہ خدا کے محبوب تھے۔تم جانتے ہو کہ ہم ایک مدت سے یہ سنتے آتے ہیں کہ ان لوگوں نے جب ایک دوسرے کو قتل کیا تو معاملہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔چنانچہ انہوں نے اپنے سردار ولید کو قتل کر دیا اور محمد نفس ذکیہ کی بیعت کرو۔تم جانتے ہو وہ مہدی ہیں۔اس اجتماع میں آپ (جعفر الصادق) موجود نہیں لوگوں کے اصرار پر آپ آئے اور آپ نے کہا کہ آپ خاندان کے بزرگ ہیں اگر آپ اس امر کے لیے تیار ہوں تو میں آپ کی بیعت کے لیے حاضر ہوں، لیکن آپ کے صاحبزادے کی بیعت نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ کم عمر ہیں ان کی بیعت عام نہیں ہو سکے گی۔اس موقع پر ابو جعفر منصور عباسی تیزی سے اُٹھ کر آیا اور محمد نفس ذکیہ کی بیعت کر لی اور لوگوں سے کہا وہ کون چیز ہے جس سے تم اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہو؟ خدا کی قسم تم اچھی طرح جانتے ہو، اس نوجوان (محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ بن حسن) سے زیادہ کوئی بھی شخص اس کا مستحق نہیں کہ اس کے سامنے گردنیں جھکیں اور اس کی دعوت قبول کی جائے لوگوں نے یہ سن کر کہا سچ کہتے ہو بیشک یہ وہ شخص ہے جسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔پھر سب نے ان کی بیعت کر لی۔ایک اور روایت ہے کہ آپ کے محمد نفس ذکیہ کی بیعت کرنے کے

باعث حضرت عبداللہ بن حسن آپ سے برہم ہو گئے آپ کو سخت سست بھی کہا، آپ نے انہیں بتایا کہ ''امر بیعت نہ آپ کے لیے ہے نہ آپ کے دونوں بیٹوں کے لیے ہے، بلکہ عبداللہ (سفاح) اور جعفر (ابو منصور) کے لیے ہے۔'' یہ سن کر عبداللہ بن حسن نے کہا ''خدا کی قسم خدا نے تمہیں علم غیب نہیں دیا اور یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو صرف میرے بیٹوں سے حسد کا نتیجہ ہے۔'' آپ نے کہا ''خدا کی قسم مجھے آپ کے صاحبزادوں سے ذرا بھی حسد نہیں، مجھے اس کے ہاتھ (منصور کی طرف اشارہ کر کے) اپنے بھائیوں کے خون سے رنگین نظر آ رہے ہیں۔'' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا ''منصور محمد (نفس ذکیہ) اور ابراہیم (نفس رضیہ) کو قتل کرے گا۔'' ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے کہا خلافت ابو عبداللہ کے دونوں بیٹوں میں سے کسی کو نہیں ملے گی'' اس میں قتل کا کوئی ذکر نہیں، خلافت عناصر کی ترتیب کا کوئی ذکر نہیں اور غالباً موخر الذکر روایت ہی صحیح ہے۔ بلاشبہ بعض نفوس قدسیہ ایسے ہوتے ہیں جن کی زبان پر اللہ تعالیٰ ایسی باتیں جاری کر دیتا ہے جو بعد میں پیش آ کر رہتی ہیں۔آپ نے جو بات پیش گوئی کی طرح بیان کی ہے وہ قبیل سے بھی بلاشبہ یہ بات از قبیل کرامت صادقہ میں سے ہے۔اس واقع سے دو امور پر روشنی پڑتی ہے۔اول آپ کی نظر میں اشخاص معین کے لیے خلافت کے سلسلے میں وصایت نہیں تھی۔دوئم آپ منصب امامت کو اپنے وجود سے وابستہ نہیں پاتے تھے، اگر منصب پر آپ اپنے کو سمجھ رہے ہوتے تو عبداللہ بن حسن کی بیعت پر کیوں آمادہ ہوتے اس کے علاوہ دو امور اور بھی غور طلب ہیں۔اول اگر آپ وصایت کے ذریعے سے امامت انتظامی کے منصب پر فائز ہوتے تو تمام بنو ہاشم نہ سہی کم از کم آل حسن اور آل حسین تو آپ کی خلافت (امامت انتظامی) کو تسلیم کرتے اور آپ کے چچا زید ومحمد نفس ذکیہ نہ تو امامت کا دعوا کرتے نہ خروج کرتے۔دوئم اگر امامت انتظامی (خلافت) بذریعہ وصایت ہوتی تو تمام بنو ہاشم (بشمول آل علی) انتخاب امامت (انتظامی) کے لیے اجتماع منعقد نہ کرتے۔

خلیفہ منصور عباسی اور امام جعفر الصادق:

آپ کے محترم زید بن علی بن حسینؒ کتاب وسنت اور حق وصداقت کی دعوت لے کر

اُٹھے۔علویوں نے اسلام کا چراغ بجھا دیا تھا۔امام زیدؒ نے اسے پھر سے روشن کیا۔عراقی شیعوں کے بلاوے پر وہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں میدان میں اُترے، لیکن عراقیوں نے جس طرح ان کے جدِ محترم امام حسینؓ کا عین وقت پہ ساتھ چھوڑ دیا تھا اسی طرح امام زیدؒ کو بھی یکہ وتنہا چھوڑ دیا اور بالآخر وہ قتل ہو گئے۔اس حادثہ کا ہر مومن کے قلب پر گہرا اثر تھا اور آلِ بیت نبوی کے دل میں تو ناسور ہو گیا تھا اس کے بعد خوارج نے مدینہ منورہ پہ قبضہ کر لیا اس فتنہ میں اہلِ مدینہ کا خون پانی کی طرح بہا۔اس کے بعد بنو ہاشم نے مل کر دولت امویہ کو ختم کر دیا اور آل عباس اقتدار پر فائز ہوئے۔اس کے بعد منصور عباسی کے دور میں امام محمد نفس ذکیہ اور امام ابراہیم نفس رضیہ نے خروج کیا۔دونوں بھائی قتل ہو گئے منصور غالب آیا۔اس کشمکش میں بھی حق فتح یاب نہ ہو سکا اور باطل نے شکست نہ کھائی۔

اس واقع کے بعد منصور عباسی علویوں کے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گیا اور آپ سے تو اسے خدا واسطے کا بیر تھا۔وہ کہا کرتا تھا کہ ''یہ اس شخص کو جلا وطن کیے بنتی ہے نہ قتل کرتے۔'' منصور نے چاہا تو بہت، لیکن وہ آپ پر ہاتھ ڈالنے کا کوئی موقع نہ پا سکا، کیونکہ آپ نے نہ تو کسی فتنہ میں حصہ لیا نہ کوئی تحریک اٹھائی نہ کوئی سازش کی۔خاموش کے ساتھ علم کی خدمت میں لگے رہے۔آپ کی جلالت شان کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص آپ کے سامنے جھکتا تھا۔لوگوں کے ملنے میں جو احترام ووقار آپ کا تھا وہ ملوک وسلاطین کا بھی نہیں تھا۔خلیفہ منصور اپنی جلن اور کڑھن کے باوجود آپ کے علم کے بے نہایت کا حد درجہ قدر دان تھا۔ایک مرتبہ اس نے آپ کی شانِ علم کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔''یہ شخص علم کا بحرِ مواج اور ناپیدا کنار ہے، اس کی گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔'' منصور یہ بھی چاہتا تھا کہ آپ سے ربط وضبط رکھے۔ایک مرتبہ اس نے آپ سے کہا۔''جس طرح لوگ ہمارے پاس آتے ہیں آپ کیوں نہیں تشریف لاتے۔'' جواب میں آپ نے فرمایا۔''ہم کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس کے باعث آپ سے خائف ہوں، نہ آپ کے پاس امر آخرت ہے کہ امید و آرزو کا توشہ لے کر حاضر ہوں، نہ آپ کے پاس کوئی نعمت ہے کہ مبارکباد کے لیے حاضر ہوں۔

منصور نے پھر کہا۔''نصیحت کرنے تشریف لائیے۔'' آپ نے جواب دیا۔''جسے دنیا مطلوب وہ آپ کو نصیحت نہیں کر سکتا، جسے آخرت کی طلب ہو وہ آپ کا ندیم نہیں بن سکتا۔''

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے آپ سے پوچھا۔''اللہ تعالیٰ نے مکھی کیوں پیدا کی ہے۔'' آپ نے اہلِ جبروت وطغیان پر تعریض کرتے ہوئے جواب دیا۔''تاکہ اس طرح ظالم وجابر اور سرکش لوگ ذلیل ہوں۔'' آپ نے یہ بات خلیفہ منصور کے رُودر رُو کہی، حالانکہ لگائی بجھائی کرنے والے برابر لگائی بجھائی کیا کرتے اور آپ کے خلاف منصور کے کان بھرا کرتے تھے، لیکن یہ آپ کی ہمت وشجاعت تھی کہ آپ نے ان سب باتوں سے بے نیاز ہو کر صاف وحق بات وقت کے سب سے بڑے حاکم مطلق کے سامنے کہہ دی اور اس ملاقات میں آپ نے صرف اسی کلمۂ حق پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ خلیفہ منصور کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔''آپ کو چاہیے کہ حلم کو اپنا شعار بنائیں کہ یہ علم کا رکن رکین ہے۔گو آپ کو قدرت وقوت حاصل ہو، مگر اپنے آپ کو قابو میں رکھے، اگر آپ نے کسی پر اپنی قوت وشوکت کا سکہ جمایا تو آپ کی مثال اس شخص کی طرح ہو گئی جو اپنی صولت کی دھاک بٹھانی چاہتا ہے اور یاد رکھئے، اگر آپ نے مستحق کو سزا دی تو وہ عدل سے متجاوز نہ ہونی چاہیے اور ایسا حال جب شکر واجب ہو ایسا حال سے افضل ہے جب صبر واجب ہو۔''

ایک بار منصور نے آپ کو اس وقت کوفہ طلب کیا جب حضرت نفس ذکیہؒ اور ان کے بھائی حضرت نفس رضیہ کی دعوت زور وشور سے جاری تھی اور منافقوں نے خلیفہ منصور کو باور کرا دیا کہ نفس ذکیہ کے خروج کے پس پشت آپ کی تائید وحمایت کارفرما ہے۔یہ بات منصور کے دل میں بیٹھ گئی۔وہ اندیشہ محسوس کرنے لگا، چنانچہ اس نے آپ کو اپنے حضور طلب کیا اور آپ کی کوئی خاص تعظیم وتکریم نہیں کی۔جب آپ تشریف لائے تو منصور کے اور آپ کے درمیان یوں گفتگو ہوئی۔

منصور: اے جعفر تمہارے حسد، بغاوت، سرکش اور فساد نے اہلِ بیت بنی عباس کو بھی نہیں چھوڑا۔اللہ تمہارے حسد میں اور زیادہ شدت پیدا کرے، لیکن تم ان باتوں اور حرکتوں سے اپنا مقصد نہیں حاصل کر سکتے۔

امام جعفر الصادق: خدا جانتا ہے تمہارے الزامات میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ میں نے بنی امیہ کا دور بھی دیکھا ہے۔ تم جانتے ہو وہ ہمارے اور تمہارے بھی سب سے بڑے دشمن تھے۔ انہیں امر خلافت کا کوئی حق بھی حاصل نہ تھا، لیکن خدا کی قسم میں نے ان کے خلاف بھی بغاوت نہیں کی۔ انہوں نے گو مجھے ہدفِ ستم و جور بنا رکھا تھا، لیکن میرے بارے میں ان تک کوئی ایسی بات نہیں پہنچی۔ پھر جب میں نے ان کے ساتھ یہ نہیں کیا تو اب کیسے کر سکتا ہوں۔ کیا تم میرے ابنِ عم نہیں ہو اور حسنِ سلوک کا مظاہرہ نہیں کرتے رہے ہو؟ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مجھ سے ایسی حرکتیں سرزد ہوں۔

اس طرح کی بحث و گفتگو کے بعد جوان دونوں میں کچھ دیر تک جاری رہی۔ منصور نے کہا۔ ''میں آپ کو سچا باور کرتا ہوں۔ پھر اس نے تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔''

ایک بار خلیفہ منصور کوفہ میں ہی مقیم تھا کہ اس نے آپ کو طلب کیا اور آپ پر یہ تہمت لگائی کہ آپ اپنے شیعوں کے ساتھ گہرا میل جول رکھتے ہیں اور آپ کے لیے زکوٰۃ کی رقم جمع کی جاتی ہے اور آپ اسے استعمال میں لاتے ہیں۔ اس گفتگو میں جو ماجرا گزرا اس کی تفصیل یہ ہے۔

خلیفہ منصور: اے جعفر یہ کیسا مال ہے جو معلیٰ بن خنیس تمہارے لیے وصول کرتا اور جمع کرتا ہے۔

امام صادق: معاذ اللہ ایسی تو کوئی بات نہیں۔

خلیفہ منصور: کیا تم اپنی برأت میں طلاق اور عتاق کی قسم کھا سکتے ہو؟

امام صادق: میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ ساری باتیں غلط ہیں۔

خلیفہ منصور: کیا تم طلاق اور عتاق کی قسم کھانے کو تیار نہیں ہو؟

امام صادق: کیا تم میری اس قسم کا اعتبار نہیں کرت جو میں نے خدا کا نام لے کر کھائی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں؟

خلیفہ منصور: میرے اوپر اپنی فقہ دانی کا رعب ڈالنے کی کوشش نہ کرو۔

امام صادق: لیکن فقہ میرا دامن چھوڑتی کب ہے۔

خلیفہ منصور: یہ باتیں چھوڑو۔ میں اس وقت تمہارے سامنے اس آدمی کو پیش کرتا ہوں جس نے تم پر الزام لگایا ہے۔ اب پھر تمہارے مواجہ میں یہ بات کہنے لگا۔

اس گفتگو کے بعد وہ شخص دربار میں حاضر کیا گیا۔ جب اس سے سوال کیا گیا تو اس نے الزام دہراتے ہوئے کہا۔ ''ہاں یہ سب صحیح ہے اور جعفر (امام صادق) وہ ہی ہیں جن کے بارے میں آپ (خلیفہ منصور) سے گفتگو کی تھی۔''

امام صادق: اے شخص قسم کھا کہ جو کچھ تو نے مجھ پر الزام لگایا ہے صحیح ہے۔

یہ سن کر اس شخص نے کہا۔ ''اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو غالب حیّ و قیوم ہے۔'' وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ آپ نے فرمایا۔ ''اے شخص اپنی قسم میں جلدی نہ کر جس طرح میں بتاؤں اس طرح قسم کھا۔ خلیفہ منصور نے سوال کیا۔ ''اس قسم کو آپ کافی کیوں نہیں سمجھتے۔'' آپ نے جواب دیا۔ ''اللہ تعالیٰ حیّ اور کریم ہے، اگر بندہ اس کی ثناء میں رطب اللسان ہو تو وہ عقوبت میں جلدی نہیں کرتا۔'' پھر آپ نے اس تہمت لگانے والے شخص سے فرمایا۔ ''اے شخص کہہ برأت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی قوت اور طاقت سے اور بھروسہ کرتا ہوں اپنی طاقت و قوت پر بے شک میں سچا ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں صادق ہوں۔ خلیفہ منصور نے اس شخص سے کہا۔ ''ابو عبداللہ جس طرح کہتے ہیں اسی طرح قسم کھاؤ۔''

راوی کا بیان ہے کہ اس شخص نے آپ کے بتائے ہوئے الفاظ پر قسم کھانا شروع کی اور ابھی قسم تمام نہیں ہوئی تھی کہ وہ دفعتاً تڑپ کر گر پڑا اور مر گیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر منصور گھبرا گیا، خوف و دہشت کے باعث اس کے بازو پھڑکنے لگے۔ اس نے آپ سے کہا۔ ''اے ابو عبداللہ آپ میرے پاس سے اپنے جد محترم کے حرم میں تشریف لے جائیں اور اگر آپ ہمارے پاس رہنا چاہیں تو ہم آپ کے اعزاز و اکرام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرینگے، خدا کی قسم آج کے بعد سے (آپ کے خلاف) میں کسی کی بات پر کان نہیں دھرونگا نہ کسی کا توم قبول کرونگا۔

خلیفہ منصور کو جب آپ کی وفات کی خبر ملی تو وہ اپنے آنسو ضبط نہ کرسکا اور رونے لگا اور

روتے روتے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اسمٰعیل بن علی کا بیان ہے کہ میں خلیفہ منصور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو رہی تھی، اس نے مجھے کہا۔ ''کیا تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے اہل پر کیا گزری؟ میں نے عرض کیا۔ یا امیر المومنین وہ کیا بات ہے؟ خلیفہ منصور نے میرے اس سوال کے جواب میں کہا۔ ''ان کا سردار، سب سے بڑا عالم اور فقیہ اخیار اس دنیا سے گزر گیا۔'' میں نے دریافت کیا۔ ''کون اے امیر المومنین۔'' خلیفہ منصور نے کہا۔ ''جعفر بن محمد ان لوگوں میں سے تھا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا۔ ''ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا '' (پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں میں پہنچائی جنہیں تمام دنیا کے لوگوں میں برگزیدہ کیا تھا اور وہ نیکی میں سبقت کرنے والے لوگوں میں سے تھے)۔

سفیان ثوریؒ امام جعفر الصادقؒ:

عراق کے محدث جلیل واعظ شیریں گفتار بھی ان خاص بزرگوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے آپ سے کسب علم وفیض کیا تھا۔ ایک بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ خاموش بیٹھے رہے اور کافی دیر کوئی گفتگو نہ کی، آخر ثوری نے عرض کیا۔ ''میں اس در سے اُس وقت نہیں ہٹوں گا جب تک آپ مجھ سے کلام نہ فرمائیں۔'' یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ ''اے سفیان کثرت قیل وقال اچھی بات نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی نعمت دیں تو اس کے دوام وبقا کو محبوب رکھو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر وسپاس بجالاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ ''لئن شکرتم لازیدنکم '' (اگر تم شکر گزار ہو گے تو میں تم پر انعامات زیادہ کروں گا)۔ اگر تم سے لغزش ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ استغفار کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (ترجمہ) ''تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال واولاد میں ترقی دے گا تمہارے لیے باغ لگائے گا اور نہریں جاری کرے گا۔'' (القرآن)

اے سفیان اگر تمہارا سلطان یا حاکم وقت سے پالا پڑ جائے تو ''لا حول ولا قوت اللہ

باللہ'' کثرت سے پڑھا کرو کہ کشاد کی کنجی اور جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ سفیان نے دل میں نقش ہو جانے والے یہ الفاظ سنے آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور تین مرتبہ یہ الفاظ دھرائے۔

ایک مرتبہ سفیان ثوری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کے جسم پر اچھا لباس دیکھا جو بہت دلکش اور زیبا نظر آ رہا تھا۔ سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میں حیرت اور تعجب سے آپ کی طرف دیکھنے لگا۔ آپ نے مجھے اس طرح دیکھتے دیکھ کر فرمایا۔ ''کیا بات ہے کیوں اس طرح میری طرف تکے جا رہے ہوں، شاید تمہیں میرے اس لباس پر تعجب ہے۔'' میں نے اس ارشاد کے جواب میں عرض کیا۔ ''اے ابنِ رسول یہ لباس نہ آپ کا ہے نہ آپ کے آبائے کرام کا تھا۔'' یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ ''وہ زمانہ اور تھا یہ اور ہے۔ اس زمانہ میں کون سی چیز ہے جو میسر نہ ہو، اب جبکہ دنیا اسلام کے قدموں میں آ گری تو رب اس کے مستحق ابرار ہیں نہ کہ فجار، اور مومن ہیں نہ کہ منافق۔''

اے ثوری تمہیں یہ بات کیوں گراں گزری خدا کی قسم میں بیشک وہی ہی ہوں جیسا تم میرے بدن پر لباس دیکھ رہے ہو۔ میں نے جب سے شعور وبلوغ کی منزل میں قدم رکھا ہے، خدا کی قسم کوئی صبح وشام ایسی نہیں گزری کہ میں نے اپنے مال میں حکم خدا کے مطابق مستحقوں کا حق نہ رکھا ہو۔ پھر آپ نے جبہ کا دامن کھولا تو میں کیا دیکھتا ہوں۔ اس کے نیچے سفید اون کا کھردرا جبہ زیب جسم تھا جس کے دامن اور آستین بالکل بالائی جبہ سے ملی ہوئی تھی۔ یہ دیکھا کر آپ نے فرمایا۔ ''یہ (اونی کھردرا جبہ) ہم نے خدا کے لیے پہنا ہے اور یہ (اچھا) تمہارے لیے نہ تم پر ہم اسے ظاہر کر سکتے ہیں نہ خدا سے کچھ چھپا سکتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں میں امام جعفر الصادق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا۔ اے ابنِ رسول مجھ کچھ وصیت کیجیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''اے سفیان جھوٹے کو مروت نہیں ملتی، ملول کو بھائی نہیں ملتا، حاسد کو راحت نہیں ملتی، بدخلق کو سرداری نہیں ملتی۔'' میں نے عرض کیا اے ابنِ رسول کچھ اور...... اے سفیان خدا پر بھروسہ رکھ مومن بن جائیگا۔ اللہ جو کچھ دے

اس پر راضی رہ غنی بن جائے گا...... اپنے پڑوس سے حسن سلوک کر مسلمان بن جائے گا...... فاجر کی صحبت اختیار نہ کر وہ اپنا فجور تجھ تک منتقل کر دے گا...... اپنے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ کر جو خدائے عزوجل سے ڈرتے ہوں۔

میں نے پھر عرض کیا۔ اے ابنِ رسول کچھ اور ارشاد فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''اے سفیان جو یہ چاہتا ہے کہ عزت حاصل کرے خواہ پشت پناہ نہ ہوں...... غنی بن جائے، خواہ مال و دولت نہ ہو تو اسے چاہیے کہ معصیت الٰہی کی پستی سے اطاعت الٰہی کی بلندی تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

حضرت داؤد طائیؒ اور امام جعفر الصادق:

حضرت داؤد طائیؒ جنہوں نے آپ سے فیض باطنی اور علم دین حاصل کیا تھا۔ ایک بار انہوں نے آپ سے عرض کیا۔ ''اے امام مرا دل سیاہ ہو گیا ہے آپ اولادِ رسول ﷺ ہیں۔ مجھے پند و نصیحت فرمائیں۔'' آپ نے فرمایا۔ ''داؤد تم تو خود بزرگ اور متقی ہو تمہیں نصیحت کی کیا ضرورت ہے۔'' حضرت داؤد طائیؒ نے پھر گزارش کی۔ ''اللہ نے اہل بیت رسول کو فضیلت دی ہے۔''

تب آپ فرمانے لگے کہ ''میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے جدِ امجد ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر اس امر کا سوال نہ کریں کہ تو نے کیوں میری اتباع نہ کی، وہاں حسب و نسب کام نہ آئے گا۔ کسب اور اعمالِ نیک کی پرسش ہو گی۔

حضرت بایزید بسطامیؒ اور امامؑ:

حضرت بایزید بسطامی ایک رات تک آپ کی خدمت میں کسب علم و فیض کرتے رہے اور بے حد انہماک اور توجہ سے آپ کی باتیں سنتے اور آپ کی صحبت میں اس قدر محو رہے کہ کبھی ایک لمحے کے لیے کسی دوسری طرف توجہ نہیں کی۔ ایک دن آپ نے فرمایا۔ ''بایزید ذرا طاق سے کتاب اٹھالاؤ۔'' بایزید نے عرض کیا۔ ''مجھے تو حضور کی زیارت اور صحبت بابرکت ہی سے فرصت

نہیں، طاق کا کیسے خیال رکھوں۔'' آپ یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا۔ ''اگر تمہارا یہ حال ہے تو بسطام چلے جاؤ، تمہارا کام پورا ہو چکا ہے۔''

اخلاق و کردار کی بلندی:

صبر، تحمل، عفو، حلم، سماحت، جود و سخا و ضبط نفس کے چند واقعات

آپ کے بیٹے کا انتقال ہوا تو ان کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے اور اس موقع پر شکر کرتے ہوئے وہ فرما رہے تھے۔ ''اگر مجھے ابتلاء میں ڈالا گیا تو یہ عافیت ہے جو مجھے ملی۔''

پھر وہ اس کی لاش کو لے کر گھر کے اندر گئے۔ عورتیں آہ و بکا کرنے لگیں تو آپ نے انہیں سختی سے منع فرمایا۔ پھر جب بیٹے کو دفن کرنے لگے تو آپ نے فرمایا۔ ''خدا کتنی تعریف کا سزاوار ہے کہ وہ ہماری اولاد کو اٹھا لیتا ہے تب بھی ہمارا دل اس کی محبت کا گنجینہ بنا رہتا ہے۔'' پھر جب آپ مٹی دے چکے تو فرمایا۔ ''ہم وہ لوگ ہیں جو اللہ سے سوال کرتے ہیں اور پاتے ہیں اگر ہم پہ کوئی غم اور صدمہ نازل ہوتا ہے تب بھی اس کے شکر گزار رہتے ہیں۔

آپ حد سے زیادہ متحمل، بردبار اور مرنجان و مرنج تھے۔ آپ نے کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا بلکہ حسن عمل سے جواب دینے کی کوشش کی۔ آپ کا برتاؤ تمام خدام سے حد درجہ نرم تھا، چنانچہ اس سلسلہ میں روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنے خادم کو کسی کام سے بھیجا۔ اس نے کام میں بہت دیر کر دی۔ آپ اس کی تلاش میں جانے لگے تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ تو سو رہا ہے۔ آپ اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور پنکھا جھلنے لگے۔

ایک مرتبہ ایک حاجی مدینہ میں وارد ہوا اور مسجد رسول ﷺ میں سو گیا۔ آنکھ کھلی تو اسے شبہ ہوا کہ اس کی ایک ہزار دینار کی تھیلی موجود نہیں۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا کسی کو نہ پایا۔ ایک گوشۂ مسجد میں آپ مصروف عبادت تھے۔ وہ آپ کو بالکل نہ پہچانتا تھا۔ جب اس کی نگاہ آپ پر پڑی تو آپ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میری تھیلی آپ نے لی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس تھیلی میں کیا تھا۔ اس نے کہا ایک ہزار دینا۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ میرے مکان تک چلو۔ وہ آپ کے ساتھ

ہوگیا۔ مکان پر پہنچ کر آپ نے ایک ہزار دینار اس کے حوالے کر دیئے۔ وہ مسجد میں آ کر اپنا سامان باندھنے لگا تو اس نے اپنی تھیلی اپنے سامان میں ہی پائی۔ وہ یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں آیا اور عذرخواہی کرتے ہوئے آپ کے عطا کردہ دینار واپس کرنا چاہے۔ آپ نے فرمایا۔ ''ہم جو کچھ دے دیتے ہیں وہ پھر واپس نہیں لیا کرتے۔''

ایک مرتبہ آپ نے اپنے وکیل معتب سے ارشاد فرمایا کہ غلہ روز بروز گراں ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے ہاں کس قدر غلہ ہوگا؟ معتب نے کہا کہ ہمیں اس گرانی اور قحط کی تکلیف کا اندیشہ نہیں، ہمارے پاس غلہ کا اتنا ذخیرہ ہے جو بہت عرصہ تک کافی ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تمام غلہ سستا فروخت کر ڈالو اس کے بعد جو حال سب کا ہو وہ ہی ہمارا بھی ہو۔ جب غلہ فروخت کر دیا تو فرمایا۔ اب خالص گیہوں کی روٹی نہ پکا کرے بلکہ آدھی گیہوں اور آدھے جو کی روٹی پکا کرے۔ جہاں تک ممکن ہو ہمیں غریبوں کا ساتھ دینا چاہیے۔

آپ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی عزت کرتے تھے اور ان سے بڑے تپاک سے ملتے تھے اور مزدور اور غلاموں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اکثر اپنے باغ میں بہ نفس نفیس محنت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ بیلچہ سے باغ میں کام کر رہے تھے، مشقت کرتے کرتے پسینہ سے تمام جسم تر ہوگیا۔ کسی نے کہا یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمائیں کہ میں یہ خدمت انجام دوں۔ آپ نے فرمایا۔ ''کسب معاش میں دھوپ اور گرمی کی تکلیف برداشت کرنا عیب کی بات نہیں۔ یہ کام مجھے ہی کرنا چاہیے۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ آیت کریمہ ''ویوثرون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً و یتیماً و اسیرا'' (اور وہ لوگ محض خدا کی محبت سے غریب و مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں) کی تفسیر کرتے ہوئے اکثر مفسر یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (اگرچہ عموم کے لحاظ سے یہ تمام مومنین پر صادق آتی ہے) اور بالکل یہ ہی بات ان کے اخلاف و احفاء پر بھی صادق

آتی ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام زین العابدین رات کی تاریکی میں بدست خود مستحقین اور فقراء کے لیے کھانا لے جایا کرتے تھے۔ آپ بھی جب شام کا اندھیرا ہو جاتا تو آپ ایک ٹوکری میں گوشت روٹی اور دراسم رکھتے اور خود اس ٹوکری کو اٹھا کر اہلِ حاجت کے ہاں جاتے اور ان میں اس طرح تقسیم کرتے کہ اہلِ حاجت کو پتہ نہ چلتا کہ یہ کون سخی داتا ہے۔ حلیۃ الاولیاء میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق لوگوں کو اتنا کچھ دے ڈالتے تھے کہ خود ان کے عیال تنگی میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ آپ کی یہ مالی سخاوت اس بات کی دلیل ہے کہ اجتماعی فلاح وصلاح کے سلسلہ میں آپ کتنے حساس تھے اور سخاوت وجود کو چھپانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی قوتِ وجدانِ دینی کتنی زیادہ ہے۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر تھا۔ میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ''میں نے منع کیا ہوا تھا کہ کوئی مکان کی چھت پر نہ چڑھے، اس وقت جو میں گھر میں گیا تو دیکھا بچہ کی آیا بچہ کو گود میں لیے زینہ پر چڑھ رہی ہے، اس نے مجھے دیکھا تو اس پر ایسا خوف طاری ہوا کہ بدحواسی میں بچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اس صدمہ سے بچہ جاں بحق ہوگیا۔ مجھے بچہ کے مرنے کا جو صدمہ ہو سکتا تھا وہ تو ہے ہی، لیکن اس بات کا انتہائی رنج ہے کہ میرا اس کنیز پر اتنا رعب وخوف کیوں طاری ہوا۔'' پھر آپ نے اس کنیز کو بلایا اور کہا ''ڈرو نہیں میں نے خدا کی راہ میں تمہیں آزاد کر دیا۔'' اس کے بعد آپ بچہ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔

آپ نہایت صابر شاکر تھے۔ مومنِ قانت تھے۔ خدا سے ڈرتے تھے، عابد شب زندہ دار تھے اور مصائب کے وقت صبر وشکر کے خوگر تھے۔ فراق اقربا کے وقت بھی صبر وشکر کرتے تھے۔ آپ کے تسامح اور رفق کا یہ عالم تھا کہ جو آپ کے ساتھ برائی سے پیش آتا آپ اس کے لیے بھی دعائے مغفرت کرتے تھے۔ روایت ہے کہ جب کسی کے متعلق اطلاع ملتی کہ وہ آپ پر سب وشتم کر رہا تھا کہ آپ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور دیر تک مصروف رہتے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے کہ اس شخص سے کوئی مواخذہ نہ کرے، کیونکہ وہ اپنے حق انتقام سے دستبردار ہوتے ہیں اور

اسے معاف کرتے ہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ ''عفو میں ذلت نہیں اور انتقام میں عظمت نہیں، جیسا
کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا، معاف کر دینے سے عزت بڑھتی ہے اور جو اللہ
کے لیے نگوں سار ہوتا ہے اللہ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔''

آپ کی تعلیمات اور اقوال مبارکہ:

اب ہم آپ کے جوامع الکلم کے چند نمونے جو اس امام جلیل کے نطق گوہر باز کا شاہکار
ہیں۔ طالبانِ فضیلت نے ان ارشادات کو شمع ہدایت سمجھا اور ان کی روشنی میں راہِ ہدایت پر گامزن
ہوئے، جبکہ امور ان کے اوپر ملتبس ہو گئے تھے تاریکی نے ان پر تسلط کر لیا تھا۔ یہ ہی وہ چیزیں
ہیں۔ جنہیں اکابر صوفیہ نے اپنا منہاج بنایا اور اس منہاج پر چل کر طلب حقیقت میں مصروف منہمک
ہو گئے اور وہ لوگ جو اسلام کا راستہ اختیار کرنا چاہتے تھے انہوں نے اپنے ایمان میں اضافہ کیا۔

اپنے فرزند کو وصیت:

یہ وہ وصیت ہے جو آپ کے اپنے صاحبزادے امام موسیٰ کاظم کو کی تھی۔ حلیۃ الاولیاء
میں اس طرح نقل ہے۔

آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے میری وصیت گرہ میں باندھ لے، میری بات یاد رکھ
اگر تو نے پندِ پیر دانا یاد رکھا تو تیری زندگی عافیت اور ایمان سے گزرے گی جب موت آئے گی تو
وقار و سکینت کے ساتھ۔

اے میرے بیٹے جس نے اس پر قناعت کی جو خدا نے اسے دے رکھا ہے اس سے
بڑھ کر تونگری کوئی نہیں۔ جس نے دوسرے کی چیز پر للچائی ہوئی نظر ڈالی وہ فقیر مرے گا جو اس پر
قانع نہیں ہے جو خدا نے اسے دے رکھا ہے تو گویا وہ قضائے الٰہی پر الزام لگاتا ہے جو اپنی غلطیوں
اور لغزشوں کو کم سمجھتا ہے اسے دوسروں کی پردہ دری کرتا ہے اس کے اسرار اندرونِ خانہ بھی آشکار

ہو کر رہتے ہیں۔ جو دوسروں پر تلوار اٹھاتا ہے خود اسی سے قتل بھی کیا جاتا ہے۔ جو دوسروں کے لیے
گڑھا کھودتا ہے خود اس میں گرتا ہے۔ جو احمقوں کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ ذلیل ہوتا ہے۔ جو علماء
سے میل جول رکھتا ہے وہ اکرام و اعزاز حاصل کرتا ہے۔ جو برے مقامات پر جاتا ہے متہم ہوتا
ہے۔ اے میرے بیٹے سچ بول خواہ تیرے موافق پڑے یا مخالف، خواہ تجھے اس سے نفع پہنچے یا
ضرر۔ اے میرے بیٹے کتاب اللہ کا ہو رہ، اسلام کا بن جا، نیکی کا حکم دے برائی سے روک۔ جو تجھ
سے روٹھے تو منا لے جو تجھ سے بات چیت بند کر دے تو اس سے بول چال جاری رکھ۔ جو تجھ سے
سوال کرے اسے دے۔ خبردار، چغل خوری اور لگائی بجھائی سے بچنا کہ اس سے قلوب و جال میں
کھولن پیدا ہوتی ہے۔ خبردار، لوگوں کے عیوب سے تعرض مت کرنا جو لوگوں کے عیوب تعرض کرتا
ہے وہ خود ان کا ہدف بن جاتا ہے۔ اے میرے بیٹے اگر تو طالب جود ہے تو یاد رکھ جود کے معاون
ہوتے ہیں اور معاون کے رسول اور اصول کے فرع اور فرع کے ثمر اور ثمر اچھا نہیں ہو سکتا۔ جب
تک جڑ اچھی نہ ہو اور جڑ ثابت نہیں رہ سکتی۔ جب تک معاون طیب نہ ہوں...... اے بیٹے اگر تجھے
لوگوں سے ملنے جلنے کا شوق ہے تو اخیار سے مل اور فجار سے کنارہ کش رہ کیونکہ وہ چٹان ہیں اور
چٹان سے پانی کا چشمہ نہیں پھوٹتا نہ درخت اگتا ہے، نہ سبزہ ہوتا ہے اور ایسی زمین ہے جس پر
روئیدگی کا نام و نشان نہیں نظر آتا۔

آپ کی ایک جامع و مانع اور فصیح و بلیغ تقریر:

آپ نے اپنے رسالہ ''التوحید'' میں شب و روز ظلمت و نور اور سورج کے متعلق جو کچھ
تحریر فرمایا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علم کونیات کے کس بلند مقام پر فائز تھے۔

اگر سورج طلوع نہ ہو تو یہ سارا عالم ویرانہ بن کر رہ جائے۔ پھر لوگ اپنے وسائل معاش
کی تگ و دو کے لیے مصروف عمل نہ ہو سکیں، نہ اپنے معاملات پر کسی طرح کا تصرف رکھ سکیں۔ یہ
دنیا ان کے لیے خانہ تاریک بن جائے، لذتِ نور سے گم ہو جانے کے بعد ان کی زندگی وبالِ جان
بن جائے...... ذرا غروبِ آفتاب کی منفعت پر غور کرو...... اگر آفتاب غرب نہ ہو تو لوگ سکھ کی نیند

کس طرح سوئیں؟ انہیں سکون واطمینان کی نعمت کیونکر حاصل ہو، حالانکہ سکون واطمینان کے وہ بہت محتاج ہیں۔ وہ رات ہی ہے جس سے ان کا بدن سکون حاصل کرتا ہے اور ان تمام حواس آرام پاتے ہیں۔ ہضم طعام کے لیے کے لیے قوت ہاضمہ کا انبعاث اسی وقت ہوتا ہے اور غذا اعضاء تک اسی وقت پہنچتی ہے اور جب وہ غروب آفتاب کی نعمت سے بہرہ ور ہو کر اپنے بدن کو سکون اور وجود کو آرام پہنچا لیتے ہیں تو تازہ دم ہو جاتے ہیں اور مداومتِ عمل کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ اگر رات کی تاریکی انہیں سکون وقرار سے بہرہ ور نہ کرے تو بس وہ کسب وجمع اور ذخیرہ اندوزی میں ہی لگے رہیں۔

اگر سورج غروب نہ ہو اور ہمیشہ جگمگاتا رہے تو یہ زمین حرارت آفتاب کے تسلسل اور دوام کے باعث کرۂ نار بن جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت وتدبیر سے طلوع وغروب کے اوقات مقرر کر دیئے۔ وقت مقررہ پر وہ طلوع ہوتا ہے اور وقتِ مقررہ پر وہ غروب ہو جاتا ہے۔ جیسے تم دیکھتے ہو کہ چراغ کی جب ضرورت محسوس ہوتی ہے تو گھر والے اسے جلا لیتے ہیں اور جب ضرورت نہیں ہوتی تو بجھا دیتے ہیں۔ پس نور وظلمت اپنے ظاہری تضاد کے باوجود دنیا کا صلاح و فلاح اور استحکام نظام کا سب سے بڑا اور واضح مظہر ہیں...... اور پھر ذرا سورج کے ارتفاع وانحطاط پر غور کرو۔ اسی ارتفاع وانحطاط پر سال کے چاروں موسم بنتے ہیں۔ یہ ارتفاع وانحطاط اپنے اندر تدبیر ومصلحت کی ایک دنیا پوشیدہ رکھتے ہیں۔ موسم سرما میں شجر ونباتات میں حرارت پیدا ہوتی ہے جس سے ان میں موادِ ثمار پیدا ہوتا ہے...... ہوا کثیف ہو جاتی ہے۔ اس سے بادل اٹھتے ہیں اور بارش ہوتی ہے۔ جانداروں کے بدن میں قوت آتی ہے اور ان میں زور پیدا ہوتا ہے...... موسم ربیع میں تحریک ہوتی ہے اور موسم سرما میں جو مواد پیدا ہوا تھا وہ اب نمایاں ہوتا ہے، نباتات سر اٹھاتی ہیں اور درختوں پر رونق آ جاتی ہے۔ جانداروں میں ہیجان، جذبات پیدا ہوتا ہے۔ گرمی کے موسم میں پھل پک جاتے ہیں، بدن کا فضلہ تحلیل ہو جاتا ہے، زمین خشک ہو جاتی ہے اور اس میں صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اعمال اور تعمیر کو قبول کر سکے۔ خریف کے موسم میں ہوا صاف ہو جاتی

ہے، امراض دور ہو جاتے ہیں، بدن حسین ہو جاتا ہے، ہوا خوشگوار ہو جاتی ہے۔ اس طرح دوسرے مصالح ہیں جن سے دنیا بہرہ ور ہوتی ہے...... اس طرح ذرا اس پر غور کرو کہ سورج بارہ برجوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے تاکہ سال کا دورہ پورہ ہو جائے۔ اس دورے سے زمانہ کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

فلاسفہ، منکرِ خدا اور منحرف العقائد تحاریک:

آپ کے عہد میں عقل عربی پر فلسفہ کا رنگ جمنا شروع ہو چکا تھا۔ شک وریب اور انکار الوہیت کا سلسلہ بھی پھیل رہا تھا۔ حقائق اسلامیہ پر حملے بھی شروع ہو چکے تھے۔ مسلمانوں میں شک وریب کو ابھارنے کی منظم جدوجہد کا آغاز بھی ہو چکا تھا تاکہ مفسران میں کجی فکر اور ضعفِ اعتقاد پیدا کر سکیں۔ آپ نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جو خدا کے منکر تھے۔ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جو حقائق کا انکار کرتے تھے۔ ان لوگوں کو بھی دیکھا جو خلق قرآن کا فتنہ اٹھا رہے تھے اور حریت اختیار کا انکار کر رہے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت پر معترض تھے۔ ممکن نہ تھا کہ آپ اس باب میں خاموش رہتے۔ آپ نگاہِ حق شناس کے حامل تھے، حق کے رہنما تھے، گمراہوں کے مرشد تھے۔ ان لوگوں سے برسر پیکار رہتے تھے جو ریب وشک پیدا کرتے تھے۔ ان کا مکر وکید انہیں پر لوٹا دیتے تھے۔ آپ امام مدینہ تھے اور شبہات کا رد کیا کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے اپنے بیان بلیغ سے روشن راستہ واضح کر دیتے تھے اور کجی فکر رفع کر دیتے تھے۔ وہ کئی مرتبہ عراق بھی گئے۔ آپ نے ہی پہلی مرتبہ امام ہدا سیدنا علیؑ بن ابی طالب کی تربت کی نشان دہی کی تھی۔ آپ نے عراق میں کوئی سیاسی دعوت نہیں دی نہ کسی سیاسی مسئلہ پر لوگوں کو جمع کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ تکفیر علمی کے داعی ضرور تھے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ بہت سے منحرفین راہ صواب سے اُلجھے اور نبرد آزما ہوئے اور انہوں نے بلاشبہ انحراف کا راستہ منقطع کر دیا اور بہت سے لوگوں کو جو شکوک وشبہات کی فکر وعقائد میں مبتلا تھے راہ راست پر گامزن کر دیا۔ اس سلسلہ میں آپ کو کئی مناظروں میں حصہ لینا پڑا۔ جن کی تفصیل مختلف کتب تاریخ وروایات میں موجود ہے اور بلاشبہ یہ روایتیں قابلِ قبول ہیں۔ ان کے باور کرنے میں علماء حق کو ذرا بھی تامل نہیں۔ ان میں کوئی بات

ایسی نہیں جو معارضِ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ ہو، بلکہ آپ کی مناظرانہ بحثوں میں لوگ کتاب وسنت کے احکام کی تائید کا راستہ پاتے ہیں۔ جو عقائد اسلامیہ حق پر مشتمل ہیں اور ان سے منحرفین کے دعوات کا راستہ منقطع ہو جاتا ہے۔ ذیل میں اس مناظرہ کی روداد ملاحظہ کریں جو آپ کے اور ایک زندیق کے مابین ہوا تھا۔ زندیق علانیہ اپنے زندیق ہونے کا معترف تھا۔

آپ کا ایک زندیق سے مناظرہ:

زندیق: لوگ اللہ کی عبادت کس طرح کر سکتے ہیں جبکہ وہ اسے دیکھ نہیں پاتے؟

امام جعفر: خدا کا دیدار نورِ ایمان کی روشنی میں دل کر لیتا ہے اور عقل اس کا اثبات اس طرح کر لیتی ہے جس طرح آنکھ سے دیکھی ہوئی چیز کا اور ابصار سے اس کا نظارہ اس طرح ہو جاتا ہے کہ وہ جن ترتیب اور احکام تالیف کا مشاہدہ کرتی ہے گویا رسول میں اور آیات میں کتب میں اور محکمات میں اس کی عظمت کا دیکھنا خود اسی کو دیکھ لینا ہے۔

زندیق: کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے کہ لوگوں پر اپنے آپ کو ظاہر کر دے تاکہ وہ اسے دیکھ لیں اور اس کا عرفان حاصل کر لیں اور اس کی عبادت یقین واعتماد سے کریں۔

امام جعفر: امر محال کا جواب طلب کرتے ہو! یہ امر محال ہے......

زندیق: انبیاء ورسل کا ثبوت کس طرح مل سکتا ہے؟

امام جعفر: جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارا ایک خالق ہے، صانع ہے حکیم ہے اور وہ ہم سے بہت زیادہ بلند وبالا اور برتر ہے۔ صرف ہم سے نہیں جمیع مخلوقات سے پس خلق کے لیے اس صانع حکیم کو دیکھنا، چھونا، کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ نہ وہ ان میں گھل مل سکتا ہے نہ وہ اس میں، وہ ان کے سامنے زیر حجاب ہے، اور وہ اس کے سامنے۔ تو ثابت ہوا خلق و عباد کے مابین اس کے سفرا آتے رہتے ہیں جو ان کے مصالح اور منافع کی طرف رہنمائی کیا کرتے ہیں۔ اس سے ان کی بقا ہے اور اس کے ترک کر دینے میں ان کی فنا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے مخلوقات

میں اس حکیم وعلیم کی طرف سے آتے ہیں اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ اس کے احکام کی ترجمانی کرنے والے ہیں اور یہ ہی دنیا اور مخلوقات کے برتر ترین لوگ ہیں۔ یہ ایسے حکیم ہیں جو حکمت کے ساتھ ادب سکھاتے ہیں۔ ان کا مقصد بعثت یہ ہی ہے اور جہاں تک خلق وترکیب کا تعلق ہے ان میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی فرق نہیں۔ خدائے حکیم وعلیم کی طرف سے دلائل و براہین اور برص زدہ لوگوں کو اچھا کر سکتے ہیں اور شواہد کے ساتھ ان کی تائید ہوتی ہے (معجزہ کے طور پر اس کے حکم سے) یہ مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔

زندیق: اللہ نے اشیاء کو کس چیز سے پیدا کیا ہے؟

امام جعفر: کسی چیز سے نہیں۔

زندیق: لاشے سے کوئی چیز کس طرح پیدا ہو سکتی ہے؟

امام جعفر: اشیاء کی خلقت کس چیز سے ہوگی، یا غیر شے ہوگی اور یہ تخلیق کس چیز سے ہوئی تو وہ اس کے ساتھ پیوست ہے اور اسے قدیم مانا جائیگا اور قدیم کی تعریف یہ ہے کہ وہ نہ فنا ہوگا اور نہ تغیر پذیر اور ضروری ہے کہ یہ ایک جوہر ایک رنگ ہو، لیکن پھر یہ الوانِ مختلفہ اور جواہر کثیرہ کہاں سے آ گئے جو اس دنیا میں مختلف اقسام کی صورت میں پائے جاتے ہیں اور یہ موت کہاں سے آ گئی، جبکہ جس چیز سے یہ شے پیدا ہوئی ہے زندہ ہے اور یہ زندگی کہاں سے آ گئی، جبکہ جس چیز سے یہ پیدا ہو گئی اس پر موت طاری ہو سکتی ہے؟ اور یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ وہ زندہ جس پر موت طاری ہوتی ہو اور وہ مردہ جو زندہ رہ چکا ہو اور دونوں کو قدیم یعنی لازوال مان لیا جائے، کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے اس پر موت وارد نہیں ہو سکتی۔ اس طرح یہ بھی نہیں مانا جا سکتا کہ میت کو قدیم مان لیا جائے جب تک وہ مردہ ہے، کیونکہ میت کو نہ کسی طرح کی قدرت حاصل ہوتی ہے نہ اس میں زندگی کے عناصر ہوتے ہیں۔

امام صاحب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی ہے وہ غیر شے سے پیدا کی ہے۔ اس ایسی شے کا وجود محال ہے جس سے ہر چیز وجود میں آسکے۔ اس لیے کہ مادہ اگر صفت واحد کا حامل ہے تو اس سے ایسی چیز کس طرح پیدا ہو سکتی ہے جو اوصاف مختلفہ رکھتی ہوں، اگر جامد ہے تو اس سے زندہ چیز کس طرح پیدا ہو سکتی ہے اور اگر زندہ ہے تو اس سے جامد چیز کس طرح وجود میں آسکتی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ وہ بیک وقت زندہ بھی ہو اور جامد بھی، کیونکہ دو اوصاف کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے۔ پھر اگر یہ مادہ زندہ ہے تو اس سے مردہ کی پیدائش کس طرح ہو سکتی ہے۔ پھر اگر یہ مادہ مردہ ہے تو اس سے زندہ کی پیدائش کیونکر ممکن ہے؟ اور مردہ کو قدیم اور ازلی نہیں مانا جا سکتا، اگر مشاہدہ کسوٹی قرار دیا جا سکتا تو زندہ سے زندہ کی پیدائش، جبکہ ہمیشہ زندگی ہو ممکن نہیں، اگر یہ بات باطل طور پر فرض کر لی گئی ہے تو اس سے متناقض بات جو فرض کی گئی تھی لامحالہ صحیح ہوگی یعنی اللہ اشیاء کو غیر اشیاء سے پیدا کرتا ہے

زندیق: اس قول کی بنیاد کیا ہے کہ اشیاء اصلی ہیں؟

امام جعفر: یہ ان لوگوں کا قول ہے جو مدبّر اشیاء کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ انبیاء و رسل کی اور ان کے ارشادات کی تکذیب کرتے ہیں۔ انبیاء جو خبریں دیتے ہیں ان کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ کتب الٰہی کو داستان و اساطیر قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے جو دین اپنے لیے بنایا ہے وہ ان ہی کے انکار و آراء کا نتیجہ ہے اور اشیاء کا وجود ان کے فنا پذیر ہونے کا ثبوت ہے اور یہ آسمان کی گردش، زمین کی حرکت، انقلاب زمانہ، اختلاف حوادث جو دنیا میں رونما ہو کر نفع و ضرر کا سبب بنتے رہتے ہیں، موت، ابتلاء، معیشت اور اضطرار النفس یہ سب چیزیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ایک نہ ایک صانع مدبر موجود ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مٹھاس کھٹاس بن جاتی ہے اور شیرینی تلخی کا روپ دھار لیتی ہے اور ہر چیز تغیر و فنا کی طرف بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

ملحد ابوشاکر ویصانی:

ایک ملحد جو غیر مسلم طائف ویصانیہ کا سربراہ تھا۔ آپ کے زمانہ میں ہوا ہے۔ اس نے ایک مرتبہ کہا۔ قرآن میں ایسی عبارت بھی موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ایک نہیں، چنانچہ قرآن میں آیا ہے ''وھو الذی فی السماء و فی الارض اله'' (وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی قابلِ عبادت ہے اور زمین میں بھی قابلِ عبادت ہے) جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ایک شخص سے فرمایا۔ ''یہ ایک خبیث زندیق کا کلام ہے جب تم اس زندیق کے پاس جاؤ تو اس سے سوال کرو۔ تم کوفہ میں کس نام سے پکارے جاتے ہو؟ وہ کہے گا اس نام سے۔ پھر اس سے دریافت کرو بصرہ میں تجھے کس نام سے پکارتے ہیں۔ وہ کہے گا اس نام سے۔ پھر اسے کہنا کہ اسی طرح ہمارا رب آسمان میں بھی موجود اور زمین میں بھی، اور سمندر میں بھی اور میدان و صحرا میں بھی۔ وہ ہر جگہ، خواہ کوئی سی بھی ہو موجود ہے۔'' یہ جواب کتنا صاف اور واضح ہے۔ ''زید عراق میں عالم ہے، مدینہ میں عالم ہے، مکہ میں عالم۔'' تو اصف بہر حال ایک ہی ہے گو خبر میں تعدد ہے۔ یہ خبر کا تعدد مقامات کے تعدد کے ساتھ ہوتا رہتا ہے، لیکن وصف ایک ہی رہتا ہے، کیونکہ حقیقت واحد ہے۔

ایک متقشف کے سوال کا جواب:

آپ کی زندگی یکسر زہد و ورع تھی، لیکن انہوں نے تقشف کا اظہار کبھی نہیں کیا۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ لوگ جو تقشف میں شدت کا مظاہرہ کر رہے تھے آئے۔ ان کے خیال میں زہد کی یہ سب سے برتر اور اعلیٰ صورت تھی۔ آپ سے بھی وہ لوگ اس کی توقع رکھتے تھے۔ آپ نے ان سے اس مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔ ''تمہارے ان مذعومات کی آخر دلیل کیا ہے؟''

ان لوگوں نے اس سوال کے جواب میں کہا۔ ''ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔''

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ وہ دلیل لاؤ کہ قرآن سے بڑھ کر اس سے مستحق اور کون چیز ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے؟

ان لوگوں نے اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''اللہ تعالیٰ نے اصحابِ رسول کے **احوال وصفات** بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔'' ویوثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ، ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون '' (یہ اپنے سے (ضرورت مندوں کو) مقدم رکھتے ہیں اگرچہ فاقہ سے ہی کیوں نہ ہوں اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

پھر یہ آیت تلاوت کی۔'' ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیم و اسیرا '' (یہ لوگ محض خدا کی محبت سے غریب، یتیم اور قیدی کو کھانے کھلاتے ہیں)۔ کیا قرآن کی یہ دلیلیں ہمارے نقطۂ نظر کی تائید میں نہیں ہیں؟ حاضرین میں سے ایک شخص نے جواب تک خاموش بیٹھا تھا کہا۔ ''ہم دیکھتے ہیں آپ اچھے کھانے سے کتنی نفرت کرتے ہیں اور اس کے باوجود لوگوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنا مال لے کر نکلیں تا کہ مستحق اس سے تمتع حاصل کریں۔'' اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ ''وہ باتیں چھوڑو جن سے کوئی فائدہ نہیں۔ اے شخص بتا کیا تم قرآن کے ناسخ ومنسوخ اور محکم ومتشابہ کا علم رکھتے ہو، جس کے (نہ جاننے سے) امت کے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے؟'' ان لوگوں نے عرض کیا۔ ''ناسخ ومنسوح اور محکم ومتشابہ میں سب کا تو نہیں بعض کا ہمیں علم ہے۔'' آپ نے فرمایا۔ پھر تمہیں یہ باتیں کرنے کا کیا حق ہے؟ یہی حال حدیث رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ سب سے پہلے کتاب اللہ ہے۔ قرآن نے جن لوگوں کے حسن عمل کی خبر دی ہے وہ مباح اور جائز ہیں ان کی ممانعت نہیں کی گئی اور ان کا ثواب اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ جو عمل کے خلاف تھا۔ پس اس کا اور ان کے فعل کا ناسخ ہوا اور گویا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم کرتے ہوئے اس سے منع کیا، تا کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو ضرر نہ پہنچائیں کہ ان میں ضعیف بھی ہیں، کم عمر بھی، بچے بھی، پیر کہن سال بھی اور بڑی بوڑھیاں بھی۔ یہ لوگ بھوک پر صبر نہیں کر سکتے۔ پس اگر میں اپنی یہ روٹی اور اس روٹی کے علاوہ کچھ اور میرے پاس نہ ہو کہ صدقہ کر دوں تو یہ اور خستہ ہو جائیں گے اور بھوک سے

ہلاک ہو جائیں گے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ '' پانچ خرمے یا پانچ دینار یا پانچ درہم اگر کسی کی ملکیت میں ہیں اور وہ انہیں خرچ کرنا چاہتا ہے تو افضل تو یہ ہے کہ پہلے اپنے والدین پر خرچ کرے۔ پھر اپنے آپ پر اور اپنے عیال پر، پھر اپنے حاجت مند قرابت داروں پر، پھر اپنے حاجت مند پڑوسیوں پر، پھر اللہ کے (عام) راستہ میں۔'' اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کے بارے میں فرمایا۔ ''جس نے اس حالت میں اپنے مرنے کے وقت چھ غلام آزاد کر دیئے تھے اور یہ ہی اس کی ملکیت تھے کہ اس کے پیچھے چھوٹے بچے تھے، اگر یہ بات تم نے پہلے مجھے بتا دی ہوتی تو میں تمہیں اجازت نہ دیتا کہ اسے مسلمانوں کے ساتھ دفن کرو۔ اس نے اپنے بچوں کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔''

میرے والدؒ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (صدقہ کا آغاز) اس سے کرو جس کی ذمہ داری تم پر ہو۔ پھر اس سے قریب پھر اس سے قریب اور قرآن حکیم میں تمہارے قول کا رد ہی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔'' والذین اذا انفقو لم یسرفو لم یقترو او کان بین ذالك قواما '' (وہ جب خرچ کرتے ہیں نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں، ان کا خرچ اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے)۔

پس کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس امر کے خلاف ہے جو تم کر رہے ہو۔ نیز اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے۔'' انہ لا یحب المسرفین '' (اللہ فضول خرچوں کو پسند نہیں کرتا)۔ اسی طرح اس نے اسراف سے منع فرمایا ہے۔ انسان کو یہ زیبا نہیں ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے سب دے ڈالے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگنے بیٹھ جائے تو اس کی دعا پوری نہیں ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''میری امت میں بعض اس قسم کے لوگ ہیں کہ ان کی دعا پوری نہیں ہوگی۔ وہ شخص جو اپنے والدین کو بددعا دے، وہ شخص جو اپنے قرضہ داروں کو بددعا دے کہ اس کا مال لے گیا اور اس نے لکھت پڑھت نہ کی ہو، جو شخص اپنی بیوی کو بددعا دے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے چھٹکارا پانے کی سبیل (طلاق) مرد کے ہاتھ میں رکھی ہے، وہ شخص جو

گھر میں دعا مانگے یا اللہ مجھے رزق دے اور طلبِ رزق میں سعی نہ کرے، اللہ تعالیٰ اس سے کہا
گا۔'' ایک میرے بندے کیا میں نے تیرے لیے طلب کے دروازے (وسائل) نہ کھول رکھے
تھے اور اعضاء و جوارح صحیحہ کے ساتھ زمین پر تگ و دو کرنے کی سہولتیں نہیں دی تھیں؟۔ وہ شخص
جسے اللہ تعالیٰ مالِ کثیر عطا فرماتا ہے اسے وہ خرچ کر ڈالتا ہے اور پھر دعا مانگنے بیٹھ جاتا ہے اُے اللہ
(عطا کر)۔ اللہ تعالیٰ اس سے کہتا ہے کیا میں نے تجھے رزقِ وسیع نہیں عطا کیا تھا۔ پھر کیا تو نے
اپنے اعتدال واقتصار سے کام لیا؟ اور جب میں نے تجھے اسراف سے منع کیا تھا پھر تو نے یہ فضول
خرچی کیوں کی، اور وہ شخص جو قطع رحم کے لیے دعا کرتا ہے۔'' آپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے
ہوئے فرمایا۔ پھر اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو بتایا کہ خرچ کس طرح کرنا چاہیے؟ ارشاد فرمایا۔'' ولـا
تـجعل يدك مغلولة الى عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا ''
(نہ اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لینا چاہیے نہ بالکل کھلا رہنا چاہیے ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر
بیٹھ رہو گے)۔ اسی طرح احادیث رسول اللہ ﷺ سے بھی کتاب اللہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ سلمان
فارسیؓ اور ابو ذر غفاریؓ کے فضل و زہد کا کیا کہنا؟ لیکن سلمانؓ کی حالت یہ تھی کہ انہیں جب (بیت
المال) وظیفہ ملتا تو سال بھر کے لیے اس سے کھانے کا انتظام کر لیتے۔ یہاں تک کہ دوسرا سال آ
جاتا۔ ایک مرتبہ ان سے کہا گیا۔ اے ابو عبداللہ آپ اتنے بڑے زاہد ہو کر آئندہ کا اتنا انتظام
کرتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ موت آج یا کل ہی آ جائے۔ انہوں نے جواب دیا جس
طرح تمہیں میری موت کا اندیشہ ہے، میرے جینے کی کیوں امید نہیں؟ اور ابو ذرؓ کے ساتھ بکریاں
اور اونٹنیاں تھیں۔ جب ان کے پاس کوئی مہمان آ جاتا یا نہیں خود بھوک لگتی تو دودھ دوھ لیتے یا ذبح
کر کے گوشت استعمال کرتے۔ ان لوگوں سے بڑھ کر فضل و زہد کس میں ہو گا؟ رسول اللہ ﷺ نے
بھی ان کے لیے مدح ارشاد فرمائے ہیں، لیکن ان میں سے کون تھا جو ملکیت نہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ تم
لوگوں سے چاہتے ہو کہ وہ سب کچھ دے ڈالیں اپنا اور اپنے بچوں کا خیال نہ کریں۔

آپ کے ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ امر حلال پر اکتفا کا نام زہد ہے۔ اس سے تجرد

کا نام حلال نہیں۔ نہ زہد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن طیبات کو حلال کر دیا ہے ان کو حرام کر
دیا جائے اور روح کی سربلندی کے لیے تعذیب جسم کا نام بھی زہد نہیں اور مال و دولت سے یکسر نفور
اور کنارہ کش ہو جانا دین نہیں، کیونکہ مال بھی ایک مستقل قدر رکھتا ہے۔ اس سے دشمن کو دفع کیا جا
سکتا ہے۔ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے، لہٰذا وہ بجائے خود ایک قوت ہے اور عبادات کو بھی
معیشت مطمئنہ سے تقویت ملتی ہے، لہٰذا ہر مومن کو اپنی معیشت کو بہتر بنانے کی کوشش کرنی ضروری
ہے اور اس سے فرار، واجبات اور تکلیفات سے فرار ہے، کیونکہ اگر کسی کی معیشت کمزور ہو گئی وہ
معاشرہ پر بار ہو گا۔ اگر اس کی معیشت اچھی ہو گی وہ امور خیر میں مال خرچ کرنے پر مکلف ہو گا یعنی
اپنے اہل پر، پڑوسیوں پر، عام فقراء پر، رفاہِ عامہ اور جہاد فی سبیل اللہ پر۔

احکامِ فقہیہ سے متعلق آیت قرآنیہ کی تفسیر:

ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ قرآن میں وارد حکمت کے کیا معنی ہیں۔'' ومن
اوتی الحکمت لقد اوتی خیرا کثیراً ''(جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دیا گیا)۔ آپ نے فرمایا۔
یہاں حکمت سے مراد دین کی معرفت و تفقہ ہے۔

ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا گیا۔'' اللہ تعالیٰ نے سود کو کیوں حرام کر دیا؟ آپ نے
فرمایا۔'' تا کہ لوگ تمانع میں آسودہ نہ ہو جائیں۔''

مطلب یہ ہے کہ اگر سود پر قرضے لینے اور دینے لگیں تو تعاونِ باہمی کی روح مفقود ہو
جائے گی، اگر تعاون کی روح مفقود ہو گئی تو لازمی طور پر تمانع پیدا ہو جائے گا، اگر تمانع پیدا ہو گیا تو
یہ نتیجہ ہو گا سود کا، خواہ قرض استہلاک کے لیے ہو یا استغلال کے لیے، کیونکہ سود لینے والا نقصان و
خسارہ میں شریک نہیں ہوتا۔ تو اپنی دی ہوئی رقم پر زیادہ رقم چاہے قرض لینے والے کو فائدہ ہوا ہو یا
نقصان، اگر وہ نفع نقصان میں برابر کا شریک ہے تو اب تمانع نہیں رہا۔ یہ باہم تعاون کی صورت
پیدا ہو گئی۔ پس تعاون اور تعامل بالربا دو ایسی نقیض ہیں جو کبھی مجتمع نہیں ہو سکتے۔

ایک زندیق نے آپؒ سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔'' فانکحوا ما طاب لکم

من النساء مسنی و ثلث و رباع فان خفتم الا تعدلو فواحدۃ "(نکاح کروان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں، دو دو چار چار، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ عدل نہیں کرسکوں گے تو پھر ایک بیوی پر بس کرو) اور آخری صورت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "فلن تستطیعوا ان تعدلو بین النساء ولو حرمتم، فلا تمیلوا کل الیل "(اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیویوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے، لیکن تم ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ)۔ یہ کیا بات ہے؟

آپ نے زندیق کے جواب میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے۔ "اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی پر قناعت کرو۔" تو یہاں عدل سے مراد نفقہ کا عدل ہے اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "تم بیویوں کے مابین عدل نہیں کرسکو گے خواہ کتنی ہی کوشش کرو۔" یہاں عدل سے مراد محبت کا عدل ہے اور یہ کسی کے بس میں نہیں کہ وہ سب بیویوں کو یکساں طور پر چاہ سکے۔

اقوالِ مبارکہ:

...... سعید وہ ہے جو تنہائی میں اپنے کو لوگوں سے بے نیاز اور خدا کی طرف جھکا ہوا پائے۔

...... نیکی کا کمال یہ ہے کہ اس میں جلدی کرو اور کم سمجھو اور چھپا کر کرو۔

...... عمل خیر نیک نیتی سے کرنے کو سعادت کہتے ہیں۔

...... توبہ میں تاخیر نفس کا دھوکا ہے۔

...... دنیا میں لوگ باپ دادا کے ذریعہ سے متعارف ہوئے ہیں۔ آخرت میں اعمال کے ذریعہ سے پہچانے جائینگے۔

...... شیطان کے غلبہ سے بچنے کے لیے لوگوں پر احسان کرو۔

...... جب اپنے بھائی یا کسی دوست کے پاس جاؤ تو صدر مجلس میں بیٹھنے کے علاوہ اس کی اہر نیک خواہش مان لو۔

...... انسان کے بال بچے اسیر ہیں۔ نعمت کی وسعت پر انہیں وسعت دینی چاہیے ورنہ

زوالِ نعمت کا اندیشہ ہے۔

...... مومن وہ ہے جو جادۂ حق سے نہ ہٹے اور خوشی میں باطل کی پیروی نہ کرے۔

...... جو خدا کی دی ہوئی نعمت پر قناعت کریگا متقی رہے گا۔ جو دوسروں کی دولت پر للچائی نظریں ڈالے گا حقیر رہے گا۔

...... جو کسی کو بے پردہ کرنے کی کوشش کریگا وہ خود بھی برہنہ ہو جائے گا۔

...... چغل خوری سے بچو، چونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں عداوت کا بیج بوتی ہے۔

...... مومن اسے کہتے ہیں جو نفس امارہ سے مقابلہ کرے۔ عارف وہ ہے جو اپنے مالک کی اطاعت میں سرگرم رہے اور خدا کے لیے نفسِ امارہ سے جنگ کرتا رہے۔

...... اولیاء اللہ کے دشمن انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ اولیاء کرام کی صحبت ان کے دشمنوں کو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

...... آیت "خص برحمق من یشاء "(میں خاص کرتا ہوں اپنی رحمت جس کو چاہتا ہوں) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا پس غور کرو کہ وسیلے اور اسباب درمیان سے اٹھا دیئے گئے ہیں تا کہ یہ امر معلوم ہو جائے کہ عطاء بالواسطہ ہے یا بلاواسطہ۔

...... پرہیز کرو دروغ گو سے کہ اس کی صحبت دھوکے میں ڈالتی ہے۔

...... پرہیز کرو احمق سے اس لیے کہ وہ اگر کسی کا فائدہ چاہیگا تو وہ اس کی حماقت کی بناء پر نقصان کا سبب بن گا۔

...... پرہیز کرو بخیل سے اس لیے کہ اس کی صحبت میں اچھا وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔

...... پرہیز کرو ڈرپوک سے جو ضرورت کے وقت جدا ہو جاتا ہے۔

...... پرہیز کرو فاسق سے کہ یہ ایک نوالے کے عوض تمہیں چھوڑ دے گا۔

آپ کا شمار صدیقین و ابرار میں:

ائمہ اطہار کے بارے میں لوگوں کے ہمیشہ دو گروہ رہے ہیں۔ ایک عقیدت مندوں کا

غالی گروہ دوسرے مخالفوں کا غالی گروہ، لیکن آپ کی ذات وہ تھی کہ حلقۂ فکر کے علماء و مشاہیر آپ کا احترام کرتے تھے اور آپ سے کسب علم وفیض کرتے تھے۔ امت کا کثیر حصہ آپ کی عقیدت میں سرشار تھا اور آپ کی محبت کا دم بھرتا تھا۔ آپ کی تمام زندگی طلب حق، نشر حق اور تبلیغ میں گزری۔ آپ کے قلب مبارک پر کبھی ریب وشک کا اثر نہ ہوا۔ آپ فعل وعمل میں سیاست کبھی دخیل نہ ہوسکی نہ اس کی فتنہ سامانیاں اثر انداز ہوسکیں، لہٰذا جب آپ نے دنیا سے کنارہ کیا تو سارا عالم اسلام تڑپ اٹھا۔ کوئی ایسا نہ تھا جس نے اس نقصان عظیم کو محسوس نہ کیا ہو۔ آپ کا ذکر گرامی ہر زبان پہ تھا۔ ہر حلقۂ فکر کے لوگ آپ کے غم میں سوگوار تھے۔ کوئی ایسا نہ تھا جو اس حادثۂ اطیہ پر خوش ہوا۔ کوئی ایسا بھی نہ تھا جسے آپ کی عداوت میں غلو کیا ہو، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی آپ کا دشمن تھا ہی نہیں۔ اس لیے آپ نورِ ساطع تھے۔ لوگ آپ کے نور سے مستفید ہوتے تھے۔ بلاشبہ آپ کا شمار صدیقین وابرار میں تھا۔

سیّدنا امام موسےٰ کاظمؒ

نام: موسےٰ۔ کنیت۔ ابوعلی وابوالحسن۔ لقب۔ کاظم

نسب:

موسےٰ بن جعفر الصادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب۔

آپ کی والدہ ماجدہ حمیدہ بربرید بنت صاعد تھیں۔ آپ اندلس کی رہنے والی تھیں اور نہایت نیک، دیانت دار اور صاحب جمال وکمال تھیں۔ آپ کے متعلق حضرت امام باقر نے فرمایا کہ وہ دنیا میں حمیدہ اور آخرت میں محمودہ ہیں۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۷/صفر المظفر ۱۲۸ھ یوم جمعہ بمقام قید خانہ میں ہوئی۔ آپ کا مزار مقدس بقرۂ قریش ''کاظمین'' نواحِ بغداد میں ہے۔

آپ کا لقب کاظم اس لیے پڑا کہ آپ بے حد حلیم اور غصہ کو پی جانے والے تھے۔
آپ بہت عابد وزاہد، متقی، پرہیزگار اور صالح انسان تھے اور تقویٰ کے بلند مقام پر پہنچے ہوئے تھے۔ علوم ظاہر وباطن میں بھی کامل تھے۔ نہایت مترحم، خوش خلق، سخی اور مہمان نواز تھے۔

تعلیم وتربیت:

بیس سال کی عمر تک آپ کی تعلیم وتربیت اپنے والدِ ماجد حضرت امام جعفر الصادق کے زیرسایہ ہوئی۔

علامہ حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ حضرت امام جعفر الصادق کے علم، معرفت، کمال وفضل میں وارث وجانشیں ہیں۔ آپ دنیا کے عابدوں میں بڑے عبادت گزار، اعلم زمانہ (صفات حسنہ سے بھرپور) اور طبعاً سخی تھے۔ ابن طلحہ شافعی بیان کرتے ہیں کہ آپ نہایت عزت وقدر کے امام تھے۔ اجتہاد میں بے نظیر، عبادات وطاعت میں مشہور۔ آپ کا رات اور دن کا بیشتر وقت رکوع وسجود وقیام میں گزرتا۔ آپ کثرت سے روزہ رکھتے اور صدقہ دیتے۔

مسندِ امامت:

آپ اپنے والدِ ماجد حضرت امام جعفر الصادق کی وفات کے بعد منصب علم وہدایت پر فائز ہوئے۔ آپ کو علوم دینی سے حصہٗ وافر عطا ہوا تھا۔ حکمت وموعظت آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ دنیا سے بے رغبتی اور شہرات سے اجتناب کلی تھا۔ آپ کافی عرصہ تک علم وعرفان کے موتی بکھیرتے رہے۔ اسمٰعیلی شیعوں اور امامیہ شیعوں میں آپ کی امامت میں اختلاف ہے۔ اسمٰعیلی گروہ کا عقیدہ ہے کہ امام جعفر الصادق نے امام اسمٰعیل کے لیے وصیت کی تھی، لہٰذا امام اسمٰعیل کی وفات کے بعد امامت ان کے فرزند محمد طرف منتقل ہوگئی، لیکن امامیہ کہتے ہیں کہ اسمٰعیل کی مرد صالح نہ تھے اور اپنے والد حضرت جعفر الصادق کی زندگی میں وفات پا گئے تھے۔ اس لیے امامت آپ کی طرف منتقل ہوگئی۔

آپ کی امامت کے متعلق یہ نزاع واختلاف قائلین وصایت کا اختلاف ہے، لیکن ہم آپ کو امامت علم وہدایت پر فائز سمجھتے ہیں، چونکہ ہمارے نزدیک امامت علم، اجتہاد، ہدایت، پرہیزگاری اور تقویٰ کے بلند مقام پر مبنی ہوتی ہے، اگر ان صفات کے ساتھ نسبت شرف نسبت نبوت ﷺ بھی ہو تو امامت اور بھی بلند ہو جاتی ہے۔ امامت سے ہمارا اشارہ امامت علم وہدایت کی طرف ہے، نہ کہ امامت انتظامی اور شئون مملکت کی طرف۔ امامت علم وہدایت اور امامت سیاست میں کوئی تلازم بھی نہیں۔ یعنی یہ باہم لازم وملزوم نہیں ہیں۔

استفہارات کا برجستہ جواب:

آپ ابھی نوخیز ہی تھے کہ پیچیدہ مسائل اور اشکارات کو ایک عالمِ بے بدل کی طرح حل فرماتے۔ ایک بار امام ابوحنیفہؒ نے کہا صاحبزادے یہ بتاؤ کہ انسان فاعل مختار ہے یا اس کے افعال کا خود فاعل ہے۔ آپ فرمانے لگے۔ ''سنیئے! بندوں کے افعال تین صورتوں سے خالی نہیں، اول ان کے افعال کا فاعل خدا ہے۔ دوم یا صرف بندہ ہے۔ سوم یا دونوں کی شرکت سے افعال واقع ہوتے ہیں، اگر پہلی صورت ہے تو خدا کو بندہ پر عذاب کا حق نہیں، اگر تیسری صورت ہے تو بھی یہ انصاف کے خلاف ہے کہ بندہ کو سزا دی جائے اور اپنے آپ کو بچا لیا جائے، کیونکہ ارتکاب دونوں کی شرکت سے ہوا ہے۔ اب لامحالہ دوسری صورت ہوگی وہ یہ ہے کہ بندہ خود فاعل ہوا اور ارتکاب قبیح پر خدا اسے سزا دے۔''

ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے سامنے سے لوگ گزر رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ کی نماز نہیں ہوئی۔ آپ نے جواب دیا کہ لوگوں کے گزرنے سے ہماری نماز پہ کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ ہمارے اور خدا کے درمیان حائل تو نہیں ہوئے تھے۔ وہ تو رگِ جاں سے بھی قریب ہے۔ (اقرب من حبل الورید)۔

کسی نے دریافت کیا۔ صاحبزادے اگر تمہارے شہر میں کوئی مسافر آئے اور اسے قضائے حاجت کرنی ہو تو وہ کیا کرے اور اس کے لیے کونسی جگہ مناسب ہوگی۔ آپ نے جواب دیا کہ مسافر کو چاہیے کہ مکانوں کی دیواروں کے پیچھے چھپے، ہمسایوں کی نگاہوں سے بچے، نہروں کناروں سے پرہیز کرے، جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہوں ان سے حذر کرے، مکانوں کے صحن سے علیحدہ، شاہراہوں اور راستوں سے الگ، مسجدوں کو چھوڑ کر نہ قبلہ کی طرف منہ کرے نہ پیٹھ، پھر اپنے کپڑوں کو بچا کر جہاں چاہے رفع حاجت کرے۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید نے آپ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ لوگ چھپ چھپ کر آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ ایسی تو کوئی بات نہیں، البتہ ہم دلوں کے

امام ہیں، آپ جسموں کے۔

ایک بار ہارون رشید نے کہا۔ آپ کس دلیل سے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی ذریّت کہتے ہو، حالانکہ ہر شخص اپنے دادا سے منتسب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے۔ ''ومن ذریتہ داؤد و سلیمان و ایوب و ذکریا و یحییٰ و عیسیٰ'' ظاہر ہے حضرت عیسیٰ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے تو جس طرح وہ محض اپنی والدہ کی نسبت سے ذریّت میں ملحق ہیں اسی طرح ہم بھی اپنی مادر گرامی سیدہ فاطمہ زہرہؓ سے جناب رسولِ خدا ﷺ کے ذریّت ٹھہرے۔ علاوہ ازیں جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو مباہلہ کے وقت پیغمبر خدا ﷺ سواء علیؑ وفاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کے کس کو ساتھ نہیں لیا اور بھجوائے۔ ''ابناءنا'' حضرت حسن وحسین آپ کے بیٹے قرار پائے۔

آپ جب ایک مرتبہ کسی امر کے متعلق جو رائے قائم کر لیتے تھے۔ ہمیشہ اسی پر قائم رہتے تھے۔ بات کو بڑی صراحت اور وضاحت سے بیان کرتے تھے۔ آپ کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔

ایک شیخ نے آپ سے نصیحت کے لیے کہا۔ آپ نے فرمایا۔ میرے والد نے فرمایا تھا کہ تین طرح کے اشخاص سے ہمیشہ ہمدردی کا سلوک کرنا:

...... وہ شخص جو پہلے مالدار ہو اور گردشِ زمانہ سے فقیر ومفلس ہو جائے۔

...... وہ شخص جس کا شمار پہلے معزز لوگوں میں ہوتا تھا پھر زمانہ کے الٹ پھیر سے وہ ذلت و رسوائی کا شکار ہو جائے۔

...... وہ عالم جس کے ساتھ جاہل تمسخر کریں۔

اخلاق واوصاف:

بعض افراد میں بعض صفات اتنے ممتاز نظر آتے ہیں کہ سب سے پہلے ان پر نظر پڑتی ہے، چنانچہ آپ میں تحمل وبرداشت اور غصہ کے ضبط کرنے کی صفت اتنی نمایاں تھی کہ آپ کا لقب کاظم قرار پایا۔ آپ کو کسی نے ترشروئی سے اور سختی کے ساتھ بات کرتے نہیں دیکھا۔ انتہائی ناگوار حالات میں بھی مسکراتے رہتے۔

مدینہ کے ایک عالم سے آپ کو سخت تکلیفیں پہنچیں۔ یہاں تک کہ وہ سیدنا علیؑ کی شان میں بھی نازیبا الفاظ استعمال کیا کرتا تھا، مگر آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا، بلکہ اپنے اصحاب کو بھی ہمیشہ اس کے جواب دینے سے روکتے رہے۔ جب آپ کے اصحاب میں ضبط کی تاب نہ رہی تو وہ اس گستاخ اور زبان ودراز عالم سے انتقام لینے کو تیار ہوگئے۔ جب آپ کو اس طرح کی صورت حال کا علم ہوا تو آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ تم اس سلسلہ میں کوئی اقدام نہ کرو، بلکہ میں خود اس کا تدارک کروں گا۔ اس طرح ان کے جذبات میں سکون پیدا کرنے کے بعد آپ خود اس عالم سے ملے اور اسے کچھ اس مؤثر انداز میں سمجھایا کہ وہ اپنی حرکتوں پر سخت شرمندہ ہوا اور اس نے اپنا طرزِ عمل بدل دیا۔

ایک شخص نے آپ کو بہت دکھ پہنچایا۔ آپ نے بجائے اس کے کہ اس کو سرزنش کرتے اسے روپے رکھنے کی ایک تھیلی بھیجی۔ آپ اکثر ایسی تھیلیاں بنا بنا کر مدینہ کے لوگوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔

سخاوت وفیاضی:

آپ نہایت التزام سے غربائے مدینہ کی مدد فرماتے تھے۔ فقراء کی ہر طرح خبر گیری کرتے۔ اکثر آپ فقیروں کو تلاش کیا کرتے۔ مسافروں کو اپنے ہاں ٹھہراتے، ان کی تواضع کرتے، رخصت کے وقت کچھ رقم بھی انہیں زادِ راہ کے طور پر دیتے۔ اکثر فقراء کو تلاش کیا کرتے۔ شہر میں کوئی مستحقین کا مستقل طور پر آزوقہ چلایا کرتے تھے۔

عبادت:

آپ کو کثرت عبادت اور شب زندہ داری کے باعث لوگ عبدِ صالح کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ آپ کثرت سے عبادت وریاضت فرمایا کرتے تھے اور اطاعتِ خدا میں اس درجہ شدت برداشت کیا کرتے تھے جس کی حد نہ تھی۔ ایک مرتبہ آپ

مسجدِ نبوی ﷺ میں رات کے ابتدائی حصہ میں آئے اور نوافل ادا کرنے لگے۔ ایک بار جب سجدہ
میں گئے تو یہ دعا پڑھنے لگے۔ ''اے اللہ میرے گناہ بہت زیادہ ہو گئے ہیں، اے گناہوں کے بخشنے
والے مجھ سے درگزر فرما۔'' ساری رات گزر گئی، مگر آپ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا اور برابر اسی دعا کا
ورد کرتے رہے۔

عقوبت و عزیمت:

آپ کے پاس مختلف دیار و امصار کے لوگ آتے تھے۔ کوئی علم سیکھنے، کچھ اپنے
شبہات کے ازالہ کے لیے، بعض زیارت کے لیے، لیکن یہی مرجعیت آپ کے لیے مصیبت بن
گئی۔ خلیفہ مہدی عباس کو شبہ ہو گیا کہ کہیں آپ بغاوت کا منصوبہ نہ بناتے ہوں۔ اپنے اس غلط
وہم اور خطرہ کے پیش نظر اس نے آپ کو قید کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب اس کا وہم دور ہو گیا تو
آپ کو رہا کر دیا۔ پھر جب ہارون رشید کا دور آیا تو اس کا برتاؤ آپ سے نامناسب ہوتا گیا حتی کہ
اس نے بصرہ کے حاکم عیسےٰ بن موسےٰ کو جو اپنی خدا ترسی، عدل و انصاف اور فیاضی کے باعث
مشہور تھا، آپ کو نظر بند کرنے کا حکم دیا۔ حاکم (گورنر) کو آپ کی بے گناہی کا یقین تھا، لیکن وہ
خلیفہ کے حکم سے مجبور تھا۔ جب آپ کو نظر بندی کی سختیاں برداشت کرتے ہوئے ایک سال ہو گیا
اور آپ نے ذرا سا احتجاج بھی نہ کیا تو عیسےٰ بن موسےٰ نے خلیفہ ہارون رشید کو لکھا کہ ایک سال
گزر گیا ہے، مگر کسی بدخواہ کی زبان سے یہ نہیں ہو سکا کہ موسےٰ کاظم نے آپ کے یا میرے خلاف
نفریں، ملامت یا شکایت کا کوئی کلمہ کہا ہو۔ وہ رات دن ذکر الٰہی میں بسر کرتے ہیں اور اللہ کی
عبادت کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ انہیں نظر بند رکھنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ اب میں انہیں اور
تکلیف پہنچا کر زیادہ گناہوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ خدا اور رسول ﷺ کے سامنے مجھے اور رسوا نہ
کریں، جتنا ہو چکا ہوں اتنا ہی بہت، اب مجھ سے سختی نہ کروائیں اور ان کی رہائی کا حکم صادر
فرمائیں ورنہ میں مجبور ہونگا کہ خود ہی ان کو رہا کر دوں۔

خلیفہ ہارون رشید کو جب اپنے حاکم بصرہ عیسےٰ بن موسےٰ کا عریضہ ملا تو اس نے آپ

کو فضل بن ربیع کے سپرد کر دینے کا حکم دیا۔ عیسےٰ بن موسےٰ کو خلیفہ کے اس حکم کا بہت افسوس ہوا،
لیکن اس کے اطمینان کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ آپ کو نظر بند رکھنے کے گناہ سے بچ گیا۔ خلیفہ رشید
نے فضل بن ربیع کی آپ سے ہمدردی کے رجحان کو دیکھ کر ابن شاہک سندھی کی حراست میں
دیدیا۔ یہ شخص بہت ہی بے رحم، سخت دل تھا اور آپ کو بہت تنگ رکھتا تھا۔ چنانچہ آپ کا حالتِ نظر
بندی یا قید میں ہی انتقال ہو گیا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشد نے آپ کو خفیہ طریق پر
قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں انہیں قتل کر دیا۔

ازواج و اولاد:

ام البنین (نجمہ، شمانہ) والدہ ماجدہ امام علی رضا کے علاوہ آپ کی اور بیویاں بھی تھیں،
چنانچہ مختلف بیویوں سے آپ کے ۱۹ فرزند اور ۱۸ دختران تھیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

فرزند: علی رضا۔ ابراہیم۔ عباس۔ قاسم۔ اسمٰعیل۔ جعفر۔ ہارون۔ حسن۔ احمد۔ محمد۔ حمزہ۔
عبداللہ۔ اسحٰق۔ عبیداللہ۔ زید۔ حسین۔ فضل اور سلیمان۔

دختران: فاطمہ کبرا۔ فاطمہ صغرا۔ رقیہ۔ حلیمہ۔ رقیہ صغرا۔ کلثوم۔ ام جعفر۔ لبابہ۔ زینب۔ خدیجہ۔
علیہ۔ آمنہ۔ حسنہ۔ ابیہا۔ میمونہ۔ ام سلمہ اور ام اسماء۔

آپ کی نسل امام علی رضا سے چلی۔

سیّدنا امام علی رضاؓ

نام:

علی۔کنیت۔ابوالحسن۔لقب۔رضا

نسب:

علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد باقر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم۔
آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ام البنین عرف نجمہ تھا۔آپ اشراف عجم کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔حسن و جمال وتقوا میں اپنی نظیر آپ تھیں۔علی بن میثم فرماتے ہیں کہ حضرت حمید بربریہ کو حضور رسول کریم ﷺ نے خوب میں حکم دیا تھا کہ نجمہ کا نکاح موسیٰ کاظم سے کردو۔اس سے ایک ایسا فرزند پیدا ہوگا جو اہل زمین کے لیے بزرگ نہ ہوگا۔

ولادت:

۱۱رذی قعدہ ۱۵۳ھ بروز پنجشنبہ مدینہ منورہ میں ہوئی۔

وفات:

۲۳رذی قعدہ ۲۰۳ھ بروز جمعہ طوس میں ہوئی۔
آپ علم وفضل اور کردار کے لحاظ سے نہایت بلند تھے، زہد واتقاء میں آپ کا ایک خاص مقام تھا۔تمام ممالک اسلامیہ سے لوگ آپ کی زیارت کے لیے آتے رہے تھے۔

علمی مرتبہ:

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ آپ امام جلیل اور عالم عظیم المرتبت تھے۔علامہ محمد بن طلحہ شافعی فرماتے ہیں کہ آپ آئمہ بیت سے تیسرے علی ہیں۔آپ کا ایمان حد سے بڑھا ہوا، آپ کی شان بلند آپ کا قصرِ فضیلت بلند، آپ امکانات کرم وسیع اور آپ کے برہان شرفِ علم و امامت روشن تھے۔اسی وجہ سے خلیفہ ماموں رشید عباسی نے آپ کو اپنے دل میں جگہ دی، اپنی حکومت میں شریک قرار دیا، ولی عہد حکومت بنایا اپنی بہن ام حبیب سے آپ کا عقد کیا۔مولانا عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں کہ آپ کی باتیں پر از حکمت، آپ کا عمل درست آپ کا کردار محفوظ عن الخطاء تھا۔ابن صالح فرماتے ہے کہ جب علماء کسی مسئلہ میں عاجز رہتے تو آپ سے رجوع کرتے۔آپ سے بڑا عالم میری نظر سے نہیں گزرا اور مجھ پر ہی موقوف نہیں جو شخص بھی آپ سے ملے گا میری طرح آپ کے علم وفضل کی شہادت دے گا۔

تعلیم وتربیت:

آپ کی نشوونما، تربیت اور تعلیم اپنے جلیل القدر والدِ ماجد سیدنا امام موسیٰ کاظم کے زیر سایہ ہوئی اور اس مقدس ماحول میں آپ نے عمر کی پچیس منزلیں طے کیں۔آپ ابھی نوخیز ہی تھے کہ لوگ آپ کو عالم آلِ محمد ﷺ کہنے لگے۔اتفاق حسنہ سے آپ کو علم وفضل کے اظہار کے زیاد مواقع میسر آئے۔خلیفہ ماموں رشید خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ عالم فقہ تھا۔اس کے دربار میں بڑے بڑے علماء وفضلا موجود رہتے تھے اور مباحثوں اور مناظروں کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اس بحث ومذاکرات میں آپ کو بھی حصہ لینا پڑتا تھا۔

عادات، اخلاق وفضائل:

آپ ہر شخص سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے اور شیریں اور نرم لہجہ میں گفتگو فرماتے۔کبھی کسی کی بات کو قطع نہ فرماتے جب بات کرنے والا بات ختم کر لیتا تب اپنی طرف سے آغاز

کلام فرماتے۔ کسی کی حاجت روائی اور کام نکالنے میں حتہ المقدور دریغ نہ فرماتے۔ اپنے ہم نشین کے سامنے پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے، نہ اہل محفل کے روبرو تکیہ لگا کر بیٹھتے۔ اپنے خدام کو کبھی سخت سست نہ کہا کبھی سختی نہ کی۔ کبھی قہقہ نہ لگاتے خندہ زنی کے موقع میں محض تبسم فرماتے۔ طبیعت میں خاکساری اور سادگی اس قدر تھی کہ کھانا تناول فرماتے وقت اپنے دربان اور سائیس کو اپنے ساتھ بٹھالیتے۔ کثرت سے خیرات کرتے۔ غربا کے گھروں میں رات کو سامان خوردنوش دے کر آتے۔ موسم گرما میں بوائے پر بیٹھتے اور موسم سرما میں اسی بوائے پر کمبل بچھالیتے۔ گھر میں نہایت سادہ لباس پہنتے اور گھر سے باہر ذرا اچھا لباس پہن کر نکلتے۔ آپ کا یہ ہی طرز عمل اس وقت بھی رہا جب آپ ولی عہد حکومت تھے۔ ایک بار آپ حمام میں گئے تو ایک شخص ابھی غسل کرنے والا تھا اس نے آپ کو دیکھ کر کہا ذرا میرے جسم پر پانی تو ڈالنا آپ اس پر پانی ڈالتے رہے۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا جب اس نے آپ کو پانی ڈالتا دیکھا تو اس نے کہا "اے جندی تجھے علم نہیں کہ تو فرزند رسول ﷺ سے خدمت لے رہا ہے۔ ارے یہ امام رضا ہیں۔ یہ سننا تھا کہ وہ آپ کے قدموں میں گر گیا اور معافی مانگنے لگا۔ ایک دفعہ جب آپ سفر میں تھے ایک مقام پر ٹھہرے اور دستر خوان بچھانے کے لیے کہا اور اپنے ساتھ حبشی غلاموں اور سائیسوں کو بھی ساتھ بٹھا لیا ایک شخص نے کراہت محسوس کرتے ہوئے آپ سے عرض کیا "حضرت انہیں اگر علیحدہ بٹھائیں تو مناسب رہے گا۔" آپ نے فرمایا "سب کا خدا ایک ہے اور ماں باپ (آدمؑ وحوا) بھی ایک ہیں۔ جزاو سزا اعمال پر موقوف ہے تو پھر تفرقہ کیسا۔

آپ مزدور سے مزدوری پہلے طے کرلیا کرتے تھے اور مزدور کی مزدوری بعجلت ادا کر دیا کرتے اور اسے طے شدہ مزدوری سے کچھ زیادہ دے دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مزدور کی مزدوری پہلے طے کرنا چاہیے، کیونکہ چکائی ہوئی اجرت کے بعد جو کچھ دیا جائے گا، پانے والا اس کو انعام سمجھے گا۔

ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ آپ اپنی حیثیت کے مطابق مال دنیا میں سے کچھ

دیجیے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ مشکل ہے۔ پھر اس نے عرض کیا۔ اچھا میری حیثیت کے مطابق مجھے کچھ عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں یہ ممکن ہے، چنانچہ آپ نے اسے دو صد اشرفیاں عطا فرمائیں۔

آپ کے خادم یاسر کا بیان ہے کہ ایک بار ہم پھل کھا رہے تھے اور کھانے میں ایسا بھی کرتے کہ ناپسندیدہ پھل پھینک دیتے۔ کبھی آدھا کھاتے اور آدھا پھینک دیتے۔ ہمارے اس عمل کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ نعمت خداوندی کو ضائع نہ کرو، ٹھیک سے کھاؤ، جو بچ جائے اسے کسی محتاج کو دے دو۔

ایک بار آپ نے گھر کا تمام اثاثہ اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا۔ یہ دیکھ کر سہل بن فضل نے کہا۔ حضرت یہ تو عزامت ہے (یعنی اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے)۔ آپ نے فرمایا۔ عزامت نہیں غنیمت ہے۔ میں اس کے عوض اپنے اللہ سے نیکی اور حسنہ لوں گا۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بزرگی تقویٰ سے ہے جو مجھ سے زیادہ متقی ہے وہ مجھ سے بہتر ہے۔

ایک شخص نے آپ کی موجودگی میں کہا۔ "خدا کی قسم آباء واجداد کے اعتبار سے کوئی شخص آپ سے افضل نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا نہ کہو۔ میرے آباء واجداد کو جو شرف حاصل ہوا ہے وہ صرف تقویٰ، پرہیزگاری اور اطاعت خداوندی کا ثمرہ ہے۔

عبادات:

آپ صوم وصلوٰۃ نہایت التزام سے ادا کرتے۔ رات کو بہت کم سوتے۔ اکثر شب بیداری کرتے۔ جب بستر پر لیٹتے تا بخواب قرآن مجید کے سورے پڑھا کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر ماہ میں تین روزے رکھ لینا ایسا ہے جیسے کوئی ہمیشہ روزے رکھے۔

روشن ضمیری:

حضرت احمد کوفی فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ کوفہ سے خراسان چلا تو میری لڑکی نے مجھے

ایک حُلہ دیا کہ اسے فروخت کر کے میرے لیے ایک اچھا سا فیروزہ خرید لائیں۔ میں جب مرو پہنچ
کر ایک سرائے میں ٹھہر گیا اس وقت امام علی رضا بھی مرو میں مقیم تھے۔ میں جس دن مرو پہنچا تو اس
دن ان کا ایک غلام فوت ہوا تھا۔ انہوں نے اس کے لیے ایک شخص کو حُلہ خریدنے کے لیے بازار
بھیجا، مگر بازار میں حُلہ نہ ملا تو انہوں نے اس شخص کو ایک فیروزہ دے کر حُلہ خریدنے کے لیے
میرے پاس سرائے میں بھیجا۔ وہ آدمی میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ مجھے آپ کے پاس امام
صاحب نے بھیجا ہے اور یہ فیروزہ دیا ہے کہ آپ اس کے عوض ایک حُلہ دیدیں، ہمیں ضرورت
ہے۔ میں یہ سن کر حیران ہوا اور آپ کی روشن ضمیری کا قائل ہو گیا اور میں نے وہ حُلہ ان کے آدمی
کو دے دیا۔ مجھے چند مسائل میں الجھن تھی۔ میں نے سوچا کہ درِ امام پر کیوں نہ حاضری دوں او
ران کی زیارت سے مشرف ہوں اور یہ پیچیدہ مسائل بھی ان سے سمجھ لوں۔ چنانچہ میں آپ کی
خدمت میں پہنچا تو نہایت عزت اور اخلاق سے پیش آئے اور مجھ سے خود بخود ایسا کلام کرتے
رہے جو میری الجھنوں کو دور کرنے کے لیے کافی تھا۔

ولی عہدی:

خلیفہ مامون رشید آپ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ سے بے حد متاثر تھا اور آپ کا بے حد
احترام کرتا تھا۔ اس نے اپنی بہن اُم حبیبہ کا نکاح آپ سے کر دیا اور ساتھ ہی اپنے بھائی مؤتمن کو
اپنی ولی عہدی سے خارج کر کے آپ کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ بھی کر لیا اور اپنے اس فیصلہ سے
اپنے وزیر سہل بن فضل کو بھی مطلع کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ کل جا کر آپ کو مرو سے لے آئے۔ وہ یہ
سن کر خاموش رہا اور بارگاہ خلافت سے واپس آ کر اپنے بھائی حسن بن سہل اور دوسرے اراکین
حکومت سے مشورہ اور تبادلۂ خیالات کرنے کے بعد بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر خلیفہ مامون
سے عرض کیا۔ آپ ابھی ایسا اقدام نہ فرمائیں۔ یہ بات بنو عباس برداشت نہ کرینگے اور ممکن ہے
کہ عظیم فتنہ برپا ہو جائے اور خلافت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آلِ عباس سے نکل جائے۔ خلیفہ مامون
نے جواب دیا کہ میں نے سب کچھ اچھی طرح سے سوچ لیا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں جب میرا اور

امین کا مقابلہ تھا اور عین اس وقت سیستان اور عمروان میں بغاوت ہو گئی تھی اور خراسان میں حالات
بگڑ رہے تھے۔ میری حالت بھی ابتر تھی اور فوج کی طرف سے بھی میں مطمئن نہ تھا۔ اس وقت میں
نے اپنے اللہ سے التجا اور وعدہ کیا تھا کہ اگر میں کامیاب ہو گیا اور یہ سب جھگڑے ختم ہو گئے اور
میں خلافت تک پہنچ گیا تو خلافت کو اس کے اصل حقدار اور امام علی رضا تک پہنچا دوں گا۔ اس کے
بعد میرے سب کام سنور نے لگے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے دشمنوں پر فتح دی۔ اب تم میرے اور علی
رضا کے درمیان حائل ہونے کی کوشش نہ کرو۔

جب آپ مرو تشریف لائے تو مامون رشید نے قبول خلافت کی پیشکش کی۔ آپ نے
انکار کر دیا۔ مامون نے اصرار کیا، لیکن آپ یہ پیشکش قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ آخر
مامون نے ولی عہدی کی پیشکش کی۔ آپ نے اس سے بھی انکار کیا، لیکن جب خلیفہ مامون کا
اصرار جبر کی حد تک پہنچ گیا تو آپ نے چند شرائط کے ساتھ یہ پیشکش قبول فرمالی، چنانچہ ۲۰۱ھ ۲۷ر
رمضان المبارک بروز پنجشنبہ آپ کو ولی عہد مقرر کیا اور تمام اعیان مملکت سے آپ کی بیعت لی
گئی۔ سب سے پہلے خلیفہ مامون کے فرزند عباس نے آپ سے بیعت کی۔ اس کے بعد وزراء
اراکین دربار نے بیعت کی۔ ان کے بعد بیعت عامہ ہوئی۔ خطبۂ جمعہ میں آپ کا نام شامل کرنے
کا حکم دیا گیا۔ اس عہد کے سکوں (درہموں اور دیناروں) پر بھی آپ کے نام کی مہر لگا دی گئی۔
جس کی عبارت یہ تھی......"ملک اللہ والدین المامون امیر و خلیفۃ المومنین الرضا امام
المسلمین"......سیاہ لباس اور پرچموں کو ترک کر کے جو عباسیوں کا شعار تھا سبز رنگ اختیار
کرنے کا حکم دیا۔ سونے چاند کے سکے بطور صدقہ غرباء میں تقسیم کیے۔ تمام اراکین سلطنت اور
ملازمین کو انعام واکرام سے نوازا۔

آپ ایک ایسی عظیم الشان سلطنت جس کی وسعت عرب، عراق، عجم، ترکستان، شام
اور افریقہ تک محیط تھی، ولی عہد بن گئے تھے، لیکن آپ کی فقر و سادگی میں فرق نہ آیا، نہ لباسِ شاہانہ
زیبِ جسم کیا، نہ طعام شاہانہ دستر خوان پر آنے دیا، آپ کی دولت سراء میں نہ قالین تھے نہ دیباء

حریر کے پردے۔ آپ نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے زہد و ترک دنیا کے مظاہر اتنے ہی نمایاں کر دیئے جس قدر تزک و احتشام کے دنیاوی تقاضے زیادہ تھے۔

آلِ عباس کا اظہار ناراضی اور غیض و غضب:

آپ کی ولی عہدی کے تقرر سے عباسیوں کو بہت تشویش ہوئی۔ انہوں نے نہ صرف خلیفہ مامون سے اپنی ناراضی اور غم و غصہ کا اظہار کیا، بلکہ سازشیں اور خروج کی تیاریاں بھی شروع کر دیں۔ بالآخر ایک دن خلیفہ مامون رشید کی بیعت فسخ کر کے ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر لی۔ مامون مجبوراً اس بغاوت کو کچلنے کے لیے بغداد روانہ ہو گیا۔ مامون ابھی دوسری منزل تک پہنچا تھا کہ اسے یہ وحشت ناک خبر ملی کہ امام رضا اپنی خواب گاہ میں مردہ پائے گئے اور وزیر فضل بن سہل غسل خانہ میں مقتول ملے۔ لوگوں کو یقین تھا کہ آپ اور فضل بن سہل کو عباسیوں نے اپنے آدمیوں کے ذریعہ قتل کروایا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ عباسیوں نے فضل بن ربیع کے ذریعہ آپ کو زہر دلوائی اور فضل بن سہل کو قتل کروادیا۔ بہر کیف قاتل گرفتار ہو گئے اور انہیں قتل کروادیا۔ بعض مؤرخ آپ کے اور فضل بن سہل کے قتل کا الزام مامون رشید پر لگاتے ہیں، مگر یہ روایت از سرتاپا غلط ہے۔ مامون رشید کی آپ سے عقیدت و محبت اور اس نازک رشتہ داری کے پیش نظر طبیعت مامون کے خلاف یہ الزام قبول نہیں کرتی، اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو مامون آپ کے فرزند امام محمد تقی کی اس قدر عزت و امداد نہ کرتا اور نہ اپنی محبوب دختر اُمّ الفضل کا آپ کے صاحبزادے سے نکاح کرتا۔ اس نے اپنی دختر اُمّ الفضل کا امام تقی سے نکاح پڑھاتے ہوئے کہا کہ میری بے حد تمنا ہے کہ میں ایسے بچے کا نانا ہوں جس کا سلسلہ نسب رسول اکرم ﷺ اور سیدنا علی بن ابی طالب سے جا کر ملے۔ اس کے علاوہ مامون اپنی تمام زندگی میں آپ کے اہل بیعت پہ خاص نظر عنایت رکھتا رہا اور ہمیشہ آلِ علی سے عزت و احترام سے پیش آتا رہا۔ اس کے علاوہ مامون نے فضل بن سہل کے بھائی حسن بن سہل کی دختر سے اپنی شادی کی اور اس موقع پر زبردست جشن کا اہتمام کیا اور فضل کے تمام خاندان کو انعام و اکرام سے نوازا۔ پھر فضل بن سہل خاندان کے کسی فرد نے کبھی بھی مامون کی نیت پر ایسا شبہ نہیں کیا۔

آپ اور خلیفہ ہارون رشید:

ایک مرتبہ کسی برخودہ حاکم نے خلیفہ ہارون رشید سے آپ کے متعلق کہا کہ اب تو علی رضا بھی اپنے باپ کی طرح امر امامت کا اعلان کر رہے ہیں اور اپنے کو برملا امام زمانہ بتاتے ہیں۔ یہ سن کر خلیفہ نے جواب دیا کہ ایک بے رحم انسان ہم جو ان کے ساتھ کر چکے ہیں کیا وہ کم ہے؟ اب تو چاہتا ہے کہ ہم سب کو قتل کر دیں۔ چلے جاؤ میں ایسا نہیں کروں گا۔

ازواج و اولاد:

...... آپ کی پہلی شادی اُمّ حبیبہ دختر خلیفہ ہارون رشید عباس سے ہوئی۔

...... دوسری شادی ریحانہ سے ہوئی یہ خاتون اُمّ المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کے خاندان سے تھی۔

سیّدنا امام محمد تقیؒ

نام:

محمد۔ کنیت ابوجعفر۔ لقب۔ تقی وجواد۔

نسب:

محمد بن علی بن موسےٰ بن جعفر بن باقر بن محمد علی بن حسین بن علی بن ابی طالب۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام خیزران اور ریحانہ تھا۔ آپ اُم المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کے خاندان سے تھیں۔

ولادت:

بروز جمعہ ۱۰رجب ۱۹۰ھ بعہد خلیفہ مامون رشید مدینہ منورہ میں ہوئی۔

وفات:

یوم سہ شنبہ ۲۰رذی قعدہ ۲۲۰ھ قید خانہ بغداد میں ہوئی۔

آپ نے خلیفہ مامون رشید اور خلیفہ معتصم کے عہد میں اپنی تمام عمر کا حصہ گزارا۔

آپ علم وفضل، ادب وحکمت میں یکتائے زمانہ تھے۔ نہایت عابد وزاہد اور متقی تھے۔

آپ کا زیادہ وقت تدریس وتلاوت قرآن وحدیث میں گزرتا۔ آپ کی تعلیمی زندگی کے متعلق کچھ تفصیل نہیں ملتی۔ ایک تو آپ نے بہت کم عمر پائی۔ دوسرے آپ نے اپنی زندگی ایک جگہ نہیں

گزاری۔ آپؒ کی زندگی کا کچھ عرصہ مدینہ میں گزرا اور کچھ بغداد میں۔

نشوونما، تربیت اور تعلیم:

آپ کو اپنے والدِ ماجد امام علی رضا کی محبت، شفقت اور تربیت کے سایہ میں زندگی گزارنے کا پوری طرح موقع نہ مل سکا۔ ابھی آپ پانچ چھ سال کے تھے کہ آپ کے والدِ ماجد کو خلیفہ رشید نے مرو (خراسان) بلالیا۔ اس وقت سے جو آپ اپنے باپ سے جدا ہوئے تو پھر شاید باپ کی زندگی میں ملاقات نہ ہو سکی۔ حضرت علی رضا کو وفات کے بعد جب آپ کی عمر بمشکل آٹھ نو برس تھی، خلفیہ مامون رشید نے آپ اور آپ کی والدہ کو بغداد بلالیا اور آپ کی رہائش واخراجات کا صرف خاص سے بندوبست کردیا، چنانچہ آپ کی پوری نشوونما اور تعلیم بغداد میں ہوئی۔

بچپن کا ایک واقعہ:

آپ ایک دن شہر کی کسی شاہراہ پر اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ اتفاقاً اس وقت اس شاہراہ سے خلیفہ مامون رشید گھوڑے پر سوار گزرے۔ انہیں دیکھ کر تمام لڑکے اِدھر اُدھر بھاگ گئے، لیکن آپ اپنی جگہ اطمینان سے کھڑے رہے۔ مامون رشید نے آپ کے پاس پہنچ کر گھوڑا روک لیا اور کہا۔ ''ایک لڑکے تم دوسرے لڑکوں کی طرح کیوں نہیں بھاگتے؟'' آپ نے برجستہ جواب دیا۔ ''امیر المومنین راستہ کافی کشادہ ہے اور میں ایسی جگہ کھڑا تھا کہ میری وجہ سے راہ میں کوئی رکاوٹ واقع نہ تھی۔ دوسرے میں نے کوئی قصور بھی نہیں کیا تھا اور آپ کی طرف سے مجھے یقین ہے کہ آپ بلاقصور کسی کو تکلیف نہیں دیتے۔'' مامون رشید آپ کی اس بے جھجک اور برجستہ گفتگو سے اور بھولی بھالی صورت سے بہت متاثر ہوا اور کہا۔ ''بچے تمہارا نام کیا ہے؟'' آپ نے جواب دیا۔ ''محمد'' خلیفہ نے پھر دریافت کیا۔ ''کس کے لڑکے ہو؟'' آپ نے جواب دیا۔ ''امام علی رضا کا فرزند ہوں۔'' یہ سن کر مامون گھوڑے سے اترا اور آپ کو پیار کیا اور کہا۔ بیٹے جب کوئی ضرورت ہو تو بلا تکلف قصر خلافت میں آکر مجھے بتادیا کرو اور مجھے اپنی حالت سے باخبر رکھو اور کبھی

مجھ سے مل جایا کرو۔ قصر میں تمہارے داخلہ پر کوئی پابند نہیں۔

خلیفہ کا اپنی دختر اُمّ الفضل سے آپ کے عقد کا ارادہ:

آپ جب جوان ہو گئے تو آپ کے علم و فضل اور ادب و حکم کے چرچے ہونے لگے اور آپ کی قدر و منزلت آپ کے آباء و اجداد کی طرح ہونے لگی۔ مختلف دیار و امصار سے لوگ آپ کی ملاقات کے لیے حاضر ہونے لگے۔ اسی دوران میں خلیفہ ہارون رشید نے اپنی دختر اُمّ الفضل کا آپ سے عقد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ خلیفہ کے اس ارادہ سے عباسیوں کو نہایت تشویش ہوئی اور انہوں نے خلیفہ سے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور صاف صاف کہا کہ آپ نے اس سے بیشتر جب اپنی بہن اُمّ حبیبہ کا علی رضا سے عقد کیا تھا تو ہمیں قطعی پسند نہ تھا، مگر خیر وہ کم از کم اپنی عمر اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے قابلِ عزت بھی تھے، مگر یہ محمد تو بالکل نوعمر ہیں اور علم و فضل کے لحاظ سے بھی کسی خاص مقام پر فائز نہیں۔ ان کو صاحبِ کمال اور معزز عباسیوں پر ترجیح دینا اور ان کی اس قدر قدر و منزلت کرنا مناسب نہیں۔ خلیفہ مامون نے ان کی تمام گفتگو نہایت اطمینان سے سن کر جواب دیا کہ محمد نوخیز تو ضرور ہیں، لیکن میں نے خوب اندازہ کر لیا ہے کہ وہ بہت نیک اور عقیل ہیں اور اوصاف و کمالات میں بھی اپنے جلیل القدر باپ کے صحیح جانشین ہیں اور اس کم عمری میں بھی علم و فضل کے لحاظ سے بڑے بڑے علماء سے اگر زیادہ نہیں تو کچھ کم بھی نہیں۔

امتحانِ علم:

اگرچہ مامون رشید جیسے صاحب علم و فضل خلیفہ کی آپ کے علم و فضل کے متعلق شہادت عباسیوں کے لیے کافی ہو سکتی تھی، لیکن بنو عباس اور چند ارا کین سلطنت آپ کو امتحان کی آزمائش میں ڈالنے کا موقع تلاش کرتے رہے۔ ایک دن ایک بڑے عالم اور فقیہ یحییٰ اکثم نے آپ کی موجودگی میں امیر المومنین مامون رشید سے عرض کیا کہ کیا مجھے ابوجعفر سے ایک مسئلہ دریافت کرنے کی اجازت ہے۔ خلیفہ نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ''یحییٰ کیا کہتے ہیں۔'' آپ نے

جواب دیا۔ ''جو پوچھنا چاہتے ہوں پوچھ سکتے ہیں۔''

یحییٰ بن اکثم نے دریافت کیا۔ ''حالت احرام میں اگر کوئی شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟'' آپ نے فرمایا۔ ''آپ کا سوال مبہم اور مجمل ہے، یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شکار ''حل'' میں تھا یا ''حرم'' میں تھا، شکار کرنے والا واقف تھا یا ناواقف، اس نے عمداً اس جانور کو مار ڈالا تھا یا سہواً غلطی سے مر گیا۔ وہ شخص آزاد تھا یا غلام، کمسن تھا یا بالغ، پہلی مرتبہ ایسا کیا تھا یا اس سے پہلے بھی ایسا کر چکا تھا، شکار پرندہ کا تھا یا کوئی اور، بڑا تھا یا چھوٹا، وہ اپنے فعل پر اصرار رکھتا ہے یا پشیمان، رات کو پوشیدہ طور پر شکار کیا یا دن کے وقت اور اعلانیہ ﷺ احرام عمرہ کا تھا یا حج کا...... جب تک یہ تفصیلات نہیں بتائی جاتیں اس مسئلہ کا کوئی معین حکم نہیں بتایا جا سکتا۔

یحییٰ بن اکثم آخر عالم و فقیہ تھے۔ آپ کے جواب سے حیران اور پریشان ہو گئے۔ انہوں نے تو آپ کو ایک سطحی علم کا نوجوان سمجھ کر سوال کیا تھا۔ جب آپ نے جواب دیا تو انہیں آپ کے علم کی گہرائیوں کا علم ہوا۔ وہ آپ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ کافی دیر تک سوچنے کے بعد کہا کہ آپ ہی ان تمام رشتوں کے احکام بیان فرما دیجیے، تا کہ ہم سب کو استفادہ کا موقع مل سکے، چنانچہ آپ نے تفصیل کے ساتھ تمام صورتوں سے جداگانہ جو احکام تھے بیان فرما دیئے۔ تمام علماء اور ارا کین دربار حیران ہو کر ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔

دختر امیر المومنین سے آپ کی تزویج:

آخر مامون رشید نے اپنی دختر سے آپ کا عقد کر دیا اور مجلس نکاح میں یہ بھی کہا کہ میری انتہائی آرزو اور خواہش ہے کہ میں ایسے بچے کا نانا بنوں جس کا سلسلہ نسب رسولِ اکرم ﷺ اور امام سیدنا علی بن ابی طالب سے جا کر لے۔ اور اس تقریب پر لاکھوں روپیہ امور جز اور غرباء میں تقسیم کیا گیا اور نہایت فیاضی سے ملازمین کو اکرام و انعام سے نوازا۔ پیش قیمت زیورات، لباس اور سامان کے علاوہ بیس لاکھ درہم بھی بطور جہیز دیا۔

شادی کے بعد آپ تقریباً ایک سال مزید بغداد میں قیام فرما رہے۔ اس کے بعد خلیفہ

نے نہایت تزک و احتشام سے اُمّ الفضل کو آپ کے ساتھ رخصت کر دیا اور آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

وہ ہی طرزِ درویشی:

دامادِ خلیفہ ہونے کے بعد بھی آپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ ہی سادگی، خاکساری اور خوش خلقی رہی جو شادی سے پہلے تھی۔ ڈیوڑھی کا انداز وہی رہا جو پہلے تھا۔ نہ کوئی دربان نہ روک ٹوک۔ آپ کی نشست زیادہ تر مسجدِ نبوی ﷺ میں رہتی، جہاں مسلمان آپ کے وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے اور تشنگانِ علم، علم کے چشمۂ صافی سے اپنی پیاس بجھاتے۔

ازواجی زندگی:

امورِ خانہ داری اور ازواجی زندگی میں آپ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو جن حدود میں رکھا تھا، آپ نے اپنی بیوی اُمّ الفضل کو بھی ان ہی حدود میں رکھا۔ اس بیتِ کریم میں دین کی پابندی کے علاوہ کوئی تکلیف نہ تھی۔ کچھ مدت کے بعد آپ نے آلِ یاسر میں سے ایک معزز خاتون سمانہ سے نکاح کیا۔ آپ کے اس اقدام سے اُمّ الفضل کو تکلیف پہنچی اور انہوں نے اپنے باپ امیر المومنین مامون رشید سے شکایت کی۔ مامون نے اپنی دختر کو جواب دیا کہ میں نے تمہارا عقد ابوجعفر سے اس لیے نہیں کیا کہ ان پر کسی حلالِ خدا کو حرام کر دوں، اس قسم کی شکایت آئندہ مجھ سے نہ کرنا۔

دورِ عقوبت:

۲۱۸ھ میں خلیفہ مامون رشید کا انتقال ہوا اور تخت سلطنت پہ مامون کا بھائی مؤتمن معتصم باللہ کے لقب سے متمکن ہوا۔ معتصم جو مدت سے آپ کا اور آپ کے والدِ ماجد کا دشمن تھا۔ اس نے سریرآرائے حکومت ہوتے ہی آپ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ پہلے تو اُمّ الفضل کے ایک

پرانے خط کو بہانہ بنا کر آپ کو بغداد طلب کر کے نظر بند کر دیا۔ ایک سال بعد قید کر دیا۔ قید میں آپ پر اس قدر سختیاں کیں کہ آپ بعض اوقات اپنی زنگی سے بیزار ہو جاتے تھے۔ آخر آپ کو اس قیدِ سخت سے انتقال کے بعد ہی رہائی ملی۔ مقابر قریش کاظمین میں حضرت امام موسےٰ کاظم کے پہلو میں آپ کو آسودگی ملی۔

اولاد و ازواج:

اُمّ الفضل کے بطن سے ایک فرزند علی نقی اور ایک دختر فاطمہ ہوئی اور سمانہ یاسری سے دوسرا فرزند موسےٰ برقع اور دوسری دختر امامہ کی ولادت ہوئی۔ بعض کے نزدیک آپ کی تمام اولاد سمانہ یاسری سے ہوئی، لیکن اکثر کے نزدیک پہلا قول ہی صحیح ہے۔

اقوام مبارکہ اور نصائح:

...... خداوند عالم جسے جو نعمت دیتا ہے بہ ارادۂ دوام دیتا ہے، لیکن یہ نعمت اس وقت زائل ہو جاتی ہے جو وہ مستحقین کو دینا بند کر دیتا ہے۔

...... ہر نعمتِ خداوندی میں مخلوق کا حصہ ہے۔ جب خدا کسی کو عظیم نعمتیں دیتا ہے تو لوگوں کی حاجتیں بھی کثیر ہو جاتی ہیں، ایسے موقع پر اگر صاحبِ نعمت عہدہ برآ ہو سکا تو خیر ورنہ نعمت کا زوال لازمی ہے۔

...... صحیفۂ حیاتِ مسلم کا سرنامہ حسنِ خلق ہے۔

...... جو خدا کے بھروسہ پر لوگوں سے بے نیاز ہو جائے گا لوگ اس کے محتاج ہونگے۔

...... جو خدا سے ڈرتا رہے گا لوگ اسے دوست رکھیں گے۔

...... انسان کی تمام خوبیوں کا مرکز زبان ہے۔

...... انسان کے کمالات کا دارومدار عقل کے کمال پر ہے۔

...... انسان کے لیے فقر کی زینت عفت ہے، خدائی امتحان کی زینت شکر ہے، حسب کی

زینت تواضع اور فروتنی ہے، کلام کی زینت فصاحت ہے، روایات کی زینت حافظہ ہے، ورع وتقویٰ کی زینت حسن ادب ہے، قناعت کی زینت خندہ پیشانی ہے، ورع و پرہیزگاری کی زینت تمام مہملات سے کنارہ کشی ہے۔

...... ظالم اور ظالم کا مددگار اور ظالم کے فعل کو سراہنے والا ایک ہی زمرہ میں ہیں۔

...... جو زندہ رہنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ برداشت کرنے کے لیے اپنے دل کو صبر آزما بنالے۔

...... خدا کی رضا کے حصول کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں۔ اول استغفار۔ دوم نرمی و فروتنی۔ سوم کثرت صدقہ۔

...... جو جلد بازی سے پرہیز کرے گا، لوگوں سے مشورہ کرے گا اور اللہ پر بھروسہ کرے گا وہ کبھی شرمندہ نہ ہوگا۔

...... اگر جاہل زبان بند رکھے تو اختلافات نہ ہوں۔

...... تسخیر قلوب کے لیے تین باتوں کی ضرورت ہے۔ معاشرہ میں انصاف، مصائب میں ہمدردی اور پریشاں خاطری میں تسلی۔

...... جو کسی بری بات کو اچھی نگاہ سے دیکھے گا وہ اس میں شریک سمجھا جائے گا۔

...... کفرانِ نعمت کرنے والا خدا کی ناراضی کو دعوت دیتا ہے۔

...... جو تمہارے عطیہ پر شکریہ ادا کرتا ہے گویا اس نے تمہیں اس سے زیادہ دیدیا۔

...... جو اپنے بھائی کو پوشیدہ طور پر نصیحت کرتا وہ اس کا محسن ہے، جو علانیہ نصیحت کرے گویا اس نے اس کے ساتھ برائی کی۔

...... عقلمندی اور حماقت جوانی کے قریب تک ایک دوسرے پر انسان میں غلبہ کرتے رہتے ہیں اور جب ۱۸ سال پورے ہوجاتے ہیں تو استقلال پیدا ہوجاتا ہے اور راہ معین ہو جاتی ہے۔

...... جب کسی بندہ پر نعمت کا نزول ہو اور وہ اس نعمت سے متاثر ہو کر یہ سمجھے کہ یہ خدا کی

عنایت و مہربانی ہے تو خداوند عالم شکر کرنے سے پہلے اس کا نام شاکرین میں درج کر لیتا ہے اور جب کوئی گناہ کرنے کے ساتھ یہ محسوس کرے کہ میں خدا کے ہاتھ میں ہوں وہ جب اور جس طرح چاہے عذاب کرسکتا ہے تو خداوند عالم اسے استغفار سے قبل بخش دیتا ہے۔

...... جلد بازی کر کے کسی امر کو شہرت نہ دو جب تک تکمیل نہ ہوجائے۔

...... اپنی خواہشات کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ دل تنگ ہوجائے۔

...... اپنے ضعیفوں پر رحم کرو اور ان پر ترحم کے ذریعہ سے اپنے لیے خدا سے رحم کی درخواست کرو۔

...... عام موت سے بری موت وہ ہے جو گناہ کے ذریعے سے ہو اور عام زندگی سے خیر و برکت کی حامل زندگی بہتر ہے۔

...... جو خدا کے لیے اپنے بھائی کو فائدہ پہنچائے وہ ایسا ہے جس نے اپنے لیے جنت میں گھر بنالیا۔

...... جو خدا پر اعتماد رکھے اور اس پر توکل اور بھروسہ کرے، خدا اسے ہر برائی سے بچاتا ہے اور اس کی ہر قسم کی حفاظت کرتا ہے۔

...... دین عزت ہے، علم خزانہ ہے اور خاموشی نور ہے۔

...... دین کو تباہ کرنے والی چیز بدعت ہے جو تقویٰ کا بیج بوئے گا، آخرت میں ولی مرادوں کا پھل پائے گا۔

...... انسان کو برباد کرنے والی چیز بدعت ہے جو صبر وضبط کے ساتھ میدان میں آجائے وہ کامیاب ہوگا۔

...... دعا کے ذریعہ سے ہر بلا ٹل سکتی ہے۔

...... حاکم کی صلاحیت پر رعایا کی خوشحالی کا دارومدار ہے۔

سیّدنا امام علی نقیؒ

نام:

علی۔کنیت ابوالحسن۔لقب نقی اور عسکری

نسب:

علی بن محمد بن علی بن موسےٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب۔
آپ کی والدہ ماجدہ کا نام اُمّ الفضل بنت مامون رشید تھا۔

ولادت:

بروز سہ شنبہ ۵ر رجب المرجب ۲۱۴ھ بعہد خلیفہ مامون رشید مدینہ منورہ میں ہوئی۔

وفات:

بروز دوشنبہ ۳ر رجب المرجب ۲۵۴ھ بعہد خلیفہ معتز۔سامرہ میں ہوئی۔

آپ کے عہد کے حکمران:

خلیفہ مامون رشید، خلیفہ معتصم، خلیفہ واثق، خلیفہ متوکل، خلیفہ مستعین اور خلیفہ معتز بن متوکل تھے۔

آپ کی سیرت زندگی اور اخلاق وکمالات وہی ہی تھے جو آپ کے آباء واجداد کے اپنے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ میں آتے رہے تھے۔اسیری ہو یا نظر بندی کا عالم یا

آزادی کا زمانہ۔آپ ہر وقت اور حال میں نعرۂ حق بلند کرتے، یادِ الٰہی میں مشغول رہتے۔علم و ہدایت سے لوگوں کو فیض یاب کرتے رہے۔ہجوم ومصائب میں کبھی پیشانی شکن آلودہ نہ ہوئی۔ ثبات قدم اور استقلال کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔دشمنوں کے ساتھ حلم ومروت سے کام لینا، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کرنا یہ ہی وہ اوصاف ہیں جو آپ کی سیرت میں دوسروں سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

نشوونما، تربیت وتعلیم:

سیدنا امام محمد تقی کی وفات کے وقت آپ کی عمر سات آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔آپ کی نشوونما اور تربیت اپنی والدہ ماجدہ کے زیر سایہ ہوئی۔اپنے گھرانے کے بزرگوں سے ہی تعلیم پائی۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ حکومت وقت نے ایک عالم عبیداللہ جنیدی کو آپ کی تعلیم کے لیے مقرر کیا تھا، لیکن مولانا عبیداللہ جنیدی کچھ دیر تو آپ کو درس دیتے رہے پھر تعلیم کا سلسلہ بند کر دیا اور اس امر کا اظہار کیا کہ علی کو میری مدد کی ضرورت نہیں۔میں اپنی پوری کوشش کے بعد ادب کی کوئی بات ان کے سامنے پیش کرتا ہوں تو وہ اس کے متعلق ایسے ابواب کھول دیتے ہیں کہ میں حیران رہ جاتا ہوں۔میرے بس میں یہ نہیں کہ میں انہیں پڑھا سکوں۔خدا کی قسم وہ حافظِ قرآن ہی نہیں وہ اس کی تاویل وتنزیل کو بھی جانتے ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی صواعقہ محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام علی نقی اپنے آباء واجداد کی طرح عالم زمانہ تھے۔پاکیزگی نفس، بلند کرداری اور صفات حسنہ میں اپنے والدِ ماجد کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

بیتِ علم وہدایت:

مدینہ منورہ میں آپ کا بیت کریم بھی علم وہدایت کا ایک اہم مرکز تھا۔اہلِ مدینہ اس چشمہ علم سے سیراب ہوتے رہے اور مختلف دیار وامصار سے بھی لوگ تحصیل علم وہدایت کی غرض سے درِ امام پر حاضر ہوتے اور فیضاب ہو کر واپس جاتے۔

چند مسائل میں آپ کا مختار:

خلیفہ متوکل نے اپنی علالت کے دوران یہ نذر مانی تھی کہ اگر میں اچھا ہوگیا تو اللہ کی راہ میں مال کثیر دونگا۔ صحت یاب ہونے کے بعد اس نے علماء سے دریافت کیا کہ مالِ کثیر کا تعین کیسے ہو گا۔ کسی نے ایک ہزار درہم کسی نے پانچ ہزار درہم اور کسی نے دس ہزار درہم بتائے۔ متوکل نے جب اپنے سوال کے جواب میں علماء کو مختلف الخیال پایا تو اس نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے جواب میں اسّی طلائی دینار خیرات کرنے کے لیے فرمایا۔ متوکل نے آپ سے دلیل دریافت کی تو آپ نے جواب دیا کہ قرآن مجید میں حضور اکرم ﷺ کے لیے آیا ہے کہ "لقد نصر کم اللہ فی مواطن کثیرہ" (اے اللہ کے رسول ہم نے تمہارے مدد مواطن کثیرہ سے (بہت سے مقامات کی) جب ہم نے ان مقامات کا شمار کیا تو وہ شمار کے مطابق اسّی ہوتے ہیں، لہٰذا کثیر کا اطلاق اسّی دینار پر ہوگا۔

ایک بار نصرانی زنا کے جرم میں ماخوذ ہوا تو وہ کہنے لگا کہ مجھ پر حد نہ جاری کی جائے۔ میں اس وقت مسلمان ہوتا ہوں۔ قاضی یحییٰ بن اکثم نے اس کو چھوڑنا چاہا، کیونکہ وہ مسلمان ہو گیا تھا، لیکن دوسرے علماء اس مسئلہ میں متردد تھے۔ جب اس معاملہ میں آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ "یضرب حتیٰ یموت" (اسے اس قدر مارنا چاہیے کہ مرجائے)۔

فقہا نے کہا اس کا کوئی ثبوت قرآن سے بھی ہے تو آپ نے قرآن مجید کی آیت تلاوت فرمائی۔ ترجمہ (جب کافروں نے ہماری سختی دیکھی تو کہا ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے کفر سے توبہ کرتے ہیں یہ ان کا کہنا ان کے لیے مفید نہ ہوا)۔

اس وقت قضاء وقدر کے معاملہ میں تقریباً سب فرقے کم وبیش جادۂ اعتدال سے ہٹے ہوئے تھے۔ اس کی وضاحت میں کوئی جبر کا قائل نظر نہیں آتا تھا۔ کوئی مطلقاً تفویض پر ایمان رکھتا تھا۔ جب علماء نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے ان الفاظ میں وضاحت فرمائی۔ "لا جبر و لا تفویض بل امر بین الامرین" (نہ انسان بالکل مجبور ہے نہ بالکل آزاد، بلکہ دونوں حالتوں کے درمیان ہے)۔

امداد کا عجیب طریقہ:

ایک شخص نے آپ سے عرض کیا۔ مجھ پر دس ہزار درہم قرض ہوگیا ہے اور اس کی ادائی کی بھی کوئی سبیل نظر نہیں آتی اور قارض کا تقاضا بھی نا قابلِ برداشت ہوگیا ہے۔ خدا کے لیے مجھے اس بلا سے نجات دلوائیے۔ آپ کے پاس بھی اس وقت کچھ رقم نہ تھی۔ آپ الجھن میں پڑ گئے اور کچھ دیر سوچنے کے بعد فرمایا۔ گھبراؤ نہیں، انشاء اللہ تمہارے قرضہ کی ادائیگی کا کچھ بندوبست ہو ہی جائے گا، لیکن تمہیں جو میں کہوں اس کی تعمیل کرنی ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے اسے دس ہزار درہم قرض کی تحریر لکھ دی، جس میں مرقوم تھا کہ "حاملِ تحریر ہٰذا کو عند الطلب دس ہزار درہم ادا کر دوں گا" اور اس سے کہا کہ جب مجھے کل لوگوں کے سامنے بیٹھا ہوا پاؤ تو مجھ سے رقم کا تقاضا کرنا۔ اس نے عرض کیا یا مولائی یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں لوگوں میں آپ کی توہین کروں۔ آپ نے فرمایا۔ کوئی بات نہیں۔ جب میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ تم وہ ہی کہو، جو میں کہہ رہا ہوں، بلکہ ذرا سختی سے تقاضا کرنا، چنانچہ اس نے دوسرے دن جب آپ لوگوں میں بیٹھے تھے، سائل نے آپ سے رقم کا تقاضا کیا۔ آپ نے نرمی سے ٹالنے کی کوشش کی، اس نے آپ کی تحریر آپ کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ میں اب توقف نہیں کر سکتا۔ آپ اس رقم کا جلد از جلد بندوبست کر دیں، مجھے اس رقم کی شدید ضرورت ہے۔ آپ نے اس سے تین دن کی مہلت طلب کی، چنانچہ وہ چلا گیا۔ یہ خبر خلیفہ کو ہوئی تو اس نے آپ کے قرض سے کچھ زیادہ رقم آپ کو بھیج دی۔ آپ نے وہ تمام رقم سائل کو دے دی۔ سائل نے کہا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان میرا قرضہ تو صرف دس ہزار درہم ہے۔ آپ نے فرمایا جو رقم قرضہ سے بچ رہے اسے بچوں پر خرچ کرو۔

خلیفہ متوکل کے لیے دعا و دوا:

ایک مرتبہ متوکل سخت بیمار ہوگیا۔ تمام اطباء علاج سے عاجز آ گئے۔ متوکل کی والدہ نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ از راہ خدا متوکل کے لیے دعا کریں۔ آپ نے اس کی صحت کے لیے

دُعا بھی کی اور دوا بھی بھیجی اور متوکل کی والدہ کو تسلی و تشفی کا خط بھی لکھا۔

دورِ مصائب و عقوبت:

آپ جب تک مدینہ منورہ میں رہے اہلِ مدینہ کو علم و ہدایت سے فیض پہنچاتے رہے۔ تبلیغ دین میں کوشاں رہے۔ لوگوں کو عبادت کی تلقین کرتے رہے اور خود بھی شب و روز عبادت میں مشغول رہے۔

امور سلطنت میں آپ کبھی دخیل نہیں ہوئے۔ کبھی خارزارِ سیاست میں قدم نہیں رکھا۔ معتصم اور واثق کے عہدِ حکومت تک آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ آپ سکون و اطمینان سے مدینہ منورہ میں فرائض امامت سرانجام دیتے رہے، لیکن عبد دینا اللہ والوں کو کب چین لینے دیتے ہیں۔ بدخواہ یہ برداشت نہ کر سکے کہ آپ عزت و وقار اور اطمینان و سکون سے زندگی بسر کریں۔

متوکل کے تخت سلطنت پر متمکن ہوتے ہی آپ تکالیف و مصائب کے سیلاب میں گھر گئے۔ مدینہ کے حاکم عبداللہ نے آپ کو مختلف طریق سے تنگ کرنا شروع کیا اور آپ کے خلاف خلیفہ متوکل کے کان بھرنے شروع کیے اور متعدد خطوط میں آپ پر ایسے الزام لگائے جسے سابق خلفاء کے پاس آپ کے بزرگوں کی نسبت ان کے مخالفوں نے لگائے تھے۔ مثلاً آپ خلیفہ کے خلاف نفرت پھیلاتے ہیں، اپنے گردو پیش اسباب سلطنت جمع کر رہے ہیں، آپ کے عقیدت منداس قدر ہو گئے ہیں اور آپ کے پاس اس قدر اسلحہ جمع ہو گیا ہے کہ وہ جب چاہیں آپ کے خلاف خروج کر سکتے ہیں۔ آخر خلیفہ نے تفتیش کے لیے جاسوس مقرر کر دیئے اور گھر کی تلاش کا حکم بھی دیا۔ انہوں نے مکان کی تلاشی لی ایک ادنیٰ سا ہتھیار بھی برآمد نہ ہوا۔ جاسوس تقریباً ایک سال آپ کی خفیہ نگرانی کرتے رہے، لیکن انہیں کسی ادنیٰ سی سازش کا بھی سراغ نہ ملا۔ انہوں نے خلیفہ کے پاس جا کر تمام الزامات کی تردید کی، لیکن بدخواہ حاکم مدینہ کی آپ کے خلاف ریشہ دوانیاں حد سے بڑھ گئیں تو آپ نے خلیفہ متوکل کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا۔ جس میں حاکم مدینہ کی اپنے ساتھ زیادتی، ذاتی مخالفت کا تذکرہ اور اس کی غلط بیانیوں اور الزامات کی

تردید کی تھی۔ خلیفہ متوکل نے آپ کا مکتوب پڑھنے کے بعد حاکم مدینہ کو معزول کر دیا اور آپ کو ایک مکتوب لکھا جس میں آپ کو ملاقات کے لیے سامرہ طلب کیا تھا اور تاکید کی تھی کہ آپ سامرہ ضرور تشریف لائیں۔ کچھ دن میرے پاس قیام فرمائیں اور پھر جب چاہیں مدینہ منورہ واپس تشریف لے جائیں۔ مکتوب موصول ہونے کے چند دن بعد بغداد سے ایک دستہ فوج ہرثم کی قیادت میں آپ کو سامرہ لے جانے کے لیے مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ آپ کی سامرہ میں طلبی بظاہر آپ سے ملاقات کے اشتیاق کے باعث تھی، لیکن آپ خلیفہ کی نیاز مندانہ دعوت کی حقیقت کو سمجھتے تھے، مگر بارگاہِ خلافت میں حاضری کے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ آخر آپ سامرہ روانہ ہو گئے۔ تمام سفر نہایت آرام اور احترام سے سامرہ تک طے ہوا، مگر سامرہ پہنچتے ہی خلیفہ کا رویہ آپ کے ساتھ نہایت افسوسناک تھا۔ اس نے کئی دن آپ سے ملاقات بھی نہیں کی اور آپ کو گداگروں کی سرائے ''خان الصعالیک'' میں ٹھہرایا۔ یہ شہر سے دور ایک ویرانہ میں واقع تھی۔ آپ کے ایک ندیم صالح نے خلیفہ کے اس سلوک کو بری طرح محسوس کیا اور متوکل کو برا بھلا کہنے لگا۔ آپ نے فرمایا صبر کرو، اس سلوک سے گھبرانے کی ضرورت نہیں اور ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کر کے کہا ذرا اس طرف تو دیکھو۔ اس نے جب اس طرف دیکھا تو اس طرف ایک نہایت سرسبز و شاداب باغ نظر آیا جس میں متعدد جوئباریں اور ہر طرف سبزہ و گلی کے کنج اور نفیس و حسین کوشکیں تھیں۔ آپ نے اس سے کہا ہمارا مستقل قیام ہوگا۔ وہاں یہ سب کچھ ہمیں میسر ہوگا۔ آخر تین دن کے بعد خلیفہ متوکل نے اپنے حاجب رزاق کی حراست میں آپ کو نظر بند کرنے کا حکم دیا۔ یہ ۲۴۳ھ کا واقعہ ہے۔

آپ کی بے گناہی اور حقانیت نے رزاقی کو رعایت کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ آپ کو تکلیف دینے کی بجائے آرام و راحت کے سامان بہم پہنچانے لگا، مگر یہ بات دیر تک متوکل سے پوشیدہ نہ رہ سکی، چنانچہ اس نے ایک اور حاکم سعید کے زیرِ حراست دے دیا۔ یہ شخص چونکہ بے رحم تھا اور آپ کو تنگ کرنے میں جبر کرتا۔ اس لیے پھر کسی حاکم کی تبدیلی کی ضرورت نہ پڑی اور تقریباً دس بارہ سال آپ اس کی نگرانی و حراست میں رہے۔

مشروط آزادی اور روحانیت تکالیف:

آخر آپ کی قید یا نظر بندی ایک وزیر با تدبیر کے صلاح و مشورے سے مشروط آزادی میں تبدیل کر دی گئی۔ نقل وحرکت اور مراسلت کی اجازت مل گئی۔ حکومت کی طرف سے سامرہ میں ہی ایک مکان کا بندوبست کر دیا گیا اور یہ بھی ہدایت کر دی کہ آپ سامرہ سے باہر نہیں جائیں۔ اس دور میں آپ کا کردار واستغنا دیکھنے کے قابل تھا۔ آپ نے نہ تو متوکل سے کسی ضرورت کا اظہار کیا نہ کسی قسم کی درخواست کی، نہ کسی قسم کے ترحم وتکرم کی خواہش کی۔ وہ ہی عبادت وریاضت کی زندگی جو قید میں تھی، آزادی میں بھی رہی۔ آرام وسکون کی زندگی نہ قید میں نہ تھی، نہ آزادی میں۔ جب جسمانی تکلیف میں ذرا کمی ہوئی تو روحانی تکلیف بڑھا دیگئی۔ متوکل نے تمام شہروں میں حکم جاری کیا کہ کوئی شخص سیدنا علیؓ اور امام حسین کے مزار کی زیارت نہ کرے۔ جو بھی اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا۔ اسے سخت سزا دی جائے گی۔ چند دنوں کے بعد سیدنا علی اور امام حسین کے مقابر کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ پھر ایک اور نہایت قابل افسوس واقع پیش آیا۔ ابن سکیت بغدادی جو علم نحو، ادب اور لغت کے استاد مانے جاتے تھے اور خلیفہ متوکل کے بیٹوں کے اتالیق بھی تھے۔ ایک دن متوکل نے ان سے پوچھا کہ تمہیں میرے ان دونوں بیٹوں سے زیادہ محبت ہے یا حسنؓ و حسینؓ سے؟ ابن سکیت اس سوال کو سن کر بیتاب ہو گئے اور انہوں نے نہایت بے خوف ہو کر جواب دیا کہ حسنؓ وحسینؓ تو خیر کیا مجھے تو سیدنا علیؓ کے غلام قنبر کے ساتھ ان دونوں سے زیادہ محبت ہے۔ اس سچی بات کو سن کر خلیفہ متوکل قہر وغضب بن گیا اور حکم دیا کہ ابن سکیت کی زبان گدی سے کھینچ لیجائے، چنانچہ بیچارے ابن سکیت اس وحشت ناک سزا کے شکار ہو گئے۔ اس طرح کے مسلسل المناک واقعات نے آپ کو شدید روحانی عقوبت میں مبتلا کر دیا تھا۔ آپ ظلم وتشدد کے اس طرح کے ماحول میں جبراً زندگی گزار رہے تھے۔ یہ اندوہناک صورت ایک دو برس نہیں، بلکہ متوکل کے آخری وقت تک برابر قائم رہی۔ جب متوکل کی تلوار سے ہی متوکل کے بیٹے منتصر نے اس کے خاص غلام باغیر سے اسے قتل کروادیا تو آپ اس ظالم سے نجات ملی۔

پھر وہی، ہی زندانِ سخت:

منتصر نے تخت پہ بیٹھتے ہی اپنے باپ کے تمام متشددانہ احکام منسوخ کروائے۔ حضرت علیؓ وامام حسین کے مقابر کی بھی مرمت کروادی، لیکن منتصر چھ سات ماہ کے بعد فوت ہو گیا۔ اس کی جگہ مستعین خلیفہ ہوا۔ اس کا برتاؤ بھی آپ کے ساتھ ہمدردانہ رہا۔ مستعین کے بعد معتز تخت پہ بیٹھا۔ اس وقت عباسی سلطنت پر ترک سپہ سالار چھا چکے تھے۔ عباسی خلیفہ ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ جسے چاہتے خلیفہ بناتے تھے، جسے چاہتے معزول کر دیتے تھے۔

خلیفہ ہر ایک سے بدگمان رہتا تھا۔ کسی بدخواہ نے آپ کے خلاف معتز کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ آخر معتز آپ سے بدگمان ہو گیا اور آپ کو قید کر دیا۔ قید کے زمانہ میں آپ کے مصلے سے ملحق ایک قبر کھدی رہتی تھی۔ کسی شخص نے جب اس پر حیرت ودہشت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے دل میں موت کا خیال قائم رکھنے کے لیے یہ قبر اپنے سامنے رکھتا ہوں۔ دوسری طرف غالباً ایک ظالم حکمران کو اس کے باطل مطالبہ اطاعت اور اسلام کی صحیح تعلیمات کی تبلیغ کو ترک کر دینے کی خواہش کا ایک خاموش جواب بھی تھا۔ یعنی زیادہ سے زیادہ حاکم وقت کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ کسی کی جان لے لینے کا گمان ہے، لیکن جو شخص موت کے لیے اتنا تیار ہو کہ ہر وقت اپنی قبر تیار رکھے اسے کسی ظالم حکومت کا کیا ڈر ہو سکتا ہے۔

امن پسندی کی سزا:

آپ نے جس طرح خارزارِ سیاست سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے زندگی گزاری ویسے ہی حکومت وقت کا خلاف کسی بے محل اقدام سے بھی اپنے دامن کو بچاتے رہے، حالانکہ اس وقت خلافت عباسیہ کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکیں تھیں، دار السلطنت میں ہر روز سازشیں ہوتی تھیں۔ مسلسل فتح نمودار ہوتے تھے۔ متوکل سے خود اس کے بیٹے منتصر کی مخالفت، منتصر کے بعد امرائے حکومت کا انتشار، آخر متوکل کے بیٹوں کو حکومت سے محروم کر دینے کا فیصلہ۔ خلیفہ مستعین کے دور

حکومت میں حضرت یحییٰ بن عمر بن یحییٰ اور حسین بن زید علوی کا کوفہ میں خروج اور حسن بن زید الملقب بداعی الحق کا علاقہ طبرستان پر قبضہ کر لینا اور مستقل حکومت قائم کر لینا، پھر دارِ سلطنت میں ترکی غلاموں اور لشکریوں کی بغاوت۔ خلیفہ مستعین کو سامرہ چھوڑ کر بغداد کی طرف بھاگنا اور قلعہ بند ہو جانا اور آخر حکومت سے دستبرداری پر مجبور ہونا اور کچھ عرصہ بعد معتز کے ہاتھوں قتل ہونا، پھر خلیفہ معتز باللہ کے دور میں رومیوں کا مخالفت پر تیار رہنا۔ معتز باللہ کو خود اپنے بھائیوں سے خوف اور موید کی زندگی کا خاتمہ اور موفق کا بصرہ میں قید ہونا، ان تمام ہنگامی حالات اور شورشوں کے ہجوم میں اور تمام بے چینیوں اور جھگڑوں میں سے کسی میں آپ کی شرکت کا شبہ تک نہ پیدا ہونا کیا اس طرزِ عمل کے خلاف ہیں جو ایسے موقعوں پر جذبات سے کام لینے والوں کا ہوا کرتا ہے۔ ایک ایسے اقتدار کے مقابلہ میں جسے نہ صرف حق و انصاف کی رو سے ناجائز سمجھتے تھے، بلکہ اس کی بدولت انہیں جلا وطنی، قید اور اہانتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا، مگر وہ جذبات سے بلند اور عظمت نفس کا مظہر دنیاوی ہنگاموں اور وقت کے اتفاقی موقعوں سے فائدہ اٹھانا، اپنی بے لوث حقانیت اور صداقت کے خلاف سمجھتا ہے اور مخالف پر پس پشت سے حملہ کرنے کو اپنے بلند نقطۂ نظر اور معیارِ عمل کے خلاف جانتے ہوئے ہمیشہ کنارہ کش رہتا ہے۔ دراصل آپ اس حکومت کو ایک جابرانہ حکومت تو سمجھتے تھے، لیکن خود اقتدار پر قبضہ کرنے کی ذرا بھی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ اس کے باوجود اقتدار آپ سے خوف زدہ اور شک و شبہ میں مبتلا رہا اور آپ کی زندگی تکالیف و مصائب میں گزری اور حالتِ قید میں ہی آپ کی وفات ہوئی۔

اکثر مقتدریان مذہب کے مرنے کے بعد مبالغہ آمیز روایات، نرالی معتقدات، بدعات اور کرامات کسی نہ کسی طرح ان سے منسوب کر دی جاتی ہیں۔ آئمہ اہل بیت کے حذم واقیات کے باوجود بعض سیاسی طالع آزماؤں نے وقتی فائدہ کی خاطر اپنی کارستانیوں کو ان کی ہدایت و ارشاد کا نتیجہ ظاہر کیا۔ ان کی خدمت میں ہر قسم کے لوگ شریک ہوتے تھے جن میں بعض اہل بیت کی محبت و حمایت کا دم بھرتے تھے۔ یہ نام و نہاد دوست دشمنوں سے بھی زیادہ مخدوش تھے،

کیونکہ وہ اپنے منصوبوں کو آئمہ اہل بیت کا فرمودہ بتا کر جہاں شیعہ کے روبرو پیش کرتے تھے اور ان کو اپنا آلۂ کار بناتے تھے اور آئمہ کے نام پر طرح طرح کی بدعات عوام میں شائع کرتے تھے۔ آئمہ کی مسلسل قید، نظر بندی اور زبان بندی نے بھی انہیں اپنے منحرف عقائد کو دور دراز علاقوں میں پھیلانے کا موقع دیدیا تھا، اگرچہ آئمہ ان کے کذب و ابطالی کی تردید بھی کرتے رہتے تھے، لیکن یہ گروہ متواتر اور مسلسل پروپیگنڈہ میں مشغول رہتے تھے۔ آئمہ کی تردید کو تقیہ کے مسئلہ میں الجھا کر بے اثر کر دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر حکومتِ وقت بلا وجہ ان سے خائف اور بدگمان رہتی تھی، حالانکہ ان آئمہ کا خود سیاسی شیعہ گروہ کی سیاسی حکمت عملی سے واسطہ نہ تھا۔ وہ ہمیشہ ان کی سازشوں سے اپنا دامن بچاتے رہے۔

سیّدنا ابوعبداللہ جعفر الثانیؒ

نام: جعفر الثانی۔کنیت ابوعبداللہ۔لقب تواب۔

نسب:

جعفر بن علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن موسےٰ کاظم بن جعفر الصادق بن محمد باقر بن علی بن زین العابدین۔آپ کی والدہ ماجدہ کا نام سلیل یا سوسن تھا۔

ولادت:

۲۹ رمضان ۲۳۴ھ بعہد خلیفہ متوکل مدینہ منورہ میں ہوئی۔

وفات:

۵ رجب ۲۸۹ھ بعہد خلیفہ مقتدر سامرہ بغداد میں ہوئی۔آپ کا مزار سامرہ میں مرقدِ سیدنا علی نقی کے متصل ہے۔

آپ صاحبِ علم وفضل، متقی، عابد اور صاحبِ باطن تھے۔آپ کے خیالات جمہور شیعہ سے کافی حد تک مختلف تھے۔علاوہ ازیں آپ ایک اعتدال پسند اور صالح کل بزرگ تھے۔اس لیے ہر مسلک وخیال کے مسلمان آپ کے بے حد احترام کرتے تھے۔

تعلیم وتربیت واشغال:

آپ کی تعلیم وتربیت اپنے والدِ ماجد سیدنا علی نقیؒ کے زیرِ سایہ ہوئی۔آپ نے خود بھی

نہایت توجہ اور محنت سے تفسیر القرآن، حدیث اور فقہ کا مطالعہ کیا اور آپ چھوٹی عمر سے ہی درس و تدریس میں مشغول ہو گئے تھے۔علاوہ ازیں آپ کو عربی زبان کے علاوہ اور کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔آپ کی ملاقات ترکوں، ایرانیوں، افغانیوں اور سندھیوں سے رہتی تھی۔مختلف دیار و امصار سے جو لوگ سیدنا امام علی نقی سے ملاقات کے لیے آتے تھے ان سے بھی آپ کی گفتگو رہتی تھی۔امام صاحب موصوف کی قید یا نظر بندی کے باعث بہت سے اشخاص سے تو ان کی ملاقات ہوتی ہی نہیں تھی۔ایسی صورت میں ان آنے والوں کی باتیں سننا، ان کے استفسار رائے کا جواب، ان کی پریشانیوں اور تکالیف میں تسلی وتشفی دینا اور وعظ وتلقین کے فرائض آپ کے یا آپ کے بھائی سیدنا حسن عسکری کے ذمہ تھے۔

سیدنا امام حسن عسکری کی اسیری میں آپ کا معمول:

سیدنا علی نقی کی وفات کے بعد سیدنا حسن عسکری فرائض امامت انجام دینے لگے، لیکن کچھ عرصہ بعد امام حسن عسکری کو خلیفہ نے بغداد طلب کیا اور قید کر دیا۔ان کی غیر حاضری میں آپ لوگوں کو نیکی اور شعار اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کی تلقین فرماتے رہے۔سیدنا حسن عسکری کو قید میں بے حد تکلیف وعقوبت کا سامنا کرنا پڑا۔انہیں روزمرہ کی ضرورت سے بھی محروم رکھا جاتا، بعض اوقات انہیں وضو کے لیے پانی بھی نہ دیا جاتا۔ایک دن عین حالت نماز میں ان پر درندے چھوڑ دیئے وہ بدستور نماز پڑھتے رہے اور خدا کی مہربانی سے درندوں نے انہیں کچھ بھی تو نقصان نہ پہنچایا۔آپ کو جب اپنے بھائی کے مصائب اور تکالیف کی خبر ملتی تو گھبرا اٹھتے اور ان سے ملاقات کے لیے بغداد روانہ ہو جاتے۔آپ کو کئی کئی دن انتظار کے بعد ان سے ملاقات کی اجازت ملتی۔جب آپ بھائی کو ملتے تو رونے لگتے۔امام آپ کو صبر وضبط کی نصیحت کرتے۔اس طرح آپ ہر ماہ سامرا سے بغداد بھائی کی ملاقات کے لیے جاتے۔آپ کا برسوں یہ ہی معمول رہا۔حتیٰ کہ امام رہا ہو کر سامرہ آ گئے۔سامرہ میں آپ کی اور آپ کے برادر بزرگ کی حیثیت نظر بندوں سے کچھ کم نہ تھی۔تاہم اب پہلے ایسی پابندیاں اور تکلیفیں نہ تھیں۔ملنے جلنے والے اور عقیدت مند آتے جاتے رہتے تھے۔

سیدنا امام حسن عسکری کا انتقال اور شیعوں سے آپ کا اختلاف:

۲۶۰ھ میں جب سیدنا امام حسن عسکری کا انتقال ہوا، جو جمہور یہ شیعہ کی نگاہ میں وقت کے امام تھے۔ ان کی وفات نے اس گروہ میں ایک تازہ ہیجان پیدا کر دیا، کیونکہ امام حسن عسکری کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ آپ کے علاوہ ان میں بظاہر کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی جو امام حسن عسکری کا جانشین بن سکے، لیکن آپ (سیدنا جعفر الثانی) بہت اعتدال پسند اور صلح کل بزرگ تھے۔ آپ شیعوں کے غالی اور سیاسی گروہ سے متفق نہیں تھے اور ان کی سرگرمیوں اور غلو و تعصب کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے جمہور یہ شیعہ آپ کی امامت پر متفق نہ ہو سکے، بلکہ جب آپ امام حسن عسکریؒ کی نمازِ جنازہ پڑھانے لگے تو ان گروہوں نے آپ سے نزع کیا، لیکن حکومت اور جمہور مسلمانوں کے مجبور کرنے پر آپ نے ہی نماز جنازہ پڑھائی۔

حکومت نے سیدنا امام حسن عسکری کی میراث دینوی ان کی والدہ ماجدہ اور آپ کے درمیان تقسیم کی اور شیعوں کے متعدل عناصر نے آپ کو آپ کے دعویٰ امامت کے بغیر امام تسلیم کر لیا۔ چند جماعتوں نے خانوادۂ امامت کے دوسرے بزرگوں کو اپنی توجہات کا مرکز بنا لیا۔ ایک بڑے گروہ نے سیدنا امام حسن عسکری کے زندہ اور قائم ہونے کا دعویٰ اور ان کے دوبارہ ظہور کا عقیدہ تراشا۔ ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی جس نے دعویٰ کیا کہ امام کا فرزند اور جانشین موجود ہے، اگرچہ ہماری نظروں سے مستور ہے، اپنے وقت پر مہدی اور اور صاحب الامر کی حیثیت میں ظاہر ہوگا اور ظلم و جور کو دنیا سے نیست و نابود کر کے عدل و انصاف جاری کرے گا، لیکن اس گروہ میں بھی امام مستور کے متعلق کوئی اتفاق آراء نہ تھا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ ان کا نام محمد ہے اور وہ سیدنا حسن عسکری کی وفات کے چند ماہ بعد پیدا ہوئے تھے۔ بعض ان کے نام اور تاریخ ولادت کے تعین کو غلط خیال کرتے تھے، لیکن آپ ان روایات کو جو سیدنا امام حسن عسکری کے فرزند کی ولادت، غیبت اور امامت کے متعلق بیان کی جا رہی تھیں قطعی غلط بتاتے اور ان دعاوی کی تردید کرتے تھے اور اس معاملہ میں اس گروہ کے متعدل عناصر بھی آپ کے ہمنوا تھے۔ اس کے علاوہ

آپ آئمہ اہل بیت سے منسوب ایسے اعتقادات، اقوال، نظریات اور دعاوی کو جن کی مصادر شریعت سے تائید نہیں ہوتی تھی، پوری طرح تردید کرتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ شیعوں کے غالی اور سیاسی گروہوں میں مقیم رہے۔ بعض غلط قسم کے غالی شیعوں نے آپ پر کذاب، فاسق و فاجر اور خمر نوش ہونے کا الزام لگایا اور اس غلط اور بے بنیاد الزام کا جماعتی بنیاد پر خوب پروپیگنڈہ کیا۔ آپ نے ان کی بیہودگیوں کا جواب صبر و ضبط میں ہی دیا اور ان سب سے کلی طور پر قطع تعلق کر لیا۔ کچھ مدت کے بعد جب امامیہ اور اثنا عشری مذہب کی تدوین ہوئی تو ان غلط اور موضوع روایات کو اس مذہب کے عقائد میں شامل کر لیا، چنانچہ آج امامیہ مذہب کی کتب میں سیدنا امام علی نقی کے فرزند جلیل اور امام حسن عسکری کے محبوب بھائی کے خلاف کذاب، فاجر و فاسق اور خمر نوش کے الفاظ پڑھے جا سکتے ہیں۔ یہ اس مذہب کے ماننے والوں کی طرف سے امام علی نقی کے فرزند جلیل کی شان میں بے ادبی کی کتنی ذلیل جسارت ہے، جس مذہب کا دعوا ہی خاندانِ نبوت کے افراد سے محبت و والہ کرنا ایک مومن کا ایمان و عقیدہ ہو۔

ازدواج و اولاد:

آپ کی بیوی سطیل سے عبداللہ علی اصغر، علی اکبر، ہارون، محمد، حسین اور ایک لڑکی عائشہ کی ولادت ہوئی۔ محمد اور حسین بلوغت میں وفات پا گئے۔ عبداللہ علی اصغر، علی اکبر نے آپ کی نسل چلیں۔ سید عبداللہ علی اصغر بن امام ابو عبدالرشید الجعفر الجعفر الثانی بن، سیدنا امام علی نقی۔

نام عبداللہ لقب سیدی......نسب:

عبداللہ بن امام عبداللہ (جعفر الثانی)

ولادت:

۲۵۸ھ وفات ۳۱۳ھ بغداد میں ولادت اور بغداد میں وفات پائی۔

مولائی حسینؒ بن جعفر الثانی

نام: حسین۔کنیت ابوابراہیم۔لقب مولائی۔

ولادت: ۲۸۳ بزمانہ خلیفہ معتمد عباس بغداد میں ہوئی۔

وفات:

۳۴۱ھ بزمانہ خلیفہ راضی بغداد میں ہوئی اور وہاں ہی آپ کا مدفن ہے۔

آپ نے اپنے والد ماجد سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ دوسرے علمائے شہر سے بھی استفادہ کرتے رہے۔ آپ کو فقہائے مختلفین سے واقفیت عامہ حاصل تھی اور اپنے وقت کے اکثر علماء سے آپ ربط وضبط رکھتے تھے۔ فقہ امام زید وفقہ امام ابوحنیفہ پہ عبور حاصل تھا اور اپنے والدِ ماجد کی طرح فقہ زیدیہ پر عامل تھے۔ خطابت کا بھی اچھا ملکہ تھا۔

آپ نہایت عابد وزاہد اور تقویٰ و پرہیزگاری کا نمونہ تھے۔ ہر شخص کو نیکی اور شعائر اللہ پر پابندی کی تاکید کرتے اور درس وتدریس میں مصروف رہتے تھے۔ عادتاً سخی اور متواضع تھے۔ لباس عمدہ اور پاکیزہ پہنتے تھے۔

بنی تغلب کے لوگ جو موصل اور موصل کے مضافات میں آباد تھے۔ آپ کے والدِ ماجد اور آپ کے بہت عقیدت مند تھے۔ جب موصل بدنظمیوں کا شکار ہوا اور عباسی حکومت میں بھی اس وقت کوئی کس بل نہ رہا تھا تو بنی تغلب میں سے ایک دلیر شخص حمدون نے کچھ اقتدار حاصل کر لیا اور اس کے لڑکے محمد نے ۲۸۱ھ میں شہر ماردین پر قبضہ کر لیا، اگر چہ کچھ عرصہ بعد خلیفہ معتضد نے اسے

ماردین سے نکال دیا، لیکن ۲۹۲ھ میں محمد کے بھائی ابوالہیجا عبداللہ بن حمدان کو خلیفہ نے ولایت موصل کا حاکم بنا دیا۔ اسی زمانہ میں ابوالہیجا عبداللہ میں حمدون نے بنی تغلب کے شیوخ کو آپ کو موصل آنے کے لیے بغداد پہنچا۔ آپ اگر چہ بغداد کے حالات سے بہت مایوس بھی تھے۔ عباسی خلیفہ اور اس کے اعمال بھی آپ سے ہمیشہ شک وشبہ میں مبتلا رہتے تھے، لیکن آپ نے بغداد کو چھوڑنا پسند نہ کیا، لیکن شیوخ آپ کو موصل لیجانے پر ہی اصرار کرتے رہے۔ آخر آپ نے مجبور ہو کر یہ وعدہ کر لیا کہ وہ وقتاً فوقتاً موصل آتے رہیں گے بغداد میں ہی۔ چنانچہ آپ شیوخ کے ہمراہ موصل تشریف لے گئے۔ موصل کے عوام اور خصوصاً بنی تغلب اور ابوالہیجا نے آپ کا نہایت احترام وعقیدت سے استقبال کیا۔ آپ تقریباً ایک ماہ موصل میں قیام فرما رہے۔ اس دوران میں موصل کے مضافات کے لوگ بھی آپ کی زیارت کو آتے۔ آپ کے بزرگوں اور آپ سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے۔ آپ سب کو نیکی اور پرہیزگاری کی تلقین کرتے۔ جب آپ موصل سے واپس بغداد تشریف لے جانے لگے تو عقیدت مندوں نے آپ کی خدمت میں نذرانے اور تحائف پیش کیے اور آپ کے صاحبزادے سیدی ابراہیم کو لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لیے موصل میں قیام فرمانے کے لیے عرض کیا۔ آپ نے ان کی اس خواہش کو رد کرنا مناسب نہ سمجھ کر فرمایا کہ فی الحال تو آپ مجھے مجبور نہ کریں، انشاءاللہ دو تین ماہ تک ابراہیم کو آپ لوگوں میں قیام رکھنے کے لیے موصل بھیج دوں گا۔ یہ سن کر سب خوش ہو گئے اور کہنے لگے۔ مولائی یہ آپ کا ہم پر بڑا احسان ہے، چنانچہ آپ بغداد واپس آ گئے اور اپنا زیادہ وقت مطالعہ کتب یا درس وتدریس اور عقیدت مندوں کی روحانی تربیت میں گزارتے۔ معیشت سے بھی کافی حد تک بے فکری تھی چونکہ ابوالہیجا باقاعدگی سے آپ کی مالی خدمت کرتا رہتا تھا۔ ابراہیم کبھی کبھی موصل سے بغداد آ جاتے اور آپ سے مشورہ لے کر واپس آ جاتے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے سیدی ابراہیم آپ کے جانشین ہوئے۔

سیدی ابراہیم بن مولائی حسین

نام:

ابراہیم۔کنیت ابوسمعان۔لقب سیدی۔

نسب:

ابراہیم بن حسین بن عبداللہ بن جعفر بن امام علی نقی بن امام محمد تقی۔

ولادت:

۲۹۳ھ بمطابق ۸۹۸ء کو بعہد حکومت خلیفہ معتضد عباسی بغداد میں ہوئی۔

وفات:

۳۴۸ھ بمطابق ۹۶۱ھ بغداد میں ہوئی اور بغداد میں ہی مدفون ہوئے۔

آپ نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم اپنے والدِ ماجد مولائی حسین سے حاصل کی۔اس کے علاوہ مختلف علماء وشیوخ سے علمی استفادہ بھی کرتے رہے اور اپنے والدِ ماجد کی زندگی میں ہی درس وتدریس میں مصروف ہو گئے۔

آپ عہدِ جوانی میں ہی اپنے والدِ ماجد کے ارشاد اور ابوالہیجا کی خواہش کے مطابق موصل میں تشریف لے آئے تھے۔یہاں آ کر آپ درس وتدریس اور مطالعۂ کتب میں مشغول ہو گئے۔ابوالہیجا اور اس کے خاندان کے افراد آپ کی دل سے خدمت کرتے۔آپ کے آرام و آسائش اور آپ کی ضرورتوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور آپ کے اجلال واحترام میں بھی کبھی

غفلت یا لاپرواہی سے کام نہ لیتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ جب سے سیدی ابراہیم ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں، انعامِ خداوندی نے ہمارا گھر دیکھ لیا ہے اور ہمارا کوکبۂ اقبال آپ کی برکت اور اور دعاؤں سے بلند ہونا شروع ہو گیا ہے اور تھا بھی کچھ اس طرح ہی۔آپ جب موصل تشریف لائے ہیں تو اس خاندان میں سے محض ابوالہیجا ہی ولایت موصل کا حاکم تھا۔۳۰۷ھ میں ابراہیم بن حمدون دیارِ ربیعہ حاکم بن گیا۔ابراہیم کے بعد یہ ہی منصب اس کے بھائی داؤد کو مل گیا۔ ۳۱۱ھ میں سعید بن حمدان نہاوند کا حاکم مقرر ہوا۔

کچھ عرصہ بعد موصل کے منصب قضا پہ آپ کا تقرر ہو گیا۔فیصلہ کرنے میں آپ نہایت کھرے تھے۔بے لاگ فیصلہ کرنے میں نہیں جھجکتے تھے اور عموماً فقہ زیدیہ کے مطابق کیا کرتے تھے۔

آپ نہایت عابد وزاہد اور متقی تھے اور اپنی آمدنی کا کثیر حصہ امور خیر پہ خرچ کرتے رہتے تھے۔سیرت وکردار کے لحاظ سے بھی کافی بلند تھے۔علوم دین کے علاوہ آپ کو تاریخ وادب کی کتب کے مطالعہ کا بھی بہت شوق تھا اور آپ کا علمائے معتزلہ اور فلاسفہ سے بھی ربط وضبط تھا۔آپ قدرے ان سے متاثر بھی تھے۔

عمر کے آخری دور میں آپ اپنے صاحبزادے سمعان کو اپنا جانشین مقرر کر کے بغداد تشریف لے آئے تھے۔بغداد میں ہی آپ نے انتقال فرمایا۔

سیدنا سمعان بن ابراہیم

نام: سمعان۔ کنیت ابومحمد لقب مولانا۔

نسب: سمعان بن ابراہیم بن حسین بن جعفر بن علی نقی۔

ولادت: ۳۱۳ھ مطابق ۹۲۵ء بعہد حکومت خلیفہ راضی عباس بغداد میں ہوئی۔

وفات:

۳۷۸ھ مطابق ۳۸۸ھ مطابق ۹۸۸ء بعہد حکومت خلیفہ طالع عباس بغداد میں ہوئی۔

آپ نے قرآن و تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی۔ تاریخ و ادب، فلسفہ و علم کلام میں بغداد کے مختلف علماء و شیوخ سے کسب تعلیم کے بعد آپ میں کافی تبدیلی آ گئی تھی۔ آپ پہ نہ صرف شیوخ معتزلہ کا اثر تھا، بلکہ آپ اسمٰعیلیہ کے ''رسالہ اخوان الصفا'' سے بھی بے حد متاثر ہو گئے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ یہ رسائل واقعی امام احمد بن عبداللہ بن امام اسمٰعیل کے ہیں اور انہوں نے انہیں تصنیف کر کے الحاد و زنادقہ کے سیلاب کے خلاف ایک بند باندھ دیا ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد مسلمان نہ تو اسلام سے بیگانہ رہیں گے اور نہ ہی یونانی فلسفہ کے تاثرات سے مغلوب ہوں گے۔ ان رسائل کی فلسفیانہ تعلیمات دین اسلام کی تائید میں ہی ہیں۔ آپ کو انہی خیالات کے باعث لوگ مولانا کے لقب سے مخاطب کرتے تھے۔

آپ اپنے والدِ ماجد سیّدی ابراہیم کی وفات کے بعد کچھ عرصہ موصل میں درس دیتے رہے، لیکن آپ خود اس قدر مطالعہ میں غرق رہتے تھے کہ دوسروں کو درس دینا آپ کو بار گزرتا تھا۔

آخر آپ نے یہ سلسلہ ہی ختم کر دیا اور تشنگی علم یا تلاش حقیقت میں موصل سے چل پڑے اور مختلف دیار و امصار کے علمی مرکزوں میں پھرتے رہے اور ان درسگاہوں کے اساتذہ اور شیوخ سے اپنی الجھنیں اور اشکالات کا حل دریافت کرتے رہے۔ اسی شوق و تجسس میں آپ بصرہ میں امام ابوالحسن بن اسمٰعیل اشعری سے ملے وہ پہلے سخت قسم کے معتزلی تھے۔ انہیں خواب میں ہدایت ہوئی اور وہ عنائیہ معتزلہ سے تائب ہو گئے۔ آپ ان کے حلقہ درس میں ایک ڈیڑھ سال رہے اور آپ ان کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوئے اور آپ کے خیالات بالکل ہی بدل گئے اور معتزلہ اور فلاسفہ کا طلسم ٹوٹ گیا اور اب آپ اس گروہ (معتزلہ اور فلاسفہ) کے عقائد اور نظریات کی تردید ان کے انداز و طریق سے کرنے لگے۔ کبھی کبھی ان کے خلاف مناظروں میں جاتے اور ان کے ہی ایجاد کردہ طریقوں سے انہیں شکست دیتے۔ ایک مرتبہ آپ کسی ایسے ہی مناظرے کے سلسلہ میں عکہّ (علاقہ شام) میں گئے۔ وہاں آپ کی ملاقات شیخ ابواسحاق شرف الدین شامی سے ہوئی۔

ان سے پہلی ملاقات میں اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کو شیخ کی صحبت سے علاحدہ ہونا مشکل ہو گیا اور آپ عکہّ میں تقریباً ایک سال رہے۔ روزانہ شیخ کی مجلس میں حاضر ہوتے۔ ان کے اشغال میں شامل ہوتے، تصور کے مقامات و مسائل کو شیخ سے سمجھتے، سلوک و عرفان کی شیخ کی مدد سے منازل طے کرتے رہے۔ آخر کچھ مدت کے بعد شیخ سے رخصت لے کر بغداد واپس آ گئے۔

اس کے بعد نہ تو آپ کسی مناظرہ میں گئے نہ کسی سے بحث و مذاکرہ کیا۔ بقیہ تمام عمر عبادت و اشغال میں گزاری۔

آپ نہایت متوکل، قانع اور قلندر صفت انسان تھے، نہ کچھ زر و مال سے رغبت نہ شہرت کی خواہش تھی، نہ امراء سے لگاؤ تھا۔ کوئی رئیس یا حاکم آپ سے ملنا چاہتا تو مجبوراً ملاقات کر لیتے اور انہیں نصیحتیں ہی کرتے۔ عام طور پر ان کے ملنے سے گریز فرماتے۔ آپ نے اپنی تمام عمر طالب علمی میں ہی بسر کی۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند محمد آپ کے جانشین ہوئے۔

مولانا سید محمد بن سمعان

نام: محمد۔

نسبت: محمد بن سمعان بن ابراہیم بن حسین بن جعفر بن علی نقی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۳۴۰ھ مطابق ۹۰۳ء بعہد حکومت خلیفہ مطیع عباسی بغداد میں ہوئی۔

وفات:

۴۱۶ھ مطابق ۱۰۲۵ء بعہد حکومت قادر باﷲ قریۂ چشت ولایت ہرات میں ہوئی۔
خواجہ سید ابو احمد چشتی کے مزار کے متصل قریہ چشت میں آسودہ خواب ہیں۔

آپ نے عربی ادب، قرآن مجید اور حدیث کی تعلیم اپنے والدِ ماجد مولانا سید سمعان سے حاصل کی۔ ۳۷۲ھ میں ابو طاہر ابراہیم، والئ حلب کی خواہش پر آپ حلب چلے گئے اور وہاں درس و تدریس و تلقین میں مصروف ہو گئے۔ اپنے والد کی علالت کے دوران آپ بغداد آ گئے اور والد ماجد کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تو آپ بغداد میں رہے، پھر طلبِ علم کے لیے طوس چلے گئے اور مدرسہ منصوریہ طوس میں حصولِ علم میں مصروف ہو گئے۔ تعلیم کے دوران آپ فرست کے وقت جنگل کی طرف نکل جاتے اور وہاں شہد لاتے اور ایک مٹکے میں جمع کرتے رہتے۔ جب مٹکا شہد سے بھر جاتا اسے بازار میں بیچ آتے اور اس رقم سے اپنا خرچ چلاتے۔ حصولِ تعلیم کے دوران آپ کبھی کبھی مصافات کی طرف چلے جاتے اور وہاں وعظ و تلقین کرتے۔ طوس اور اس کے

مضافات کے لوگ آپ کے اخلاق و کردار سے کافی متاثر تھے اور آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ تکمیل تعلیم کے بعد آپ واپس بغداد جانا چاہتے تھے، لیکن وہاں کے لوگوں کے اصرار پر آپ کو طوس میں قیام کرنا پڑا اور شہر کی ایک مسجد میں درس و تدریس اور وعظ و تلقین کا فریضہ ادا کرنے لگے۔

ایک دن آپ علماء کے مخصوص لباس میں بڑے طمطراق سے مدرسہ منصوریہ سے گھر کی طرف جا رہے تھے کہ آپ کو ایک ضعیف شخص ملا جس کا لباس بوسیدہ اور دریدہ تھا، لیکن وضع قطع اور نورانی چہرے سے صاحبِ دل درویش معلوم ہوتا تھا۔ آپ نے اخلاقاً اسے سلام کیا اور درویش نے خندہ پیشانی سے وعلیک السلام کیا اور کچھ دیر خاموشی سے راہ چلتے رہے۔ پھر درویش نے دریافت کیا۔ ''خواجہ آپ کا اس دارالعلوم سے کیا تعلق ہے؟ اور آپ کا کیا شغل ہے؟'' آپ نے جواب دیا۔ ''اے شیخ میں نے اس دارالعلوم سے علم کی تکمیل کی ہے اور آج کل میں درس دیتا ہوں۔'' درویش نے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے آپ طلب علم سے تھک گئے اور اس پر قناعت کر بیٹھے ہیں جسے آپ علم کہتے ہیں، خواجہ علم کی تکمیل ممکن نہیں۔ اصل علم تو علم حقیقت ہے اور کتابی علم ایک حد تک تو اس راہ کی رہنمائی کر سکتا ہے، لیکن عرفانِ حقیقت عطا نہیں کر سکتا اور کسی مردِ حق آگاہ کی صحبت اور خدمت کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا۔ آپ درویش کی معنی خیز گفتگو سن کر تحیّر میں غرق ہو گئے۔ اس درویش کی ہیئت کذائی کو دیکھ کر آپ کو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ ان چیتھڑوں میں ملبوس کوئی ایسی شخصیت بھی ہو سکتی ہے جو اُن کے خیالات کو بالکل متزلزل کر دے۔ اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد جب درویش رخصت ہونے لگا تو آپ نے اس سے چند روز اپنے ہاں قیام کی درخواست کی، مگر وہ معذرت کر کے رخصت ہو گیا۔ درویش تو چلا گیا، لیکن آپ کی دنیا بدل گئی۔ اب طوس میں آپ کو قرار نہ تھا۔ آپ اس دن سے کچھ محزوں رہنے لگے۔ آپ کے ذہن میں درویش کی بات جم گئی تھی۔ اس واقع کے بعد آپ زیادہ دیر طوس میں نہ ٹھہر سکے؟ صحبتِ مردِ حق آگاہ کی جستجو میں کبھی کہیں جاتے کبھی کہیں۔ اس تلاش و جستجو میں سرگرداں آپ ہرات پہنچ گئے۔ وہاں کے علماء و مشائخ سے ملاقاتیں کیں، طول و طویل گفتگوئیں بھی ہوئیں، لیکن آپ کو وہ بات میسر نہیں آئی جس کی

تلاش میں آپ طوس سے نکلے تھے۔ قیام ہرات کے دوران کسی شخص نے آپ سے شیخ ابواحمد ابدال چشتیؒ کے صاحبزادے خواجہ ابومحمد چشتی سے ملاقات کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ چشت روانہ ہو گئے۔ چشت میں آپ ابومحمد چشتی سے ملے اور ان سے اپنا مقصد اور مشکلات بیان کیں۔ شیخ نے آپ کو تسلی دی اور کہا۔ آپ یہاں کچھ عرصہ قیام کریں۔ بحث وتکرار اور قیل وقال سے اجتناب کریں۔ یکسو ہوکر غور وفکر اور اپنا محاسبہ کرتے رہیں اور مراقبہ میں میرے ساتھ شرکت کریں۔ آپ نے خواجہ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ اس دوران میں آپ نے کیا محسوس کیا اور کیا دیکھا اس کا علم تو آپ کو ہی ہوگا، لیکن کچھ دنوں کے بعد آپ شیخ سے بیعت ہو گئے۔ شیخ ابومحمد چشتی پینسٹھ (۶۵) سال تک عیالدار نہیں ہوئے تھے۔ ان کی ہمشیرہ عصمت خاتون ہی ان کے گھر کا انتظام کرتیں جو مہمان اور درویش آپ کی ملاقات کو آتے ان کے لیے کھانا وغیرہ بھی وہ پکاتیں اور باقی وقت عبادت اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتیں۔ ان کی عمر پینتیس یا چالیس سال کے قریب ہو چکی تھی۔ کچھ تو زہد و عبادت سے رغبت، کچھ بھائی کی تکلیف کے پیش نظر انہوں نے اپنی شادی کی خواہش کو دفنا دیا تھا۔

آپ کے چشت پہنچنے سے کچھ دن پہلے خواجہ ابومحمد چشتی نے اپنے والد خواجہ ابواحمد ابدال چشتی کی خواب میں زیارت کی اور انہوں نے ابومحمد سے فرمایا کہ بیٹا تمہاری ولایت میں ایک نہایت صاحب علم اور صاحب دل شخص جس نے بیشار لوگوں کی اصلاح کی ہے، آنے والا ہے۔ جب وہ آجائے اور آنے والے کا نام محمد بن سمعان ہو تو اپنی بہن عصمت خاتون کا نکاح ان سے کر دینا، چنانچہ جب آپ خواجہ ابومحمد چشتی سے بیعت ہو گئے تو انہوں نے اپنے والدِ ماجد کی ہدایت کے مطابق آپ سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا۔

آپ چشت میں ہی آباد ہو گئے۔ اپنے برادرِ نسبتی اور شیخ کی صحبت اور خدمت میں وقت گزارنے لگے۔ جامع مسجد چشت کی خطابت اور طلباء کی تعلیم بھی آپ کے سپرد ہو گئی۔ آپ کی نسل آپ کے فرزند خواجہ ابویوسف ناصرالدین چشتی سے چلی۔

اقوال:

...... تکمیل علم طلبِ علم کے بغیر ممکن نہیں، اصل علم عرفان حقیقت ہے جو کتابوں سے نہیں، بلکہ خدمتِ مردِ حق آگاہ سے حاصل ہوتا ہے۔

...... ضروری نہیں کہ ہر عالم حق آگاہ بھی ہو۔

...... جب یقین کی دولت ہاتھ آجاتی ہے تو قیل وقال اور شک وگمان ختم ہو جاتے ہیں۔

...... آگاہی مبتلا ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ مبتلاء ہونے سے پہلے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ خبر تو دے سکتا ہے، لیکن حقیقت آشنا نہیں بنا سکتا۔ اس لیے کہ علم خبر سے اور خبر معلومات تو فراہم کرسکتی ہے، لیکن لذات وکیفیات نہیں عطا کرسکتی۔ وصالِ دوست کی لذتیں اور کیفیتیں محسوس ہوتی ہیں، لیکن بیان نہیں ہو سکتیں۔

...... دل تجلی گاہِ دوست اس وقت بن سکتا ہے جب تو اسے ذکر وفکر کی قندیل سے روشن کرے۔

...... کلمہ لا الہ الا اللہ دل کا زنگ دور کرکے اسے صقیل کر دیتا ہے اور ایسی ہی صقیل شدہ قلوب انسانوں کی تقدیر بدل دیتے ہیں۔

...... اسم ذات نفی واثبات کا ذکر التزام سے کرو، اسم ذات کی برکات اور ذکر نفی واثبات کے اثرات عظیم ہیں۔

...... استغفار، عجز وانکسار اور گریہ نیم شبی اختیار کرو۔

...... سینوں کی بے نوری سب سے بڑی بدبختی اور بے بصری ہے، سینوں کا نور قرب خداوندی کی ذمہ داری ہے، یہ ہی نور حقیقت الاسماء ہے، اسی سے پاکیزگیٔ عمل وخرد اور عفت قلب ونگاہ ہے۔

...... اے شخص ہمیشہ آزمائش وابتلاء میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ، سعید روحیں آزمائش اور ابتلاء کے مرحلہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھک جاتی ہیں اور اس کی نصرت وتائید طلب کرتی ہیں اور کامران ہوتی ہیں۔

خواجہ سید ابو یوسف ناصر الدین چشتی

نام:

ابو یوسف۔ لقب ناصر الدین۔

نسب:

ابو یوسف بن محمد بن سمعان بن ابراہیم بن حسین بن جعفر بن امام علی نقی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۵رشوال ۳۷۵ھ مطابق ۱۱۷۹ء بعہد حکومت امیر سبکتگین قریہ چشت ولایت ہرات میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۴ر ربیع الآخر ۴۰۹ھ مطابق ۱۰۴۷ء بعہد حکومت سلطان ابراہیم مسعود غزنوی قریہ چشت میں ہوئی۔ قبر خواجہ ابو احمد ابدال چشتی کی خانقاہ میں ہے۔

آپ نے قران مجید، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم اپنے والدِ ماجد سید محمد بن سمعان سے حاصل کی۔ طریقت میں اپنے ماموں خواجہ ابو محمد چشتی سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

آپ علم و فضل اور حقیقت و معرفت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ نے اپنے شیخ کے

وصال کے بعد رشد و ہدایت کا فرض بخوبی سرانجام دیا اور بہت سے لوگوں کو مقصودِ حقیقی تک پہنچایا۔

نقل ہے کہ آپ کو قرآن کریم حفظ نہ ہوتا تھا۔ جس سے آپ بہت متردد رہتے تھے۔ ایک مرتبہ عالم مراقبہ میں اپنے شیخ خواجہ ابو محمد چشتی کو یہ فرماتے سنا۔ ''فرزند عزیز ہر نماز کے بعد یک صد بار سورۂ فاتحہ پڑھا کرو تا کہ اس تردد سے نجات ملے۔ آپ نے اس کے بعد یہی عمل شروع کیا تو قرآنِ حکیم کسی تردد اور مشکل کے بغیر حفظ ہو گیا۔

آپ کو جہاد کا شرف بھی حاصل تھا۔ نقل ہے کہ جب سلطان محمود غزنوی سومنات فتح کرنے کے لیے ہندوستان روانہ ہوئے تو آپ کے ماموں خواجہ ابو محمد چشتی نے اپنے صحت مند اور جوان مریدوں میں سے دو صد مجاہدوں کا لشکر تیار کیا اور ایک صد مجاہدوں کی سالاری آپ کو عطا کی اور ایک صد مجاہدوں کے سالار خود بنے اور سلطان کے ساتھ ہندوستان روانہ ہو گئے۔ اس فوج کشی میں سلطان کو فتح ہوئے۔ اس جہاد میں آپ نے نہایت دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور مشرکوں کو چن چن کر قتل کیا۔ آپ کو کفار کے خلاف جہاد کا بھی شرف حاصل تھا۔

اخبار الصالحین میں لکھا ہے کہ خواجہ ابو یوسف کو انقطاعِ کلی پچاس برس کی عمر کے بعد حاصل ہوا تھا۔ جب طبیعت اس طرف مائل ہوئی تو آپ خواجہ حاجی مکیؒ کے مزار کے متصل اپنے ہاتھ سے حجرہ تعمیر کر کے ریاضت میں مشغول ہو گئے اور ایک طویل عرصہ وہاں ہی بسر کر دیا۔ آپ کے مکر و فنا کی یہ حالت تھی کہ کبھی کبھی جب آپ وضو کرتے یا گفتگو کرتے یا اس میں مشغول ہوتے آپ اپنے آپ سے غائب ہو جاتے اور یہ عالم استغراق کئی کئی ساعت رہتا۔

آپ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کے ہم عصر تھے۔ ایک مرتبہ وہ چشت آئے تو آپ سے مل کر بہت متاثر ہوئے واپس ہرات پہنچ کر اپنی خاص مجلس میں آپ کی اکثر تعریف کیا کرتے تھے۔

آپ اکثر فقر و فاقہ کی حالت میں رہتے تھے ایک چھوٹا سا باغ جو آپ کے نانا کی طرف سے وراثت میں ملا تھا۔ چند جریب زرعی اراضی ایک رہائشی مکان بس یہی

آپ کی جائیداد تھی، اس سے جس قدر آمدنی ہوتی تھی اس میں صبر و شکر کے ساتھ گزارہ کرتے تھے۔ لباس بھی نہایت سادہ اور موٹا جوتا پہنتے تھے۔ ہمیشہ فقرا کے ساتھ رہتے اور ان کے ساتھ ہی کھانا کھاتے تھے اور غرباء فقرا سے ہی مل کر خوش ہوتے، اگر کوئی اہل دنیا آپ کی مجلس میں آتا تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ تاہم آپ اس سے اخلاق سے پیش آتے اور کلمات نصیحت سناتے اور اسے مسافروں، مسکینوں اور مقروضوں کی خدمت کے لیے فرماتے۔ جب کوئی عقیدت مند کوئی تحفے یا نذر خدمت میں پیش کرتا تو آپ روتے اور فرماتے میں فقیر و مسکین ہوں مجھے فقیر و مسکین ہی رہنے دو۔ یہ چیزیں مجھے آخرت میں تکلیف میں مبتلا کر دیں گی۔ اللہ مجھے معاف کر دو، لیکن پھر بھی اگر کوئی اصرار کرتا تو اسے اپنی خانقاہ کے درویشوں، طلباء اور مسافروں میں تقسیم فرمانے کی ہدایت فرماتے۔

آپ جب سے سجادہ پہ بیٹھے تھے تو آپ نے کوئی نماز قضا کی اور نہ ورد و اشغال اور نہ نمازِ تہجد میں غفلت کی۔ نقل ہے کہ کبھی کبھی آپ دن اور رات میں دو بار قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے۔

آپ کے کئی خلفاء تھے۔ ان میں سے آپ کے چھوٹے صاحبزادے سید مودود چشتی نہایت مشہور ہیں یا ور وہ ہی آپ کے جانشین ہوئے۔ ان کے علاوہ سید قلندر علی سبزواری بھی آپ کے خلیفہ بنے۔

ایک مرید کا نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ جانِ عزیز مرید کے لیے تنہا رہنے سے صحبت بہتر ہے، کیونکہ تنہائی میں آفات میں اور صحبت میں، حالات ملی، حالات اور شیخ طریقت ایک ایک ساعت کی صحبت خلوت سے کئی درجہ بہتر ہے اور خلوت تب اختیار کرے جب کہ خلوت و جلوت اس کے لیے برابر ہو، اگر مرید اس مرتبہ تک نہ پہنچے اور خلوت کا طالب ہو جائے تو اس صورت میں خلوت اس کے لیے موجب آفت ہے۔ جانِ عزیز مرید کو شیخ کی صحبت، نماز پنجگانہ و روزہ، رمضان کی طرح فرض جاننا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے تا کہ اس پر حالات مختلف ہوں۔

...... اے شخص ہمیشہ آزمائش اور ابتلاء کے وقت نصرت الٰہی اور تائید غیبی کے لیے دعا

مانگ، سعید روحیں جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت کرتی رہتی ہیں اور ہر مرحلہ پہ اس کے سامنے جھک کر اس سے نصرت و تائید طلب کرتی اور کامران ہو جاؤ گے۔

...... استغفار، عجز و انکساری اور گریہ نیم شبی اختیار کر۔

...... اسم ذات نفی و اثبات کا ذکر التزام سے کر اسم ذات کی برکات اور ذکر نفی و اثبات کے اثرات عظیم ہیں۔

...... سینوں سے بے نوری سب سے بڑی بدبختی اور بے بصری ہے۔ سینوں کا نور قرب خداوندی کا ذمہ داری ہے۔ یہ یہی نور حقیقت الاسماء ہے۔ اسی سے پاکیزگی عقل و خرد اور عفت قلب و نگاہ ہے۔

قطب الاقطاب خواجہ سید مودود چشتیؒ

نام:

مودود۔ لقب قطب الدین وخواجۂ بزرگ۔

نسبت:

مودود بن ابو یوسف بن محمد بن سمعان بن ابراہیم بن حسین بن جعفر بن امام علی نقی۔ اکثر کتب تصوف میں قطب الاقطاب، اولیاء نامدار، شمع صوفیاں، چراغ چشتیاں کے لقب سے آپ کو یاد کیا ہے۔

ولادت:

۴۳۳ھ مطابق ۱۰۴۱ء سالِ جلوس سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی چشت ولایت ہرات میں ہوئی۔

وفات:

ماہِ رجب ۵۲۷ھ مطابق ۱۱۳۳ بعہد حکومت سلطان بہرام شاہ غزنوی چشت میں ہوئی۔ خانقاہِ حضرت ابو احمد ابدال چشتی کی خانقاہ میں مدفون ہیں۔

تربیت روحانی:

آپ اپنے والد ماجد کے زیر سایہ پروان چڑھے اور سات سال کی عمر میں قرآنِ حکیم حفظ کر لیا۔ ابتدائی دینیات، فارسی اور عربی زبان کی تعلیم مقامی اساتذہ سے حاصل کی۔ ابتداء میں

آپ کی طبیعت میں علم کی طرف کچھ رغبت نہیں تھی، بلکہ عبادت و ریاضت کی طرف زیادہ لگاؤ تھا۔ آپ بیس برس کی عمر میں چھپ چھپ کر عبادت ومجاہدات میں مصروف رہتے اور نوجوانی میں ہی آپ سے خوارق وکرامات کا ظہور ہونے لگا تو آپ کے والدِ ماجد نے آپ کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ اس طرح انسان راستہ میں ہی بھٹک جاتا ہے۔ تاہم اس وقت سے وہ آپ پہ زیادہ توجہ دینے لگے اور ان کی توجہ سے اسرارِ حق آپ پہ منکشف ہوئے۔ انہوں نے اپنے فوت ہونے سے تین سال پہلے ہی آپ کو خرقۂ طریقت عطا فرما دیا تھا۔ اس موقع پر آپ کو یہ بات بھی تاکید فرمائی تھی کہ فرزند عزیز خوب علم حاصل کرو۔

مسند شخصیت پر تمکن اور شیخ احمد النامقی جامی سے ملاقات:

آپ اپنے والدِ ماجد خواجہ یوسف چشتی کی وفات کے وقت آپ کی عمر چھبیس سال تھی۔ آپ اپنے والدِ ماجد کے خلفاء کا مریدوں اور افرادِ خاندان کے اصرار پر رہنے، والد کے جانشین ہو کر مسندِ ارشاد پر بیٹھے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کی ملاقات حضرت احمد النامقی المعروف بہ حضرت احمد جام سے ہوئی۔ انہوں نے بھی آپ کو فیوض باطنی سے نوازا اور آپ کو حصولِ علم کا مشورہ دیا۔ اس سلسلہ میں کتب تصوف میں بڑی دلچسپ باتیں تحریر کی ہیں اور وادیوں میں اس واقعہ کی تصویر کھینچنے میں عجیب طرح کی موشگافیاں کی ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ جب شیخ احمد جامؒ جام سے ہرات تشریف لائے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا تو اس علاقہ میں دُور دور تک آپ کے فضلِ کمال اور کرامات کی شہرت پہنچ گئی اور اس علاقہ میں بھی آپ کے عقیدت مندوں کی بھی خاصی تعداد چشت کے نواح میں بھی ایک دو قریوں میں ان کے عقیدت مند ہو گئے۔ جب شیخ احمد جام نے ہرات سے چشت جاتے ہوئے قلعہ صیبر ز میں سلطان محمد مخدومؒ کے مزار پر قیام کیا تو ان کے کچھ عقیدت مندوں اور خواجہ مودود چشتی کے مریدوں میں اپنے اپنے شیوخ کی بزرگی، علمی تبحر اور کرامات کے متعلق بحث میں کچھ تلخی پیدا ہوگئی۔ ظاہر ہے یہ مریدوں نے فیصلہ کر لیا کہ ان کے شیخ کو چشت میں داخل ہونہ ہونے دیا جائے اور چنانچہ جب شیخ احمد جام چشت کے قریب پہنچے تو

خواجہ مودود چشتی کے جاہل مریدوں کی ایک جماعت شیخ احمد جام کے راستے میں حائل ہوگئی اوران سے گستاخانہ انداز میں کج بحثی شروع کردی اور یہ بھی کہا کہ آپ کو ہمارے شیخ کی ولایت میں آنے کا کوئی حق نہیں۔ نہ ہم آپ کو وہاں جانے دیں گے۔

شیخ احمد جام نے ان جاہلوں کے جواب میں بڑے تحمل سے فرمایا کہ یہ ملک نہ میرا ہے اور نہ مودود چشتی کا۔ اگر ولایت سے مراد وہ کچھ ہے جو ہم جانتے ہیں اور دیگر اولیاء کرام جانتے ہیں تو تم بہت جلد معلوم کرلوگے۔

خواجہ مودود چشتی کو جب اپنے مریدوں کے اس بیہودہ ارادہ کا علم ہوا تو آپ بعجلت وہاں پہنچے اور اپنے مریدوں پہ بہت ناراض ہوئے اوران کی کافی سرزنش کی اور نہایت مؤدب طریق پر شیخ احمد جام کو سلام عرض کرنے کے بعد کہا۔ آپ جانتے ہیں کہ ان بیوقوفوں کے ارادہ کا مجھے علم نہ تھا۔ تاہم میں قصوروار ہوں کہ میں ان کی صحیح تعلیم وتربیت نہ کرسکا۔ آپ خدا کے لیے مجھے معاف کریں اوران لوگوں سے بھی درگزر فرمائیں۔ شیخ احمد جام نے فرمایا۔ معاف کیا، ان سب کو واپس کردو، اپنے ساتھ محض دو خدمت گار رکھ لو۔ خواجہ مودود چشتی نے تعمیل ارشاد کی۔ شیخ آپ کو حجرہ میں لے گئے اور آپ نے فرمایا۔ مصلے طاق پہ رکھو اور جاکر علم حاصل کرو، کیونکہ زاہد بے علم سخرۂ شیطان ہوتا ہے۔ آپ نے کہا۔ میں نے قبول کیا اور ارشاد فرمایا۔ شیخ نے فرمایا۔ جب علم حاصل کرچکو تو اپنے خاندان کی روایات کو تازہ کرو، اس لیے کہ تمہارے آباء واجداد نے اپنے زمانہ میں عظیم کام کیے ہیں۔ آپ نے عرض کیا۔ آپ تبرک کے طور پر اس فقیر کو ان بزرگوں کی جگہ بٹھا دیجیے۔ شیخ نے فرمایا۔ ذرا آگے آئیے۔ آپ نے جب ذرا آگے بڑھے تو شیخ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی مسند پر اپنے ساتھ بٹھایا اور تین بار ارشاد فرمایا۔ ''بشر ماعلم۔'' اس کے بعد آپ چند روز شیخ کی صحبت میں رہے۔ اس دوران میں طرح طرح کے راز درونِ پردہ آشکار ہوئے۔ شیخ نے خوب ہی فیوض وبرکات سے نوازا اور محبت سے رخصت کیا۔

لیکن واقعات کی فرد میں کہانی کا عنصر صرف اتنا ہی جتنا ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

حضرت حسن مودودی لکھنویؒ نے لطائف اشرف کے ایک قلمی نسخہ میں حاشیہ پر پہ دلائل سے ثابت کیا ہے کہ خواجہ مودود چشتی شیخ احمد جامؒ کے کہنے سے علم ظاہر کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے تھے، لیکن ان کی تربیت شیخ احمد جام نے نہیں کی۔ جس وقت ان دونوں بزرگوں میں باہم ملاقات ہوئی تو خواجہ قطب الدین مودود چشتی کمالات حاصل کرچکے تھے اوران کے درمیان ماہ و خورشید کی نسبت تھی۔ سید اشرف جہانگیرؒ نے ایک مکتوب میں ان بزرگوں کی باہم ملاقات کا حال لکھا ہے اور یہ شعر بھی درج فرمایا ہے۔

ازیں سوئے خورشید ازاں سوئے ماہ
رسیدہ بہ برجِ قراں یافتند

تکمیل علم اور علمی روحانی مرتبہ:

آپ شیخ احمد جام کے رخصت ہونے کے ہفتہ عشرہ بعد ہی جانب بخارا روانہ ہوگئے اور بخارا میں شیخ المشائخ خواجہ نجم الدین عمر کے شاگرد ہوئے اوران سے تفسیر وفقہ کے علم کی تکمیل کی۔ دوسرے علوم میں بخارا کے مختلف علماء سے استفادہ کیا۔ چار پانچ سال سعی وکوشش سے مختلف علوم کی تکمیل کرکے چشت واپس آگئے اور چشت آکر بھی آپ ایک عرصہ تک دن رات مطالعہ میں مصروف رہے اور آخرکار آپ علم کے اس مقام پر فائز ہوگئے کہ اکثر علماء بھی آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے پہ مجبور ہوگئے۔ آپ نے اپنے علم وظاہری اور باطنی سے اپنے اردگرد کے علماء کو اپنا گرویدہ بنالیا اوران میں سے کئی بڑے عالم آپ کے مرید ہوگئے۔ جو کوئی آپ کی صحبت اختیار کرتا، متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور باطنی فیض حاصل کرکے جاتا۔ بڑے بڑے مشائخ بھی آپ کی زیارت کرنا باعث برکت وآسودگی خیال کرتے تھے۔ آپ کی زندگی میں آپ کی زندگی میں آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کرگئی تھی۔ دراصل چشتیہ سلسلہ کو آپ ہی کے زمانہ میں زیادہ فروغ حاصل ہوا ہے۔ آپ نے ایک کتاب ''حجۃ السالکین'' بھی تصنیف فرمائی۔

آپ کی تبلیغ سے بہت سے ترک اور مغل قبیلے مسلمان ہوئے۔ اس کے علاوہ کئی گمراہ

فرقوں (کرامی اور قرامطی کے) کے کافی افراد تائب ہو کر سلسلہ احناف میں داخل ہوئے اور متعدد افغان قبائل جن میں خویشکی، شورپانی اور ابدالی سرِفہرست ہیں۔ بدعات سے توبہ کر کے آپ کے سلسلہ میں منسلک ہوئے۔

آپ شریعت پہ بھی سختی سے عمل کرتے تھے۔ آپ کا کوئی قول وفعل شریعت کے خلاف نہ تھا۔ آپ جو کچھ فرمادیتے تھے لوگ بجان و دل اسے قبول کر لیتے تھے۔ آپ کے خوارق و کرامات کی بھی کافی شہرت تھی۔

اشغالِ روزمرہ وفیوض وبرکات:

آپ نہایت عابد وزاہد تھے۔ عبادت وریاضت کا یہ حال تھا کہ آپ نے مدتوں شب خوابی اختیار نہ کی۔ آپ ہمیشہ نماز پنجگانہ جماعت سے پڑھتے اور ہمیشہ باوضو رہتے، ہر وضو کے نفل پڑھتے اور تلاوت قرآن مجید کبھی ناغہ نہ کرتے اور تلاوت قرآن مجید کے دوران کبھی تکیہ کے سہارے سے نہ بیٹھتے۔ سفر وحضرت میں قرآن مجید کو گلے میں حمائل رکھتے۔ جس وقت اذان کی آواز کان میں آتی تمام مشاغل چھوڑ دیتے اور اذان کا جواب دیتے۔ نماز ادا کرنے میں حفظ اوقات پر بہت توجہ دیتے۔ تہجد کی نماز میں کبھی غفلت نہ فرماتے۔ روزانہ ذکر کرتے اور التزام سے مراقبہ میں بیٹھتے۔ ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو روزہ رکھتے۔ چاشت واشراق سے فارغ ہو کر ناشتہ کرتے اور اس کے بعد درس دیتے۔ ظہر کی نماز کے بعد مریدوں کی تربیت میں مشغول ہوجاتے۔

آپ کو زیادہ گفتگو کرنے کی عادت نہیں تھی اور اکثر خاموش رہتے اور غیر ضروری باتوں میں دخل نہ دیتے۔ آپ کا شمار بلاشبہ آئمہ تصوف میں ہوتا ہے۔ عام لوگ آپ کی اقتدا کرتے تھے، صوفیان باصفا آپ کے اقوال کی رہنمائی میں راہِ حیات کی گام فرمائی کرتے تھے۔ آپ سے علم دین وتصوف اسی طرح حاصل کرتے تھے جس طرح عابد عبادت کے جذبہ سے سرشار ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے پیچھے علم بھی چھوڑا اور رجال بلند سرشت بھی اور ان سے فیض باطنی اور حکم تصوف صوفیوں تک منتقل ہو رہا ہے۔

پند ونصائح واقوالِ مبارکہ:

فرزند عزیز تمہارے لیے یہ ہی بہتر ہے کہ تم وزراء اور امراء کی محفلوں سے اجتناب کرو، اگر ایسا اتفاق ہوجائے تو ان کی مدح سرائی نہ کرو۔ اس سے ان کا نفس مغرور ہوجائے گا، بلکہ ان کے عیوب سے ان کو آگاہ کرو۔ ایک فقیر اور گوشہ نشین کا حاکم کی ملاقات سے منشاء بجز ہدایت و نصیحت سے اور کچھ نہ ہونا چاہیے، کیونکہ دنیا کے غرض مند بندوں میں یہ جسارت نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنے دور کے جباروں کو نصیحت کریں۔

رضائے الٰہی کو اپنا مقصود بناؤ، کیونکہ جب بندے کا مقصود رضائے الٰہی بن جاتا ہے تو وہ حق بات کہنے سے نہیں ڈرتا۔ وہ جان کو خطرہ میں ڈال کر بھی یہ فرض ادا کرتا ہے اور جابر سلطان کی بارگاہ میں حق بات کہنا ہی جہادِ اکبر ہے۔

جب کسی جگہ کا انتظام اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ہاتھ میں آجائے یا ان کے مشورہ سے چلایا جائے جن کے دل حق پرستی کے جذبات سے معمور ہوں، جن کی آنکھیں دوست کی تجلی سے منور ہوں، جن کا دماغ فراست مومن سے آسودہ ہو تو حق کو ضرور فروغ ہوتا ہے اور باطل سرنگوں ہوتا ہے۔

اے لوگو! مظلوم کی فریاد سے ڈرو۔ انسان جب مظلوم ومقہور ہوتا ہے اور مصائب و عقوبت سے نڈھال ہوجاتا ہے تو اس کا قلب شکستہ تجلی گاہِ دوست بن جاتا ہے۔ تسکین وحوصلہ بن کر وہ خود سہارا دینے آتا ہے۔ اس وقت اس کی آہ وفغاں اور آنسوؤں میں بلا کی تاثیر ہوتی ہے۔ ایک فریاد عرش کے کنگرے ہلا دیتی ہے اور رجابت خداوندا اس سے بغل گیر ہوجاتی ہے۔ اس وقت اس کے انتقام سے کسی طرح بھی نہیں بچا جاسکتا۔

دل کے چراغ کی روشنی محدود ہوتی ہے اور محدود راہوں تک ہی کام دیتی ہے اور ایک وقت معین کے بعد بجھ جاتی ہے اور پھر انسان اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہے اور راہ حیات گم ہوجاتی ہے۔ اے فرزند اسے معرفت سبحانہ تعالیٰ سے منور رکھ تا کہ حیات فانی سے حیات جاوداں تک

پریشان کرنے والی ظلمتیں تمہاری راہ میں حائل نہ ہوں۔

جب مال انسانی روح میں کثافت پیدا کر دیتی ہے، حق اور دیانت داری سے روکتی ہے، اپنے بھائیوں کا خون پینے پر آمادہ کر دیتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''بدترین ہے وہ شخص جو درہم و دینار کا غلام ہو۔'' لیکن مال و دولت بذات خود بری نہیں اگر اسے غریبوں اور حاجت مندوں پر خرچ کیا جائے اور اس سے خلق کی خدمت کی جائے تو یہ ہی دولت ابر رحمت بن جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''مال اچھی چیز ہے بشرطیکہ مرد صالح کے ہاتھ میں ہو۔''

اللہ کے نیک بندوں کو دنیاوی زیب و زینت اور آرام و آسائشوں سے زیادہ فوز و فلاح عزیز ہوتی ہے، تم دنیا کی آسائشوں، مسرتوں اور درہم و دینا کے لیے مارے مارے پھرتے ہو تو سنو جسم کی خوشی کبھی روح کی خوشی کی ضامن نہیں ہو سکتی۔

...... گناہ صغیرہ کو ہیچ نہ سمجھنا چونکہ مسلسل صغائر کا ارتکاب ایک دن تمہیں کبائر کے راستہ پر ڈال دے گا۔

...... فرزند عزیز! بنی آدم کی خدمت کرو اور بنی آدم کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ کسی گم کردہ راہ انسان کو دین اسلام کے دامن عافیت میں لایا جائے۔

...... مخلوق خدا کی فی سبیل اللہ خدمت اکثر فائز المرامیوں کا موجب بنتی ہے۔

...... دل کو آلودگیوں سے پاک رکھو، کیونکہ ذات واجب الوجود ایسے دل پر اپنی تجلیات کا عکس نہیں ڈالتی جس میں طاغوت بستے ہوں۔

...... جو مصیبت رحمت ہو اس میں ایک کیفیت و سرور ہوتا ہے۔ خواہ وہ مصیبت بظاہر کتنی ہی پریشان کن نظر آئے۔ مقربین بارگاہ کی مصیبت چونکہ رحمت ہوتی ہے اس لیے انہیں آزردہ اور بے کیف نہیں کرتی، بلکہ کیفت و انبساط عطا کرتی ہے۔

...... فقر و درویش کے مقام سے وہ دور ہیں جو فقر و درویشی کا لبادہ اوڑھ کر عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں اور جاگیریں ان کا سرمایہ ہیں، لیکن اہل حاجات کے لیے ان کے پاس

بجز بے اثر دعاؤں کے سوا کچھ نہیں۔

...... مشائخ کا دیدار ایک سعادت ہے۔ اپنے وقت کا کچھ حصہ مشائخ روزگار کی صحبت میں گزارو۔ ان کی صحبت سے جس قدر فائدہ ہوتا ہے وہ چلوں اور مجاہدوں سے نہیں ہو سکتا۔

...... اے فرزند! سلوک میں مرد کامل (ولی) وہ ہے کہ نبوت کے پندرھویں درجے میں پہنچے اور مردہ کے لیے دعا کرے تو وہ زندہ ہو جائے۔

...... جس نے اللہ کے دوستوں کو نہ پہچانا وہ اللہ کو بھی نہیں پہچان سکتا۔

...... صاحب عرفان، ہی صاحب عرفان کو دیکھتا ہے، بلکہ حق کو دیکھتا ہے جو اس کے ساتھ ہے۔

...... اخوانِ طریقت سے باہم ایسی محبت اور اخلاص ہونا چاہیے کہ من و تو کی نسبت نہ باقی رہے۔

...... لباس وہ پہنو جس سے غرور نہ پیدا ہو، علماء و مشائخ ایسا لباس اسی وقت پہننا زیب دیتا ہے جب ان کا مقام حاصل ہو۔

...... اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت بھی ایک صوفی کے لیے اہم ہے، لیکن اس سے غرض فاتحہ، عبرت اور صاحب مزار کی روح سے فیوض کا حصول ہونا چاہیے، قبر کو سجدہ کرنا اور بوسہ دینا، علماء اور مشائخ نے ناجائز قرار دیا ہے۔

آپ کے مشہور خلفاء:

آپ کے خلفاء تو بہت ہوئے ہیں۔ چار خلفاء سید ابو احمد چشتیؒ، حضرت شریف زندنیؒ، شاہ سجانؒ اور حضرت پیر کبارؒ زیادہ مشہور ہیں اور ان سے سلسلہ کو زیادہ فروغ ہوا ہے۔

۱۔ خواجہ سید ابی احمد مودودی چشتی:

اسم گرامی: ابی بن سید مودود چشتی بن ابو یوسف بن سید محمد بن سمعان بن ابراہیم بن حسین بن جعفر بن امام علی نقی۔

ولادت: آپ کی ولادت ۴۷۷ھ مطابق ۱۰۸۴ء بعہد حکومت سلطان ابراہیم غزنوی چشت میں ہوئی۔

وفات: آپ کی وفات ۵۶۰ھ مطابق ۱۱۶۵ء بعہد حکومت سلطان غیاث الدین بن سام غوری چشت میں ہوئی اور چشت میں ہی آپ کا مزار ہے۔

آپ نے قرآن، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم اپنے والدِ ماجد خواجہ مودود چشتی سے حاصل کی۔ دوسرے علوم کی تکمیل علماء ہرات سے کی۔ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت ہوئے اور خرقۂ خلافت حاصل کی۔

اپنے والد خواجہ مودود چشتی کی وفات کے بعد سجادہ پر بیٹھے۔ خاندانی روایت کے مطابق لوگوں کی ظاہری و باطنی اصلاح و درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

آپ لوگوں کے ساتھ نہایت شفقت و مروت سے پیش آتے تھے۔ غریب اور امیر کو عاجزی سے ملتے۔ اس واسطے آپ ہر مسلک و خیال کے لوگوں میں مقبول تھے۔ زہد و ورع و ریاضت و عبادت میں انہماک کے علاوہ کتاب و سنت کے سختی سے پابند تھے۔ ریاکاری اور وضعیت سے فرار اور سادگی کے قائل تھے۔ آپ زیادہ تر تبلیغ، تعلیم دین اور مطالب قرآن و حدیث کی تفہیم پیدا کرنے میں مصروف رہے۔

ایک مرتبہ آپ نے خواب میں جناب رسالت مآب ﷺ کی زیارت سے سرفراز ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے آپ سے فرمایا۔ اے ابی احمد اگر تو ہمارا مشتاق ہے تو ابھی تک کیوں ہماری خدمت میں نہیں آیا۔ چنانچہ خواب سے بیدار ہوتے ہی آپ سفرِ حجاز کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ کے متعدد عقیدت مند آپ کے ہمراہ سفر کے لیے تیار ہو گئے، لیکن آپ نے تین عقیدت مندوں کو اپنی ہمسفری کا اعزاز بخشا۔ آپ ارضِ مقدس میں حج کے دنوں میں پہنچے۔ حج کے شرائط اور مناسک سے فارغ ہو کر جانب بطحا روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر صاحب روضہ شریف پہ درود و سلام عرض کیا اور اس کے بعد کیا ہوتا رہا وہ آپ ہی جانتے ہیں۔ آپ پر کس قدر فیوض و برکات کا نزول ہوا کس کو نہیں معلوم۔ روایت ہے کہ آپ چھ ماہ تک روضہ شریف کی جاروب کشی کرتے رہے۔ آپ کی یہ مسلسل جاروب کشی و مجاورت مستقل خدام پہ گراں گزری اور انہوں نے آپ کو

تنگ کرنا شروع کر دیا تو خدام کو حضور اکرم ﷺ نے خواب میں یہ ہدایت فرمائی کہ انہیں تکلیف نہ دو، یہ ہمارے مشتاق ہیں۔ اس کے بعد تو خدام آپ کا نہایت ادب و احترام کرنے لگے، لیکن پھر آپ مدینہ منورہ سے جلد ہی بغداد روانہ ہو گئے۔ بغداد سے آپ شیخ ابو نجیب سہروردیؒ کے مہمان ہوئے۔ شیخ نے آپ کی بے حد تعظیم و تکریم کی۔ آپ سے بغداد کے مشائخ و علماء سے ملایا۔ خلیفۂ وقت نے موافق اس خواب کے جو اس نے دیکھی تھی آپ کو قصرِ خلافت میں مدعو کیا۔ آپ جب قصرِ خلیفہ پہنچے تو خلیفہ نے نہایت عزت و احترام سے قصر سے باہر آ کر آپ کا خیر مقدم کیا۔ آپ نے خلیفہ کو بزرگوں کے حالات سنائے، نیک مشورے، نصیحتیں فرمائیں۔ رخصت پر خلیفہ نے آپ کی خدمت میں زر و مال اور تحائف پیش کیے۔ آپ نے خلیفہ کا دل رکھنے کے لیے قبول کر لیا اور واپس شیخ نجیب سہروردیؒ کی خانقاہ میں خدام، درویشوں اور طالب علموں میں تمام زر و مال اور تحائف کو تقسیم کر دیا۔

بغداد میں آپ نے تمام آئمہ اہل بیت، علماء اور مشائخ کے مزارات کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھا۔ بغداد میں چند روز قیام کے بعد آپ خراسان کی طرف روانہ ہو گئے۔ خراسان میں بھی آپ کو چند روز قیام کرنا پڑا۔ چونکہ باشندگان خراسان آپ سے بڑی ارادت اور عقیدت رکھتے تھے۔ وہاں سے آپ ہرات، غزنی، بوشنج، جبل غور، موافعات مرغیس و بدغیس اور سمنان کے لوگوں کو جب حج بیت اللہ شریف سے واپس آنے کی خبر ملی تو وہ لوگ آپ کی زیارت کے لیے ہرات آ گئے۔ اس لیے مجبوراً آپ کو ہفتہ عشرہ تک ہرات میں قیام کرنا پڑا اور پھر وہاں سے آپ چشت روانہ ہو گئے۔ چشت میں کئی دن مضافات کے لوگ آپ سے ملاقات کے لیے آتے رہے۔

معزالدین ملک الحسین غوری سے ملاقات:

فیروزکوہ سے آپ کی ملاقات کے لیے امیر معزالدین ملک الحسین غوری بھی حاضر ہوا اور ملک الحسین نے آپ سے بے حد عقیدت اور احترام کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ جس طرح میرے بزرگ اور قبیلہ کے اکابر آپ کے بزرگوں کے خادم رہے ہیں اسی طرح میرے قبیلہ والے اور میں

آپ کے خادم ہیں۔ اپنی دعاؤں میں ہمیں شامل رکھا کریں اور مشوروں نصائح سے نوازا کریں، چنانچہ آپ نے اس کو مشورے بھی دیئے، نصیحتیں بھی کیں اور دعائیں بھی دیں۔ ملک الحسین رخصت ہوئے۔ آپ کی خانقاہ اور مکتب کے لیے سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور آپ سے استدعا کی کہ اسے منظور فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے اس کی یہ پیشکش قبول کرلی۔

درس و تدریس اور تبلیغ دین:

چشت میں آپ کا زیادہ وقت درس و تدریس یا عقیدت مندوں کی باطنی تربیت واصلاح میں گزرتا۔ کبھی کبھی ہرات، غزنی، بلخ، ناغور، نیشاپور، سبزوار اور ماءالنہر کا تبلیغ کے لیے سفر کرتے، چونکہ ابھی افغانوں، مغلوں اور ترکوں کے بہت سے قبائل کفر پر ہی تھے اور جو مغل، ترک اور افغان مسلمان ہوگئے تھے ان میں ابھی تک اپنے آبائی دین کا اثر تھا۔ بہت سی مشرکانہ رسوم ان میں ابھی باقی تھیں۔ دین اسلام کا ابھی پوری طرح انہیں علم نہ تھا۔ اس کے علاوہ ان میں اکثر قبائل قرامطی، اسمٰعیلی اور کرامتی تھے یا ان فرقوں کے خیالات وعقائد سے بری متاثر تھے اور عام مسلمان بھی ان فرقوں کی پھیلائی ہوئی بدعات اور گمراہیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ آپ ان قبائل میں جاتے وعظ وتلقین کرتے۔ اپنے خلفاء کو ان کی تعلیم وتربیت کے لیے مختلف قبائل میں بھیجتے، چنانچہ آخر کار آپ کی کوششیں بارآور ہوئیں، بہت سے ترک، مغل اور قبیلے مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ قرامطی، اسمٰعیلی اور کرامتی عقائد سے تائب ہوگئے اور ان قبائل میں تعلیم دین کے حصول کا شوق پیدا ہوگیا۔

قرامطیوں اور اسمٰعیلیوں سے جہاد:

آپ اسمٰعیلی اور قرامطی خیالات وعقائد کے تو بے حد ہی خلاف تھے۔ آپ کی عمر کا زیادہ حصہ ان کی فتنہ انگیزیوں، گمراہیوں اور بدعات کے طلسم توڑنے میں گزرا، بلکہ ایک مرتبہ تو آپ کو ان سے جہاد بھی کرنا پڑا۔ اس جہاد کی داستان اس طرح ہے کہ خراسان میں دو شخص محمد اور

مسعود جن کا پیشہ ڈاکہ زنی اور لوٹ مار تھا، انہوں نے اپنے ساتھ اپنے ہی جیسے جرائم پیشہ لوگوں کی جمعیت اکٹھی کرلی اور شہر سبزوار کے قریب پہاڑ کے غاروں میں پناہ گزین ہوگئے اور منظم طریق پر راہزنی، لوٹ مار اور فساد کرنے لگے۔ ایک رات انہوں نے شہر سبزوار پہ حملہ کرکے شہر پر قبضہ کرلیا اور اس کے بعد اور کئی مواضعات کو بھی حدود میں شامل کرلیا اور بہت مال واسباب اور لشکر جمع کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مقامی انتظامیہ اور فوج ان کو دبانے میں ناکام رہی۔ اسی دوران میں ان کی ملاقات قرامطہ یا اسمٰعیلیہ کے ایک شیخ حسن سے ہوگئی۔ شیخ حسن نے ان پر کچھ ایسا جادو کیا کہ یہ سب اسمٰعیلی یا قرامطی ہوگئے اور شیخ حسن کو اپنا امام تسلیم کرلیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس علاقے کے اہل سنت مسلمانوں پر ظلم وجبر شروع کردیا۔ مسلمانوں کی آبادیوں اور قافلوں کو لوٹنا اور قتل کردینا ان کا معمول ہوگیا اور علاقہ مزید مواضعات اور شہر ان کے قبضہ میں ہوگئے۔

سلطان طغی تیمور نے ان کی سرکوبی کے لیے لشکر بھیجا، لیکن انہوں نے اس لشکر کو شکست دے دی۔ ازاں بعد سلطان نے اپنے نائب ارغون شاہ کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ انہوں نے انہیں بھی شکست دیدی اور سلطان کے کئی بلاد سرخس، اُلزاوہ اور طوس بھی ان کے قبضہ میں آگئے اور ان کے امام شیخ حسن نے مقبرۂ امام علی رضاؓ میں اپنا مسکن بنالیا اور اپنے عقائد کی تبلیغ کرنے لگا۔ سلطان طغی تیمور بنفس نفیس ایک کثیر لشکر لے کر ان کی بیخ کرنے کے لیے آیا، لیکن انہوں نے سلطان کو بھی شکست دے دی اور مسعود نے شہر جام پر قبضہ کرلیا۔ آپ (خواجہ سید ابی احمد چشتیؒ) مسلمانوں کی مسلسل شکست اور اسمٰعیلیوں اور قرامطیوں کے پیہم فتوحات سے بے حد فکر مند اور بے چین ہوئے۔ ملک الحسین غوری سے ملے اور اس اس فتنہ کو دبانے پر آمادہ کرنے لگے۔ امیر خود بھی اس سلسلہ میں فکر مند اور مشوش تھا۔ چونکہ اس کے علاقہ کی سلامتی بھی خطرہ میں تھی، لیکن اس وقت قوت ابھی اتنی نہ تھی کہ اس دشمن سے ٹکر لے جس نے سلطان طغی تیمور کو شکست فاش دیدی ہو۔ امیر نے آپ سے اپنے خدشات اپنی قوت وطاقت سے پوری طرح آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے ٹکر لیے بغیر بھی چارہ نہیں اور اگر انہوں نے مزید طاقت حاصل کرلی تو پھر آپ کے اقتدار

کی خیر نہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر ان پر حملے کی پوری تیاری ابھی سے شروع کر دیجیے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تمام مسلمان، علماء اور مشائخ پورے جوش وخروش سے آپ کا ساتھ دیں گے۔ میں خود اور میرے تمام عقیدتمند بھی جہاد میں حصہ لیں گے۔ اس کے علاوہ جنگی ضروریات کے لیے عوام اور امراء سے مال وزر میں خود حاصل کروں گا۔ آپ اندیشوں کو دل سے نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہے۔ مجھے یقین ہے اس جہاد میں اللہ تعالیٰ ہمیں فتح ونصرت عطا فرمائے گا۔ آپ کی اس حوصلہ افزا گفتگو سے امیر ملک الحسین دلیر ہوگیا اور اس نے کہا۔ خواجہ اگر آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو ہم اس فتنہ کو دبانے میں کامیاب ہو جائیں گے، چنانچہ اس گفتگو کے بعد امیر جنگی تیاری میں مصروف ہوگیا۔ آپ نے بھی عام علماء ومشائخ سے جہاد کے لیے مال وزر جمع کرنے اور لوگوں کو جہاد میں سرفروشانہ حصہ لینے کے لیے آمادہ کیا۔ تمام علماء اور مشائخ علاقہ میں پھیل گئے اور اپنی پرجوش خطابت سے لوگوں کے دلوں میں جہاد کی آگ بھڑکا دی۔ آپ بھی موافعات مرغیس، بدغیس، بوتیج اور سمعان روانہ ہوگئے۔

وہاں کے جنگجو قبائل کو اپنی تقاریر سے جوش دلایا وہ تمام قبائل اپنے اسلحہ اور گھوڑے لے کر ملک الحسین کی خدمت میں پہنچ گئے اور آپ بھی اپنے مریدوں کی فوج ظفر موج کے ہمراہ ملک الحسین سے آملے اور دشمن کی جانب روانہ ہوگئے۔ دشمن بھی غافل نہ تھا اور حوصلہ مند بھی تھا وہ خود آگے بڑھ آیا۔ حتیٰ کہ فریقین کی فوجوں کا صحرائے بوشنج میں آمنا سامنا ہوگیا۔ ملک الحسین نہایت فراست سے فوجوں کو ترتیب دیا۔ یمن ویسار اور قلب میں نہایت دلیر وجانباز لشکریوں کو مقرر کیا ہراول میں فروزکوہ لشکر کو بھیجا اور نہایت منظم طریق پر جنگ آغاز کیا۔ فریقین نہایت دلیری سے اور جم کر لڑتے رہے۔ آخرکار ملک الحسنین کے ایک زوردار حملہ سے دشمن کے لشکر کی ترتیب بگڑ گئی۔ دوسرے حملہ پر دشمن کے سردار سلور کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان جنگ سے بھاگ گیا، لیکن ان کا امام شیخ حسن نہایت سختی سے مقابلہ کرتا رہا حتیٰ کہ وہ قتل ہوگیا۔ اس کے ہزاروں سپاہی مارے گئے۔ چالیس ہزار کے قریب گرفتار ہوگئے۔ قتال کا آغاز چاشت کے وقت ہوا تھا دشمنوں کو شکست

زوال کے بعد ہوئی۔ ملک الحسین جب گھوڑے سے اترا تو دوپہر کے ڈھائی بجے تھے۔ اس وقت تمام لشکریوں نے وضو کیا، مؤذن نے اذان دی اور آپ نے ظہر کی نماز کی امامت کی اور دُعا کے بعد معلوم ہوا کہ بیس ہزار جنگی قید بھاگ گئے۔ ان کے تعاقب میں لشکر روانہ کیا۔ باقی قیدیوں کے لیے امیر نے قتل کا حکم دیا۔ اس لیے ان کی گردنیں کٹتی رہیں۔ بھگوڑے قیدیوں میں سے دس ہزار کے قریب مار گئے۔ دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد ملک الحسین نے لشکر کو واپس ہرات جانے کا حکم دیا۔ اس فتح سے ملک الحسین کی شہرت اور رُعب داب اردگرد کے تمام علاقہ میں ہوگیا اور اس کا اقتدار بھی مستحکم ہوگیا اور غزنی قبائل (ترکوں کے وہ قبائل جو سلجوقیوں کے زوال پر اقتدار پکڑ گئے تھے) بھی اس کے آگے جھک گئے۔ انہوں نے بھی امیر سے امن، دوستی اور وفاداری کا عہد کرلیا۔ اس جنگ کے بعد ملک الحسین کے دل میں اور بھی آپ کی عقیدت اور احترام بڑھ گیا اور غزنی، ہروت، خراساں کے علماء اور مشائخ بھی نسبتاً آپ کا احترام زیادہ کرنے لگے۔ اس جہاد کے بعد آپ پھر اصلاح اور تبلیغ دین میں مصروف ہوگئے۔

فقیہ نظام الدین کا افسوسناک قتل:

ایک مرتبہ آپ کو ایک ایسی رانع سے دوچار ہونا پڑا۔ جس کا افسوس آپ کو تمام زندگی بھر رہا۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ ہرات میں فقیہ نظام الدین سے آپ کے نہایت اچھے تعلقات تھے اور فقیہ کا ہرات کے لوگوں میں بھی بڑا اثر ورسوخ تھا۔ فقیہ شعلہ بیان خطیب میں تھے۔ دوسرے ملک الحسین کے چچازاد بھائی ملک دانا سے بھی گہرے تعلقات تھے، لیکن فقیہ شریعت کے احکام کے معاملہ میں نہایت متقدر تھے۔ جب ان کو کسی منکرات کا علم ہوتا تو ملک دانا کے مدد سے بدل ڈالتے اور اس سلسلہ میں انتہائی سختی سے کام لیتے تھے اور اس معاملہ میں وہ عقل تدبر، مصلحت اور عنصر کے قائل نہ تھے۔ ایک مرتبہ انہیں پیم چلا کہ آج ملک الحسینی کے گھر میں شراب کا دور چل رہا ہے تو وہ ہزار آدمیوں کو جوش دلا کر اپنے ساتھ لائے اور قصر کو گھیر لیا۔ ملک الحسین فقیہ کی اس حرکت پر بالکل تیش میں نہیں آیا، بلکہ اس نے قصر سے باہر آکر چند معززین اور فقیہ کو قصر کے اندر آکر

دیکھنے کے لیے کہا، چنانچہ چند معززین اور فقیہ اندر گئے وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ملک الحسین نے کہا آپ پہلے خبر کی تصدیق کر لیا کریں اور پھر ہنگامہ آرائی کیا کریں میں کبھی شراب پیا کرتا تھا اب قطعی نہیں پیتا، لیکن فقیہ نے کہا آپ شراب تو پیتے تھے اور شریعت کی سزا سے بچتے رہے۔ اب آپ پہ شریعت کی حد جاری ہو گئی۔ ملک الحسین نے کہا کہ اگر توبہ کے بعد بھی ہیں سزا کا مستوجب ہوں تو آپ حد جاری کریں، چنانچہ قصر کے اندر ملک الحسین پہ حد جاری کی۔ اس طرح یہ ہنگامہ ختم ہو گیا۔ اس طرح عام لوگوں پر فقیہ نظام الدین کی قوت، زور اور رعب قائم ہو گیا۔ اسی طرح ایک موقعہ فقیہ نے ہزاروں آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر تیمور الطغی سے ایک ہندی مغویہ عورت کو چھین لیا۔ یہ ترک سلطان تیمور طغی کا ایک بہادر امیر تھا۔ اس کا قیام نواح ہرات کے صحرا میں تھا۔ اس کے ساتھ وہاں پچاس ہزار ترک تھے جو نہایت وحشی اور بہادر تھے۔ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور یہ ہمیشہ سے بلاد ہند پہ چھاپے مارتے رہا کرتے تھے اور لوگوں کو لوٹا کرتے اور کفاران ہند کی عورتوں کو زبردستی ساتھ لے آتے تھے۔ ان لوگوں میں بہت سے لوگ شراب کے رسیا بھی تھے۔ یہ جب ہندوستان جاتے یا آتے تو ہرات میں بھی چند روز گزارتے اور اپنی عادت کے مطابق شراب بھی پیتے۔ اس حالت میں اگر کوئی شرک فقیہ نظام الدین کو مل جاتا تو وہ اسے پکڑا دیتے اور ان پر حد جاری کرتے اور مغویہ عورتوں کو ان سے چھین کر آزاد کر دیتے۔ اسی طرح فقیہ کو معلوم ہوا کہ امیر تیمور الطغی ہندوستان سے کسی حسین عورت کو اغوا کر کے لایا ہے اور اس عورت کے کان بھی چھدے ہوئے ہیں اور غالباً وہ مسلمان عورت ہے، چنانچہ فقیہ دو صد آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر کی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ اس وقت کے امیر کے خیمہ میں دو آدمی اور ایک عورت کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ فقیہ نے عورت کو پکڑ لیا اور امیر کو بہت بے عزت کیا۔ وہ اس ہجوم کے سامنے بے بس تھا۔ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور کچھ نہ بولا، لیکن اس امیر پر اس واقع کا بہت اثر ہوا۔ اس غصہ کا اظہار اس نے اس طرح کیا کہ تین چار دن بعد امیر تیمور الطغی نے ہزار ترکوں کے ساتھ ہرات پہ تافت کی، لیکن نہ تو شہر میں کسی کو قتل کیا نہ مال و زر لوٹا، لیکن تمام ہرات اور اس کے مضافات میں کوئی گھوڑا اونٹ، خچر

اور گدھا چھوڑا اور ان تمام مویشوں کو صحرائے مرغیس میں لے گیا۔ ملک الحسین کو جب معلوم ہوا کہ یہ واقعہ فقیہ کی زیادتی کے باعث ہوا ہے تو اسے بہت افسوس ہوا اور فقیہ پر بھی اسے بہت غصہ آیا۔ امیر تیمور الطغی گھوڑے ایسی جگہ لے گیا تھا جہاں کسی کو ان سے تاب مقامت نہ تھی اور بغیر گھوڑوں اور خچروں کے ملک الحسین ان کا تعاقب نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ ملک الحسین نے گھوڑوں اور دوسرے مویشوں کے حصول کے لیے اپنا ایک سفیر امیر تیمور الطغی کے پاس روانہ کیا اور اسے ایک مکتوب بھی لکھا جس سے اسے اس معاہدہ دوستی کی طرف توجہ دلائی جو ماضی مین ان کے مابین ہوا تھا، لیکن امیر ابھی تک غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ اس نے سفیر کو جواب دیا کہ جب تک ملک الحسین نظام الدین کو ہمارے حوالہ نہیں کرتا اس وقت تک نہ تو مویشی مل سکتے ہیں نہ دوستی اور صلح کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس جواب کو سن کر سفیر واپس آ گیا اور ملک الحسین کو امیر کے جواب آگاہ کر دیا۔ یہ جواب سن کر ملک الحسین نہایت فکر مند ہو گیا۔ اس کی ابھی اتنی طاقت نہیں تھی۔ وہ اب وقت صحرائے مرغیس میں جا کر ترکوں سے جنگ کرے اور پھر اس صورت میں جبکہ نہ تو سواری کے لیے گھوڑے نہ بار برداری کے لیے خچر، اونٹ اور گدھے موجود ہیں۔ دوسرے وہ اس وقت ترکوں کے ساتھ جنگ کرنا خلاف دانشور مصلحت ہی سمجھتا تھا، بلکہ اسے تو اس وقت ان کے تعاون اور دوستی کی ضرورت تھی، لیکن فقیہ کو بھی اس کے سپرد نہیں کیا جا سکتا تھا، چونکہ اہل ہرات پر اس کا بڑا اثر تھا۔ اس کے چچا زاد بھائی ملک درنا سے فقیہ کے نہایت گہرے تعلقات تھے۔ ملک الحسین ایک ایسی خطرناک انجمن میں پھنس گیا تھا جس سے نکلنے کی اسے بظاہر کوئی صورت نہ نظر آ رہی تھی۔ وہ بار بار سوچتا تھا۔ اپنے امراء سے مشور کرتا تھا، لیکن اس معاملہ سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی صورت نہ بن رہی تھی۔ اسی دوران میں آپ (ابی احمد چشتی) ہرات آئے تو ملک الحسین نے اس سلسلہ میں آپ سے تمام صورت بیان کی اور کہا کہ ان ترکوں میں آپ کا کافی اثر ہے اور امیر تیمور الطغی آپ کی بہت عزت کرتا ہے۔ آپ فقیہ نظام الدین کو اس کے پاس پہنچائیں اور اسے معافی دلوا دیں اور از سر نو اس سے معاہدۂ امن و دوستی قائم کریں تا کہ وطن ایک بڑے حادثہ سے دوچار ہونے سے بچ جائے۔

آپ کو ملک الحسین کی اس تجویز سے تو اتفاق تھا کہ اس طرح امیر تیمور الطغی بھی راضی ہو جائے گا اور خطرہ سے دوچار ہونے سے بچ جائے گا، لیکن فقیہ کا اس تجویز سے متفق ہونا مشکل نظر آ رہا تھا۔ آپ نے امیر سے کہا، لیکن فقیہ کو کون رضا مند کرے گا۔ ملک الحسین نے جواب دیا کہ میں ان کو آمادہ کرلوں گا۔ کچھ آپ اور دوسرے مشائخ اور علماء بھی انہیں صورت حال کی خرابی سے آگاہ کریں، مگر فقیہ ترکوں سے ڈرتے تھے اور ان کے پاس نہیں جانا چاہتے تھے، لیکن جب ملک الحسین نے ان کو سمجھایا اور امراء اور علماء بلکہ عام لوگ بھی ملک الحسین کی تجویز سے متفق ہو گئے، کیونکہ کوئی بھی اتنی سی بات کی خاطر ملک کو جنگ کی بھٹی میں جھونکنے کو تیار نہ تھا۔ تو فقیہ بھی مجبوراً امیر تیمور الطغی سے معافی مانگنے کے لیے تیار ہو گئے، چنانچہ ملک الحسین کے بعض امراء ہرات کے کچھ علماء آپ اور آپ کے چند مرید فقیہ نظام الدین کے ہمراہ امیر تیمور الطغی سے ملے۔ آپ نے امیر سے کہا کہ ملک الحسین کو اس ناگوار واقعہ کا بہت افسوس ہوا اور وہ آپ سے معافی خواہ ہیں۔ آپ کی دوستی کے ماضی کی طرح وہ خواہاں ہیں۔ فقیہ نظام الدین سے بھی یہ حرکت غلط فہمی کی بناء پر سرزد ہوئی ہے۔ جس کے باعث یہ سخت شرمندہ ہیں اور معافی چاہتے ہیں۔ ملک الحسین کی اور میری بھی یہ خواہش ہے کہ آپ فقیہ کو معاف کر دیں۔ فقیہ نظام الدین جو آپ کے مواجہ کھڑے تھے ابھی ان کی زبان سے معافی کے الفاظ بھی پوری طرح ادا نہیں ہوئے تھے کہ امیر چلایا معاف کیجیے خواجہ یہ وہ شخص ہے جس نے میری بیوی کو مجھ سے چھین لیا ہے اور مجھے سخت بے عزت کیا ہے۔ اسے کچھ سزا تو ضروری ملے گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک تھپڑ فقیہ کے سر پر مارا جس سے فقیہ بے ہوش ہو گئے۔ آپ نے فقیہ اٹھایا تو وہ ختم ہو چکے تھے۔ امیر اپنے خیمہ میں جا چکا تھا۔ امیر کو خیال نہیں کہ فقیہ ایک تھپڑ میں جان دیدے گا اور نہ آپ بھی یہ سمجھتے تھے کہ فقیہ ایک تھپڑ میں مر جائے گا، لیکن فقیہ بیچارا زبان و قلم کی لڑائی لڑنے والا تھا۔ اس دیوزاد وحشی ترک کا تھپڑ کیا برداشت کر سکتا تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ سب حیران اور مغموم تھے۔ آخر انہوں نے فقیہ کی وہاں ہی نماز جنازہ ادا کی اور انہیں وہاں دفن کر دیا۔ امیر پھر وفد کو نہیں ملا، لیکن اس نے تمام گھوڑے اور مویشی واپس کر دیئے اور کہلا

بھیجا کہ ہم ملک الحسین کے اسی طرح دوست ہیں۔ ہمارا ارادہ فقیہ کو قتل کرنے کا نہیں تھا، محض سزا دینے کا تھا۔ ہمیں علم نہیں کہ وہ معمولی سی سزا سے جان دینگے۔ غالباً ان کی موت اسی طرح مقدر ہو چکی تھی۔ بہر حال آپ نہایت مغموم حالت میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ ہرات پہنچ کر ملک الحسین کو تمام واقعات سے آگاہ کیا۔ ملک الحسین کو بھی فقیہ نظام الدین کی موت کا بہت افسوس ہوا، لیکن فقیہ کی قربانی ہزاروں انسانی جانوں اور ملک کو تباہی سے بچا گئی۔

فقیہ کی موت کا انتقام:

کچھ مدت کے بعد امیر تیمور الطغی ہرات آیا اور اس نے شہر سے باہر اپنے خیمے لگائے۔ آپ کے چند مرید اپنی فرغلوں میں تلواریں چھپا کر امیر کی خدمت میں سلام کے لیے پہنچ گئے اور موقع ملتے تلواریں نکال کر امیر پر ٹوٹ پڑے اور جو خدام امیر کو بچانے آئے وہ بھی امیر کے ساتھ قتل کر دیئے۔ اس وقت غور اتنے مضبوط ہو گئے تھے کہ ترکوں کو اپنے سردار کے انتقام کی جرأت نہ ہوئی۔ امیر تیمور السطی کا اب ترکوں میں بھی کوئی خاص اقتدار نہ رہا تھا۔

سلسلہ چشتیہ کا فروغ:

آپ کی زندگی میں ہی آپ کا سلسلہ دور دراز مقامات تک جا پہنچا تھا۔ غور، غزنی، ہرات، کابل، سنیمان، بدخشاں، مزار شریف، ترمذ، بخارا، بوشنج، بلخ، بدغیس، مرغیس، افسیں، قرچستان، طالبان، نیشاپور، شہر بز اور ہندوستان وغیرہ مقامات میں آپ کے خلفاء رشد و ہدایت اور فریضۂ تبلیغ سرانجام دے رہے تھے۔ ان مقام میں آپ کے ارادت مندوں کی کثیر تعداد تھی۔ آپ کے بھائی جن کا شمار آپ کے خلفاء میں ہوتا ہے۔ ان میں سے آپ کے برادرِ حقیقی خواجہ نصیر الدین عثمان کو ولایت کرغیز و غور سے اپنے عمزاد بھائی خواجہ عزیز الدین طاہر کو علاقہ افشین، قرچستان اور طالقان اور اپنے فرزند اکبر خواجہ رکن الدین کو بوشنج، ہرات، غزنی میں تبلیغ دین، اصلاح باطن اور تعلیم دینی کے لیے روانہ فرمایا۔

آپ نے قرچشتان و طالقان کے نوابوں امیر کمال و امیر جمال جو ایک دوسرے کے دشمن اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ان کو آپس میں صلح آشتی اور محبت اور ایک دوسرے سے حسن وسلوک پر آمادہ کیا۔ بالآخر ان میں رشتہ محبت ومورت استوار ہو گیا۔ اس اثر کو بھی آپ کی برت اور

۲۔ حاجی خواجہ شریف زندنیؒ:

آپ کا شمار آپ کے کبیر خلفاء میں ہے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کا سلسلہ آپ کی طرف سے خواجہ مودود چشتی تک پہنچتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے شاہِ سنجر کو فوت ہونے کے بعد خواب میں دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ کیسا معاملہ رہا۔ شاہِ سنجر نے جواب دیا کہ ''میری بابت فرشتوں کو حکم ملا کہ اسے دوزخ لے جاؤ۔ اسی اثناء میں پھر حکم آیا کہ فلاں دن یہ دمشق میں حاجی شریف زندنی کی صحبت کی سعادت سے مشرف ہوا تھا۔ اس برکت سے ہم نے اس کی مغفرت کردی۔''

آپ کی وفات ۶؍رجب المرجب ۶۲۱ھ کو ہوئی۔ مزار زندنہ بلادِ بخارا میں ہے۔

۳۔ حضرت شاہِ سنجانؒ:

آپ کا نام محمود ہے اور لقب رکن الدین ہے۔ سنجانِ خواف کے قدیمی باشندے تھے۔ خواجہ بزرگ آپ کو شاہِ سنجان کے نام سے مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ آپ سے بخارا کے علاقہ میں سلسلہ کو فروغ ہوا۔ آپ نہایت عابد وزاہد اور متقی تھے۔ خواجہ بزرگ کے مریدوں میں سب سے زیادہ متوکل اور قناعت پسند تھے۔ روایت ہے کہ آپ جب تک چشت میں قیام فرما رہتے باوضو رہتے اور جب قضائے حاجت ہوتی تو چشت کی حدود سے باہر جا کر فارغ ہوتے اور وضو کر کے واپس آتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جگہ احترام وادب کی ہے۔

آپ کی وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔ مزار سنجان خواف (بلادِ بخارا) میں ہے۔

۴۔ حضرت پیر کبارؒ:

نام کبیر۔ لقب پیر کبار۔ آپ کے والدِ ماجد شورہ بن خویشگی سردار قوم تھے۔ آپ تین بھائی تھے۔ آپ سے چھوٹے حسین تھے اور ان سے چھوٹے خویشگی تھے۔ آپ سب بھائی درویش منش اور صاحبانِ ذوق وشوق تھے۔ آپ تینوں بھائی تلاش مرشد میں بہت دنوں پھرے۔ بہت سے مشائخ کی صحبت میں رہے۔ آخر اس تلاش وتجسس میں قریۂ چشت میں پہنچے اور چشت میں چند دن قیام کے بعد خواجہ مودود چشتیؒ سے بیعت ہو گئے اور تقریباً بیس سال وہیں رہے۔ آب کشی مطبخ آپ کے ذمہ تھی۔ حسین اور خویشگی کے ذمہ دوسری خدمات تھیں۔ خواجہ مودود چشتی نے اپنی وفات سے چند سال پہلے حسین اور خویشگی کو وطن روانہ ہونے کی اجازت دیدی، لیکن کبیر صاحب چشت میں رہے۔ آخر خواجۂ بزرگ نے اپنی وفات سے چند دن بیشتر آپ کو چند تبرکات اور خرقۂ خلافت عنایت فرما کر آپ کو بھی وطن جانے کی اجازت دے دی، مگر آپ بوجہ محبت و ارادت اپنے پیر سے جدا نہ ہوئے، بلکہ خواجہ مودود چشتی کی وفات کے بعد بھی آپ چشت سے باہر نہ گئے اور اپنے پیر کے مزار اور مسجد کی جاروب کشی کرتے رہے۔

دو سال بعد آپ کو خواب میں خواجہ مودود چشتی کی زیارت ہوئی اور انہوں نے آپ کو کوہستان پشاور جانے اور وہاں کے بدعقیدہ قبائل کی اصلاح وتعلیم کی ہدایت کی۔ چنانچہ آپ کوہستان پشاور کی طرف آ گئے اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کرنے لگے، لیکن یہاں کے لوگ کرامت کے ظہور کے بغیر آپ کی کوئی بات سننے کو تیار نہ ہوئے۔ ایک دن چند آدمی آپ کے پاس دو کبوتر لے کر آئے اور آپ سے کہنے لگے ہم یہ دونوں کبوتر آپ کے گریبان میں چھوڑ دیں گے، اگر یہ کبوتر آپ کی آستین کے ذریعے سے باہر نکل گئے تو ہم آپ کی بات بھی سنیں گے اور اس پر عمل بھی کریں گے۔ آپ سوچ ہی رہے تھے کہ ان جاہلوں کو کیا جواب دیا جائے کہ ایک شخص نے وہ دونوں کبوتر آپ کے گریبان میں چھوڑ دیئے۔ خدا کی قدرت سے وہ دونوں کبوتر آپ کی آستین سے باہر نکل آئے۔ یہ کرامت جو آپ کے ارادہ کے بغیر ہی ظہور میں آ گئی تھی، بڑی کارگر ثابت

ہوئی۔ وہ لوگ یہ کرامت دیکھ کر آپ کی بزرگی اور روحانی قوت کے قائل ہو گئے اور آپ سے بیعت بھی ہو گئے۔ رفتہ رفتہ تمام کوہستان پشاور چشتیہ سلسلہ میں منسلک ہو گیا۔ آپ کے متعدد خلیفہ ہوئے۔ آپ کے قبیلہ کے لوگ خویشگی اور کچھ شوریانی کہلاتے ہیں اور کبوتروں کا شکار نہیں کرتے، بلکہ شوق سے پالتے ہیں۔ اس علاقہ کے لوگ کبیر صاحب کو احتراماً پر کبار کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کی اولاد میں متعدد صاحب دل بزرگ ہوئے ہیں۔

☆ خلیفہ پنجم .... حضرت ابو نصر شکیبائی

☆ خلیفہ ششم .... حضرت زاہد سیستانی

☆ خلیفہ ہفتم .... حضرت شیخ حسن

☆ خلیفہ ہشتم .... حضرت خواجہ سبز پوش

☆ خلیفہ نہم .... حضرت خواجہ عثمان رومی

☆ خلیفہ دہم .... حضرت خواجہ ابوالحسن بابا

(مصنف تاریخ بابا تصنیف ایسی لکھ
سلطان بغدادا نے آپ سے زدسے لکھوایا)

☆ یازدہم .... حضرت شیخ احمد بدزون

☆ دوازدہم .... حضرت خواجہ محمد سلام

☆ سیزدہم .... حضرت خواجہ خویشگی

☆ چہاردہم .... حضرت شیخ ثابت بر تیغ افغان

☆ پنج دہم .... حضرت شیخ الیاس بر تیغ افغان

☆ ششدہم .... حضرت خواجہ سید سلطان تخی سرمد در ہتم

چند واقعات:

آپ تحصیل علوم کے بعد اپنے وطن چشت واپس آ گئے اور لوگوں کو رشد و ہدایت فرمانے

لگے۔ آپ کی مجلس میں لوگوں کا ہجوم رہتا۔ وہ ایسی خاموشی سے آپ کے مواعظ سنتے کہ گمان گزرے گویا وہاں خواجہ مودود کے علاوہ کوئی موجود نہیں۔ ایک دن مجلس میں ایک اجنبی شخص داخل ہوا۔ اس نے جبہ و عمامہ پہن رکھا تھا اور بغل میں سجادہ تھا۔ وہ آ کر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ دوران آپ نے اس اجنبی کی طرف دیکھا اور اس سے فرمایا۔ تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہو؟ وہ شخص اٹھا اور آپ کے قریب آ کر بولا۔ بہت دنوں سے ایک سوال میرے دل میں کانٹے کی طرح چبھے جا رہا ہے۔ کیا آپ مجھے اس کا جواب عنایت فرمائیں گے؟ آپ نے کہا پوچھو کیا سوال ہے۔ اجنبی نے کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن کی فراست یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟۔ آپ نے اجنبی کے سراپا کا جائزہ لیا اور جواب دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنا زنار توڑ دو اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ اور مومن بن جاؤ۔ یہ جواب سن کر وہ شخص شرم سے جھک گیا اور رونے لگا۔ آپ نے فرمایا رونے کیوں ہو زنار توڑ دو اور مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے اسی وقت اپنا زنار توڑ دیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت اسلام کی اور عرض کیا یا شیخ آج میں مومن کی فراست کا قائل ہو گیا ہوں۔ اس حدیث کی اس سے بہتر تشریح اور توضیح نہیں ہو سکتی۔

ایک مرتبہ آپ بلخ تشریف لے گئے اور وہاں کے عوام و خواص نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور نہایت عزت و احترام سے شہر میں لے گئے۔ شہر امراء و شرفاء، علماء و مشائخ آپ کی خدمت گزاری میں مصروف ہو گئے۔ شہر کے بعض حاسد علماء کو آپ کی شہر والوں کی طرف سے عزت و تکریم پسند نہ آئی اور بار خاطر گزری۔ انہوں نے شہر والوں کو بہکانے کی کوشش کی۔ آپ کے چند عقیدت مندوں سے کہنے لگے۔ آخر تمہارے شیخ میں ایسی کیا خوبی ہے جو تم اس کی تعریفیں کرتے رہتے ہو۔ ہمارے خیال میں وہ ایک شعبدہ باز شخص ہے۔ جسے نہ تو علم دین سے واقفیت، نہ تصوف کے الف ب کا پتہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ لوگ شیخ کی شان میں گستاخی نہ کرو ورنہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

خواجہ سید رُکن الدین مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

رُکن الدین بن ابی احمد بن مودود بن ابو یوسف بن محمد بن سمعان۔

ولادت:

۵۰۷ھ مطابق ۱۱۱۳ء بعہد حکومت سلطان فرخ زاد بن مسعود غزنوی چشت میں ہوئی۔

وفات:

۵۷۷ھ مطابق ۱۱۸۱ء بعہد حکومت سلطان غیاث الدین امام غوری چشت میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد ماجد خواجہ ابی احمد چشتی کے زیر سایہ ہوئی۔ علم کی تکمیل جامعہ نظامیہ بغداد میں کی۔ جامعہ نظامیہ سے فراغت کے بعد آپ نے امام فخر الدین ابو علی الواسطی سے بھی استفادہ کیا۔

مسندِ ارشاد:

سلسلہ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت ہوئے۔ بارہ تیرہ سال کی محنت شاقہ اور آزمائش کے بعد خواجہ احمد چشتی نے آپ کو خرقہ عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہیں یہ خرقہ کامل سمجھ کر دے رہا ہوں۔ اپنے والدِ ماجد کی وفات کے بعد آپ اپنے والد کے جانشین تسلیم گئے

اور مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے۔

اخلاق وکردار واشغال:

آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی اور سادہ ہی لباس پہنتے تھے اور سادہ ہی غذا کھاتے تھے۔ جو کچھ آمدنی ہوتی اس میں سے ایک حصہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے رکھ لیتے باقی تین حصے مستحقین میں تقسیم کردیتے۔ آغازِ عمر سے ہی خدمت خلق کا چسکا پڑ گیا، لہٰذا آپ تمام التزام سے خدمت خلق کرتے رہے اور خدمت خلق کی لوگوں کو بھی تلقین کرتے رہے۔ آپ مسندِ ارشاد پہ متمکن ہوتے ہی لوگوں کی اصلاح اور مریدوں کی باطنی تعلیم وتربیت میں مشغول ہوگئے۔ آپ نے چشت میں فروغِ علم کی بہت کوشش کی اور اپنے مکتب کے لیے قابل اور جید علماء کی خدمات حاصل کیں۔ اس مکتب میں دور دور سے طلباء آتے اور فیض حاصل کرکے جاتے۔

جب آپ جامعہ نظامیہ بغداد سے تحصیل علم کرکے آئے تو ایک مرتبہ اپنے والدِ ماجد کے ساتھ ہرات جانے کا اتفاق ہوا۔ اس دوران جمعہ آگیا آپ اپنے والد کے ساتھ جامع مسجد ہرات میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے۔ بعد نماز جب آپ مسجد کے بیرونی دروازہ پر گئے تو وہاں آپ کی جوتیاں نہیں تھیں۔ آپ بہت حیران ہوئے اور سوچنے لگے کہ آخر کون لے گیا۔ پھر آپ کو خیال آگیا کہ جوتیاں تو دوسری طرف اتار کر رکھیں تھیں۔ اتنے میں آپ کے والد کے مرید نے دریافت کیا صاحبزادہ صاحب کیا سوچ رہے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کوئی خاص بات نہیں تھی۔ دراصل میں جوتیاں تلاش کررہا تھا۔ میں غلط طرف نکل آیا۔ جوتیاں دراصل دوسری طرف ہیں۔ وہ کہنے لگا آپ یہاں ہی ٹھہرے میں ابھی آپ کی جوتیاں لے کر آتا ہوں۔ آپ وہاں ہی ٹھہر گئے وہ جوتیاں لینے چلا گیا۔ جب مرید جوتیاں لاکر پائیدان پر رکھ رہا تھا تو آپ کے والدِ ماجد تشریف لے آئے۔ انہیں آپ کی یہ بات بہت بری معلوم ہوئی اور انہوں نے فرمایا فرزند میں نے تو تمہیں جامعہ نظامیہ میں انسان بننے کے لیے بھیجا تھا یہ تم کیا بن کر آگئے ہو۔ خدا تم پر رحم کرے۔ میں سمجھتا ہوں تم میں اور جہل میں ذرا بھی فاصلہ نہیں۔ شاید تم کبر وغرور کا علم ہی سیکھتے رہے۔ آدمیت کی طرف

تمہاری رہنمائی نہیں ہوسکی۔ آپ خاموش آنکھیں نیچے کیے ہوئے سب کچھ سنتے رہے۔ آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا، لیکن آپ کے والد خواجہ احمد چشتی نے اس سخت سرزنش پہ ہی بس نہیں کیا، بلکہ آپ کو ایک عجیب طرح کی سزا دی۔ وہ یہ کہ میرے حجرہ جو ملاقاتی آئیں انکی جوتیاں جھاڑ کر رکھو اور جب وہ واپس جائیں تو ان کی جوتیاں ان کے آگے لاکر رکھو۔ جب شہر میں کاروان آئے تو وہاں پانی کی مشک لے جایا کرو اور پانی سے ان کی تواضع کیا کرو۔ آپ کی سعادت مندی اور اطاعت دیکھئے کہ آپ مدتوں بغیر کسی رنج وغصہ کے یہ خدمت سرانجام دیتے رہے، بلکہ آپ نے ازخود کئی اور اسی طرح کے کام اپنے فرائض میں شامل کر لیے۔ شہر کے معذور بوڑھوں اور غریب بیواؤں کے گھروں میں پانی کے گھڑے بھر آتے۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر ان گھروں میں لیجاتے۔ بیماروں کی تیمارداری کو جاتے ان کے لیے دوادارو کا بندوبست کرتے۔

عبادت واشغال:

آپ صوم وصلوۃ کے علاوہ ذکر وفکر اور مراقبہ اور محاسبۂ نفس میں مشغول رہتے۔ قرآن و حدیث کا درس دیتے۔ بعد نماز عصر حلقہ میں بیٹھتے اور مریدوں کی روحانی تربیت کا فریضہ سرانجام دیتے۔ مہمانوں کی آمد کو باعث برکت سمجھتے ان کے آرام وآسائش کے لیے ہر کام خود کرتے۔ جب مہمان رخصت ہوتے تو انہیں نصیحت کرتے اور کوئی نہ کوئی چیز بطور تبرک عنایت فرماتے۔ آپ نے پیچھے دو فرزند صالح محی الدین اور نظام الدین چھوڑے۔ وہ دونوں ہی صاحب خرقہ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد خواجہ محی الدین آپ کے جانشین ہوئے۔

خواجہ سید نظام الدین مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

خواجہ سید نظام الدین بن رکن الدین بن ابی احمد بن مودود بن محمد یوسف بن محمد بن سمعان بن ابراہیم بن حسین بن جعفر بن امام علی نقیؑ۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۵۳۰ھ مطابق ۱۱۴۰ء میں بعد امیر سیف الدین غوری چشت میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۵۹۸ھ مطابق ۱۱۹۹ء بعد سلطان شہاب الدین محمود غوری چشت میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

آپ کی تمام تر تعلیم وتربیت اپنے اپنے والد ماجد خواجہ سید رکن الدین چشتی کے زیر سایہ خاندانی مکتب میں ہوئی سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت ہوئے۔ دوسرے سلاسل تصوف کے مشائخ خصوصاً خواجہ محمود مفتی اور حضرت خواجہ علی راحتی بھی فیض روحانی و باطنی حاصل کیا۔

مسند ارشاد:

آپ اپنے والدِ ماجد کی وفات کے بعد اپنے والد ماجد کے جانشین اور برادر حقیقی خواجہ

محی الدین کے ارشاد کے مطابق درس وتدریس اور ہدایت وتلقین میں مصروف ہوگئے۔

اخلاق ومرتبہ واشغال:

آپ زہد اطاعت کے بلند مقام پر فائز تھے علوم ظاہری وباطنی سے آسودہ تھے۔ محاسبۂ نفس اور ذکر وفکر اور میں مشغول رہتے۔ آپ کی زبان میں بے حد تاثیر تھی۔ آپ کے پاس اکثر مریض آتے۔ آپ ان کے لیے دوا بھی تجویز کرتے اور دعا بھی فرماتے اور اللہ تعالیٰ انہیں شفا بھی عطا فرماتا۔ آپ کا فقہ بہت عبور تھا اس لیے آپ چشت میں بحیثیت مفتی فتاوا جاری کرتے۔ آپ کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ آپ نے ان ترک، مغلیہ، افغان اور غوری قبائل میں تبلیغ شروع کی جنہیں اسمٰعیلی قرامطی اور کرامی داعیوں نے گمراہ اور بدعقیدہ بنا دیا تھا۔ آپ ان قبائل میں التزام سے جاتے رہے اور وعظ تلقین کرتے رہے حتیٰ کہ ان قبائل سے کرامیوں اور قرامطیوں کا اثر دوران کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں اور براہیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ آپ نے ان قبائلی، علاقوں میں سلطان شہاب الدین غوری کی امداد واعانت سے مساجد اور مدارس بھی تعمیر کروائے۔ آپ نے قرامطی اور کافر فتنہ پرواز قبائل کے خلاف سلطان کو فوج کشی پر آمادہ کیا اور سلطان نہایت دلیری سے ان کا قلع قمع کیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند ابواحمد چشتی آپ کے جانشین ہوئے وہ اپنے چچا خواجہ محی الدین سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا اور ان کی وفات کے بعد ۱۰۱۱ کے جانشین ہوئے۔

خواجہ سید ابواحمد مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

خواجہ سید ابومحمد بن خواجہ نظام الدین بن رکن الدین ابی احمد بن مودود بن جعفر بن ابو یوسف بن محمد بن سمعان بن ابراہیم بن حسین بن جعفر بن امام نقیؒ۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۵۶۵ھ مطابق ۱۱۶۹ء بعد سلطان غیاث الدین سام چشت میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۶۳۳ ہجری مطابق ۱۳۳۰ء بعد چنگیز یہ مغویہ چشت میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے ابتدائی تعلیم خاندانی مدرسہ میں کی اس کے بعد تفسیر وحدیث کچھ عرصہ پڑھتے رہے۔ ازاں بعد امام فخر الدین محمد رازی، شیخ نجم الدین اکبرا اور شیخ مجد الدین بغدادی سے کسب علم وفیض کیا۔ سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد خواجہ سید نظام الدین چشتی سے بیعت ہوئے اور فرقہ حاصل کیا۔

مسندِ ارشاد:

آپ اپنے والدِ محترم کے انتقال کے بعد ان کی مسند پہ بیٹھے اور ان کے اتباع میں وعظ و تلقین، درس وتدریس، مریدوں کی روحانی تربیت اور تبلیغ اسلام میں مصروف ہوگئے۔ آپ میں خطابت

کا ملکہ کافی تھا۔ آپ جہاں بھی خطبہ دیتے وہاں کے سینکڑوں مسلمان آپ سے بیعت ہو جاتے۔

آپ نے اپنے مدرسہ کی عمارت کی از سر نو تعمیر کی اور مدرسہ کی عمارت کافی عمدہ نسبتاً بڑی بنائی اور اس کا نام مدرسہ ناصریہ رکھا۔ آپ کا ارادہ تھا کہ مدرسہ چشتیہ کا تعلیمی معیار نہایت بلند کر دیا جائے اور رفتہ رفتہ اسے نظامیہ کے مقابلہ کی درسگاہ بنا دیا جائے، لیکن افسوس کہ آپ کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ ملک کے حالات یکسر بدل گئے۔

غوریوں کی شکست اور خوارزمیوں کا اقتدار:

اس علاقہ کو خوارزمیوں نے جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا۔ غوری شکست کھا گئے۔ ملک پہ خوارزم مسلط ہو گئی۔ جس خاندان یا فرد پر غوریوں سے وفاداری اور وابستگی سے ذرا سا بھی شبہ ہوا یا تو اسے قتل کر دیا یا زندان سخت کے حوالہ کر دیا۔

آپ کی اسیری اور شیخ مجد الدین بغدادی کا قتل:

آپ کو بھی غوریوں سے وابستگی اور وفاداری کے جرم میں گرفتار کر کے قید خانہ میں بھیج دیا۔ کچھ دیر کے بعد جب شیخ مجد الدین بغدادی خوارزم شاہ کے مقرب ہوئے اور انہیں آپ کی قید دبلاً کا علم ہوا تو انہوں نے بادشاہ سے آپ کی رہائی کروائی اور آپ چشت تشریف لائے۔ کچھ مدت کے بعد اس بد بخت بادشاہ نے شیخ مجد الدین کو بھی مروا دیا۔ اس ظلم ناروا کی داستان بھی عجیب ہے۔ شیخ مجد الدین کا معمول تھا کہ جمعہ کے روز وہ وعظ فرماتے اور مجلس کرتے۔ قطب الدین محمد خوارزم شاہ کی ماں جو بڑی عقیدت رکھتی تھی کبھی کبھی شیخ کی زیارت کو آتی اور وعظ و نصیحت سنتی۔ ایک دن جب خوارزم شاہ شراب کے نشہ میں بدمست تھا تو شیخ کے کسی بدخواہ نے شیخ پر یہ الزام لگایا کہ شیخ نے آپ کی والدہ سے عقد کر رکھا ہے یہ زیارت اور مجلس وعظ کا شوق تو ایک بہانہ ہے۔ آپ آنکھیں کھول لے۔ یہ سن کر خوارزم شاہ ایک لخت غصہ میں بھر گیا اور حکم دیا کہ اسی وقت مجد الدین کو دریا میں پھینک دو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور شیخ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد

کر دی۔ جب آپ کو شیخ مجد الدین کی تکلیف دہ موت کی خبر ہوئی تو آپ کو بے حد تکلیف ہوئی۔ آپ کو شیخ سے بے حد عقیدت تھی اس کے علاوہ شیخ آپ کے استاد اور محسن بھی تھے دل پکڑ کر رہ گئے اور نہایت سرد آہ بھر کر کہا یا شیخ اللہ ہی آپ کا قصاص لے گا۔

خوارزم شاہ کا زوال اور شیخ نجم الدین کبریٰ کی شہادت:

جب شیخ مجد الدین کی موت کی خبر شیخ نجم الدین کبریٰ کو ملی تو ان کا چہرہ متغیر ہو گیا اور انا للہ و انا الیہ راجعون فرما کر سجدہ میں گر گئے اور عرصہ کے بعد سجدہ سے سر اٹھا کر فرمایا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا ہے کہ ہمارے فرزند مجد الدین کے خون بہا میں بادشاہ سے ملک لے لے۔ خوارزم شاہ کو جب شیخ نجم الدین کے ان کلمات کا علم ہوا تو وہ شیخ نجم الدین کبریٰ کے غم و غصہ کو نرم کرنے کے لیے طشت زر و جواہر بطور خون بہا لے کر نہایت عاجزی اور خاکساری سے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا امیر اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ مجد الدین کے قتل کی دیت زر و جواہر نہیں، بلکہ تمہارا اور ہمارا سر ہے بلکہ بہت خلائق کا سر ہے۔ یہ فرما کر شیخ اپنے حجرہ میں چلے گئے اور خوارزم شاہ نہایت مایوس اور خوف زدہ حالت میں اپنے محل کو روانہ ہو گیا۔ ابھی چند ماہ گزرے تھے کہ خوارزم شاہ سے چنگیز خان کے قاصدوں کو قتل کرنے کی حماقت ہو گئی۔ جس کے نتیجہ میں چنگیز خان نے خوارزم پر حملہ کر دیا وہ ایک بلائے عظیم کی طرح سے آیا تھا۔ خوارزم شاہ دلیر تھا اور اس کے پاس لاؤ لشکر بھی بے شمار تھا، لیکن اس کے باوجود اس کے دل میں ایسا ڈر بیٹھا کہ بغیر لڑے ہی بھاگ اٹھا اور وہ جہاں جہاں گیا تاتاری بھی اس کے تعاقب میں گئے۔ ان کے راستہ میں جو شہر و دیار آئے جلا کر خاکستر کر دئے۔ زمین انسانی جانوں سے لالہ گوں کر دی۔ خوارزم شاہ اس فرار کے دوران گمنامی کی حالت میں کہیں مر گیا اس کے لڑکے جلال الدین نے نہایت دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور ہر جگہ دشمن کی مزاحمت کی کہیں کہیں دشمن کو شکست بھی دی، لیکن قسمت ہار چکی تھی باپ کے گناہوں کی سزا اسے بھی بھگتنا تھی۔ شیخ نجم الدین کبریٰ بھی اسی دار و گیر میں ایک تاتاری کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

دورظلم ووحشت:

۶۱۷ء سے ۶۲۴ء تک چنگیز خان نے قتل وغارت گری جاری رکھی۔شہر قارن، ذوقلعہ، ارتوق، نور، بخارا، شہر انذار، یارقند، جند، فجذ، مشاکت، سمرقند، بلخ، نیشا پور، خوارزم، رے، ہمدان، ماژندران، قم، قرمین، مرو، طوس، قرمذ، خروسان، بامیان، ہرات، غزنی، طالقان، سمنان، بلتان، خوے، مراغہ، گرجستان، سوارق، ارس، دربند اور ساماندان کے قبضہ میں آگئے ان شہروں میں قتل وغارت گیری انتہا کو پہنچ گئی۔مساجد، مدرسہ، حمام اور خانگاہیں مسمار کردی گئیں۔بلخ، نیشاپور، مرو اور ہرات میں تو انتہائی بربریت اور وحشت کا مظاہرہ کیا ان میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جن میں مقتولوں کی تعداد دو تین لاکھ سے کم ہو اور سینکڑوں عمارتیں نہ مسمار کردی ہوں۔

چشت میں کچھ غارت گری کی جو ان کے رستہ میں آیا قتل کردیا، لیکن یہاں مساجد اور خانقاہوں سے رعایت کی بھی ان مفولیات وحشت کا کوئی حملہ نہ تھا محض یہاں سے گزرتا تھا۔پھر بھی ان کی تیغ ستم کی نذر ایک صد جانیں ہوگئیں آپ کے چند عزیزوں کے علاوہ سب محفوظ رہے۔چنگیز خان کی موت کے بعد اس طرف کا تمام علاقہ ہرات، غزنی، بلخ، بدخشاں، خوارزم اور ماورانہر چنگیز خان کے لڑکے چغتائی قاآن کے سپرد ہوا۔اس نے اپنے مقبوضہ ملک میں امن بحال کرتے اور مسلمانوں کی تالیف قلوب کی بھی کسی حد تک کوشش کی۔رفتہ رفتہ مسلمانوں کے دلوں سے خوف ودہشت بھی کسی حد تک دور ہونے لگا اور حالات کے مطابق لوگ شہروں سے آنے جانے اور کاروبار کرنے لگے اور شہر و دیار میں کچھ رونق اور زندگی کے آثار بھی نمایاں ہونے لگے۔

تاتاریوں میں تبلیغ اسلام:

آپ اس دور میں وعظ تلقین اور مسلمانوں کو حوصلہ دلانے میں لگے رہے اور تاتاری قبائل میں بھی جانے لگے اور انہیں متعدد تاتاری قبیلوں میں ایک اچھی خاصی تعداد نے اسلام قبول کرلیا۔

اخلاق واشغال:

آپ نہایت منکرالمزاج اور خوش اخلاق تھے۔بڑی سے بڑی مصیبت میں گھبراتے نہ تھے۔طبیعت میں توکل اور قناعت پسندی تھی۔جو کچھ آمدنی ہوتی اس میں صبر وشکر سے گزارہ کرلیتے آپ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ تکلیف ومصائب اور خطرات میں ہی گزارا، لیکن آپ ہر مصیبت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کرتے رہے۔کسی حالت میں بھی صوم وصلوٰۃ ذکر وفکر اور محاسبۂ نفس اور مراقبہ سے غافل نہیں ہوئے۔آپ کی عادت کہ ہمیشہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے نجی کام کے لیے کبھی کوئی خادم نہ رکھا۔کبھی کسی مرید سے کوئی خدمت نہ لی وہ بیچارے یہ آرزو ہی کرتے رہے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند خواجہ سید ابو یوسف چشتی آپ کے جانشین ہوئے۔

خواجہ سید یوسف مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

یوسف بن ابواحمد بن نظام الدین (اول) بن رکن الدین بن ابی احمد بن مودود بن ابو یوسف بن محمد بن سمعان بن ابراہیم بن حسین (الاصغر) بن جعفر الثانی بن امام علی نقیؒ۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء بعد حکومت سلطان غیاث الدین بن سام غوری چشت (ولایت ہرات) میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۲ء بعد حکومت مغولان چینگزی چشت میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے اکتساب علم اپنے والد ماجد خواجہ سید ابواحمد چشتی سے کیا دور نوجوانی میں ہی قرآن کریم، تفسیر، حدیث اور فقہ میں اچھی قابلیت حاصل کرلی تھی۔ سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد محترم سے بیعت ہوئے اور فیض روحانی اور خرقہ حاصل کیا۔

مسند ارشاد:

اپنے والدِ محترم خواجہ ابواحمد چشتی کی وفات کے بعد ان کے سجادہ پر بیٹھے اور خاندانی

روایات کے مطابق مریدوں کی تربیت روحانی، اصلاح اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے اور مضافات میں بھی وعظ وتلقین کے لیے اکثر جاتے۔ آپ کو ایسے زمانہ میں اصلاح و رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا پڑا، جبکہ سلسلۂ کافی حد تک درہم برہم ہو چکا تھا۔ آپ کے خاندان کے کافی افراد اور معتقدین کی کثیر تعداد چنگیزی ہنگامہ دار و گیر کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ مسلمانوں کے اقتدار کا چراغ بجھ چکا تھا۔ مسلمان مایوسی کا شکار ہو چکے تھے۔ نئے حاکم وحشی اور اجڈ تھے، بات بات پر بگڑ جاتے تھے۔ بہر حال آپ نے از سر نو سلسلۂ کی تنظیم پر توجہ دی اور مسلمانوں کو مایوسی اور خوف سے نجات دلانے کی کوشش کی اور اس میں آپ کو بڑی حد تک کامیابی ہوئی۔ مدرسہ ناصریہ کے لیے قابل اساتذہ کی خدمات حاصل کیں اور درس میں باقاعدگی اور مریدوں کی ظاہری و باطنی اصلاح پر خصوصی توجہ دی۔ اس کے علاوہ آپ تاتاریوں میں اسلام کی تبلیغ میں بھی کوشاں رہتے۔ مختلف علاقوں میں اپنے خلفاء کو دین کی تبلیغ اور مسلمانوں کی اصلاح وتعلیم کے لیے بھیجتے۔

اخلاق وکردار:

آپ نہایت صالح اور صحیح العقیدہ درویش تھے۔ آپ کو دن میں درود اشغال وظائف کی عادت نہیں تھی اور آپ ہمیشہ عشاء کی نماز ادا کر کے سو جاتے نصف شب میں بیدار ہوتے اور صبح تک عبادت میں مشغول رہتے۔ آپ اپنا کام خود ہی کرتے کسی خادم یا مرید کو تکلیف نہ دیتے۔ مریدوں کے گھروں میں جاتے ان کے حالات دریافت کرتے اور ان کی مدد کرتے اپنی موجودگی میں مسافروں، مہمانوں اور درویشوں کو کھانا کھلاتے اور ان کی آسائش اور آرام میں دلچسپی لیتے اور ہر ملنے والے سے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ایسی شستہ اور شیریں گفتگو کرتے کہ سنے والا آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپ کی ذات سے سلسلۂ چشتیہ کو بہت تقویت ملی اور آپ کی کوششوں سے تاتاریوں کی بڑی تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہوئی۔

تعلیمات واقوال:

آپ اپنے مریدوں کو عام صوفیوں کے غلو آمیز اور نیم پختہ خیالات ومعتقدات سے بچنے کی تاکید فرماتے۔ گوشہ نشینی اور ترک دنیا میں غلو سے منع فرماتے۔ حدود شریعت کی حفاظت کی نصیحت کرتے۔ کتاب وسنت کی پیروی کی تاکید فرماتے۔ جب خلفاء کو کسی مقام پر تبلیغ دین یا اصلاح کے لیے بھیجتے تو خلفاء کو وقت رخصت نصیحت فرماتے۔

☆ قیام صلوٰۃ سے غافل نہ ہونا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔

☆ اپنے مال میں اپنے اقارب، ہمسایوں، فقرا اور مساکین کو حصہ دار بنائے رکھنا۔

☆ کتاب وسنت کی لازمی پیروی کرنا۔

☆ حدود شریعت سے کبھی قدم باہر نہ نکالنا۔

☆ تبلیغ دین اور مدافعت دین کے لیے ہر وقت کوشاں رہنا۔

☆ اللہ کی راہ میں جہاد سے گریز نہ کرنا۔

☆ تکبر، غرور اور تعلّی سے بچنا۔

☆ علماء اور مشائخ کی تکریم اور خدمت کرنا۔

☆ امراء اور حکام کے خیمہ بردار نہ بن جانا۔

☆ فقراء اور غربا کو عزیز رکھنا۔

☆ دنیا سے کنارہ کشی نہ اختیار نہ کرنا، لیکن اس کی لذتوں سے دل کو نہ پھنسانا۔

☆ خدمت خلق کو زندگی کا شعار بنالینا۔

☆ نصیحت وتلقین خوش اسلوبی سے کرنا زبان کی شیرینی کو ضائع نہ کرنا۔

فوائد السالکین میں لکھا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا ۔ شیخ یوسف چشتی کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک آدمی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت ادب واحترام کے بعد اس نے عرض کیا کہ میں بیعت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ خدا جانے اس وقت کسی

خیال میں تھے۔ فرمانے لگے اگر تو لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ کہے تو بیعت کروں گا۔ اس نے ایسا ہی کہہ دیا اور آپ نے اسے بیعت کرلیا اور یہ بھی فرمایا کہ کلمہ تو وہی جو مسلمان پڑھتے ہیں میں تو جناب رسول خدا ﷺ کے کمینہ چاکروں میں سے ہوں۔ تیرے صدق واعتقاد کی آزمائش کے لیے ایسا کہا تھا۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند خواجہ سید زاہد چشتیؒ آپ کے جانشین ہوئے۔

خواجہ زاہد مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

زاہد بن یوسف بن ابواحمد بن نظام الدین بن رکن الدین ابی احمد بن قطب الدین مودود چشتیؒ ۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۶۲۱ھ مطابق ۱۲۲۴ء بعد مغولیان چنگیز چشت میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۷۰۶ھ مطابق ۱۳۰۶ء بعہد حکومت ملک فخر الدین (آلِ کرت) چشت میں ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ چشتیہ چشت میں پائی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تکمیل اپنے والد ماجد خواجہ سید یوسف چشتی سے کی۔ طریقہ چشتیہ میں ان ہی سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔ آپ کو خواجہ محمد بابا سماسیؒ سے بھی فیض باطنی حاصل کیا۔

مسندِ ارشاد:

اپنے والدِ بزرگوار خواجہ یوسف چشتی کی وفات کے بعد سجادہ پر متمکن ہوئے اور طلبائی

تعلیم اور مریدوں کی تربیت ظاہری و باطنی میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی طبیعت کا رجحان کچھ تصوف کی طرف زیادہ ہی تھا اس لیے آپ چشت سے باہر کبھی ہرات وغزنی کبھی بخارا اور نیشاپور بھی جاتے دوسرے سلسلوں کے مشائخ سے ملتے ان کی مجالس اور حلقہ ذکر شامل ہوتے اور کئی کئی دن ان کے ہاں قیام فرماتے۔

اخلاق واشغال:

آپ عبادت، ریاضت اور مجاہدہ میں زیادہ مشغول رہتے۔ حلقۂ ذکر وفکر میں مریدوں کے ساتھ بیٹھتے۔ محاسبہ ومراقبہ کرتے۔ تلاوتِ قرآنِ حکیم کثرت سے کرتے تھے۔ طبیعت میں خاموش پسندی وتنہا پسندی تھی۔ جب کوئی شخص بیعت کے لیے حاضر ہوتا تو جلدی بیعت نہ کرتے، بلکہ اسے نماز ادا کرنے، سچ بولنے اور کل حلال کی تاکید کرتے اور جب تک وہ ان کی آزمائش پہ پورا نہ اُترتا بیعت نہ کرتے۔ لباس سادہ پہنتے تھے۔ اپنی نشت کی کوئی جگہ مخصوص نہ کرتے۔ مجلس میں جہاں جگہ ہوتی بے تکلف بیٹھ جاتے۔ طبیعت میں توکل وقناعت کافی تھا۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے خواجہ سید قطب الدین مودود الثانی چشتی آپ کے جانشین ہوئے۔

خواجہ سید قطب الدین مودود الثانی چشتیؒ

نام:

مودود الثانی۔ لقب: قطب الدین۔

نسب:

مودود الثانی بن زاہد بن یوسف بن ابو احمد بن نظام الدین بن رکن الدین بن ابی احمد بن خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۶۶۱ھ بعہد حکومت ملک شمس الدین کہین (آلِ کرت) چشت میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۷۳۵ھ بعد حکومت ملک غیاث الدین کہین (آلِ کرت) چشت میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

ابتدائی تعلیم خاندانی مکتب میں حاصل کی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ادب اور علم الکلام کی تعلیم علمائے ہرات اور مولانا حسام الہروی اور مولانا مظفر بلخی سے حاصل کی اور سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد خواجہ سید زاہد چشتی سے بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔

مسندِ ارشاد:

اپنے والدِ ماجد کی وفات کے بعد آپ کے جانشین کی حیثیت سے سجادہ پر بیٹھے اور وعظ وتلقین اور مریدوں کی ظاہری وباطنی تعلیم وتربیت میں مصروف ہوگئے۔ آپ کو قوت کشفیہ اور اتباعِ سنت بنویہ ﷺ سے شانِ عظیم حاصل تھی اور جامعِ فضائل ظاہری وباطنی تھے۔ آپ نے علم ودین اور تصوف کے فروغ میں سرگرمی سے حصہ لیا اور تبلیغ اسلام میں کوشاں رہے۔

حضرت سید اشرف جہانگیرؒ کو وصیت:

حضرت جہانگیر سمنانیؒ جب چشت میں حضرت خواجہ مودود چشتی کے روضۂ مبارک پر حاضر ہوئے تو آپ کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوئے اور حلقہ میں بیٹھنے کی خواہش کی۔ آپ نے اجازت دے دی، چنانچہ حضرت سید جہانگیر سمنانی جتنا عرصہ چشت میں رہے آپ کے ساتھ حلقۂ ذکر میں شامل رہے اور ان کے چشت سے روانہ ہونے پر بیشتر انہیں وصیت کی کہ حلقۂ ذکر ہمارے مشائخ کا معمول ہے۔ اس کو ناغہ نہ کرنا چاہے اور مبعات عشر پڑھنے کی تاکید بھی کی۔ آپ نے فرمایا کہ خواجہ بزرگ کے وقت سے تمام مشائخ چشت ذکر جہر پر عامل رہے ہیں آپ بھی ذکر التزام سے ادا کیا کریں۔

امرائے وقت کو عقیدت:

یوں تو آپ سے امرائے غزنی، بلخ اور خراسان ترمذ کو بڑی عقیدت تھی اور وقتاً فوقتاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، لیکن اس علاقے کے حکمران جو آلِ کرت کہلاتے تھے اور غوریوں کی ہی ایک شاخ سے تعلق رکھتے۔ انہیں آپ سے بے حد عقیدت تھی اور آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ کے مدرسہ اور لنگر خانہ کے لیے وظیفہ بھی دیتے تھے۔

مشاغل واخلاق:

آپ امور شریعت کی پابندی پر سختی سے عامل تھے اور دوسروں کو بھی شریعت کی پابندی کی تاکید کرتے تھے۔ بے حد متوکل اور زاہد و عابد تھے۔ طبیعت میں غنا و قناعت تھی۔ صوم وصلوٰۃ، تلاوت قرآن مجید، ذکر وفکر، مراقبہ اور محاسبۂ نفس سے غافل نہ ہوتے تھے۔

اقوال مبارکہ:

...... عرفان نفس کے بغیر عرفان حقیقت ایک موہوم امید ہے۔

...... فرزندِ عزیز اسلام ہی انکشاف حقیقت ہے۔

...... برادرِ عزیز حقیقت، شریعت ہے۔ جب تک کوئی شخص دامن شریعت مضبوطی سے نہیں پکڑے گا وہ وادی حقیقت میں قدم نہیں رکھ سکے گا۔

...... عزیز من جو شیخ طریقت وحقیقت کا مدعی ہے اور شریعت سے بے بہرہ ہے وہ شیخ نہیں جاہل ہے۔

...... تارک صلوٰۃ کے ولی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مسلمان ہونا بھی محل نظر آتا ہے، چونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''الفرق بین المومن والکافر الصلوٰۃ۔'' (مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز کا فرق ہے)۔

...... برادر عزیز! قرآن وسنت کے پابند رہو، بدعت سے بچو، عبادات پہ غرور نہ کرو اور توبہ واستغفار کرتے رہو۔

...... تمام عالم میں شریعت اسلام کو غالب کرنے کے لیے زندگی گزارنا عین اسلام ہے، لہٰذا لوگوں کو روح اسلام سے روشناس کرانے میں کوشاں رہنا چاہیے۔

...... برادرِ عزیز! رحمت عالم ﷺ کی سیرت مبارکہ اور صحابہ رضوان اللہ علیہ واہل بیت کے تذکروں اور اولیاء اللہ کے حالات وحکایات کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہنا چاہیے، چونکہ

ان سے دلوں میں تربیت ہوتی ہے۔ ان کے ارشادات پہ غور وفکر اور عمل سے اصل بصیرت کو یقین کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

...... فرزندِ عزیز! تسلیم ورضا، اطاعت، تقویٰ، خدمت دین اور عزیمت کے بغیر کسی بلند روحانی مرتبہ پر پہنچنا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

...... فرزندِ عزیز! تمہارے وجود سے خلق خدا کو نفع ہونا چاہیے۔ خلق خدا کی بھلائی میں مصروف رہنا ایک فضیلت ہے۔

...... شیخ ومرید کا تعلق استاد وشاگرد کی طرح ہے۔ رابطۂ شیخ سیر وسلوک میں زینہ کا کام دیتا ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دوری کو ختم کر دیتا ہے۔

...... برادرِ عزیز! اگر حضور اکرم ﷺ پر درود وصلوٰۃ پہ مداوت کی جائے تو ایک سالک ولایت خاصہ محمدیہ ﷺ کے اسرار ورموز کی جانب راہ یاب ہو سکتا ہے۔

خواجہ سید عبدالعلی مودودی چشتیؒ

نام:

عبدالعلی بن قطب الدین بن زاہد بن یوسف بن ابواحمد بن نظام بن رکن الدین بن قطب الدین بن ابویوسف بن سید محمد بن سید سمعان بن ابراہیم بن حسین بن عبداللہ بن جعفر بن علی نقیؒ ۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۷۰۵ھ بعہد حکومت ملک معزالدین حسین بن شمس الدین (آل کرت) چشت میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۷۸۵ھ بعہد فیروز شاہ تغلق قصبہ سرنائی نواح پانی پت ہندوستان میں ہوئی اور سرنائی میں ہی مدفون ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے قرآن حدیث اور فقہ کا علم اپنے والدِ ماجد قطب الدین مودود الثانی سے حاصل کیا۔ علوم دیگر کی تکمیل علماء ہرات سے کی۔ طریقہ چشتیہ میں اپنے والد سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔

جنگ میں شمولیت:

آپ کو شہ سواری، تیغ زنی اور نشانہ بازی کا بھی شوق تھا اور یہ شوق آپ کو ملک غیاث الدین کہین امیر ہرات کے لشکر میں بھی لے گیا۔ الجائتو خاں سے جو لشکر مدمقابل ہوا۔ اسی لشکر میں ایک دستہ کی سرداری آپ کو ملی اور آپ نے اس موقع پر اپنی تیغ زنی اور عسکری صلاحیت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ امیر ہرات کو آپ کی تعریف کرنی پڑی۔ چھ سات سال عسکری خدمات سرانجام دینے کے بعد آپ واپس چشت آ کر درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔

سفرِ حجاز:

۷۳۶ھ میں آپ حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ بعد فراغت حج آپ مدینہ منورہ آگئے اور روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دی اور تقریباً دو سال تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ مکہ مکرمہ واپس آ کر آپ نے امام یافعی قطب مکہؒ سے علم ونسبت باطنی میں فیض حاصل کیا۔ ۷۳۸ھ آپ چشت واپس آگئے۔

سفرِ ہند:

۷۴۰ھ کے قریب آپ ہندوستان میں آگئے۔ کچھ عرصہ تک یہاں آ کر آپ اولیائے ہند کے مزارات خاص طور پر اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی لاہور میں حضرت داتا صاحب پیر ہجویری اور سید مسعود سالار غازی کی درگاہوں پر مقیم رہے اور اس دور کے علماء مشائخ کے ساتھ ملاقات کرتے رہے اور پھر دہلی آ کر حضرت چراغ دھلوی سے بیعت ہوئے اور دہلی میں مقیم ہو گئے۔ اسی دوران آپ کی ملاقات مولانا عبدالقوی، مولانا عبدالمقتدر اور مولانا عمرانی سے ہوگئی۔ پھر یہ رشتہ تمام عمر ان سے قائم رہا۔ دہلی کے قیام کے دوران مدرسہ علائی میں مدرس کی جگہ مل گئی اور آپ مدتوں وہاں ہی طلباء کو درس دیتے رہے۔ وفات سے چند سال پیشتر آپ کے چند مخلص شاگرد اور معتقد آپ کو قصبہ سرنائی میں لے گئے اور آپ تا وفات وہاں ہی رہے۔ وہاں آپ تعلیم

دین اور اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ اس علاقہ کے بہت سے ہندو خاندان بالخصوص جاٹ رانگڑ آپ کی کوششوں سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ہزاروں مسلمان آپ سے بیعت ہوئے اور شرف صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

آپ کی وفات کی خبر جب چشت میں آپ کے عزیزوں کو ہوئی تو وہ سرنائی آ گئے اور ان کے بچوں اور بیوہ کو اپنے ساتھ چشت لے گئے۔

آپ نہایت عابد و زاہد اور علوم ظاہری و باطنی میں کامل تھے۔ مطالعۂ کتب اور تدریس میں زیادہ لگاؤ تھا۔ نہایت متوکل اور قانع طبیعت پائی تھی۔ سادہ پہنتے اور سادہ کھاتے تھے۔ شاگردوں اور صاحب علم احباب سے مجلس رکھتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند مولانا شاہ خواجگہ آپ کے جانشین ہوئے۔

مولانا سلطان خواجگی مودودی چشتیؒ

نام:

سلطان خواجگی۔ لقب: مولانا۔

نسب:

خواجگی بن عبدالعلی بن قطب الدین ثانی بن زاہد بن یوسف بن ابو احمد بن قطب الدین (اول) بن رکنالدین بن ابی احمد بن خواجہ قطب الدین مودود چشتی۔

ولادت:

۷۵۳ھ بعہد حکومت ملک غیاث الدین کہین امیر ہوات چشت میں ہوئی۔

وفات:

819ھ بعہد حکومت سید خضر خاں کالپی میں ہوئی۔ مزار شہر کے بیرونی حصہ میں ہے۔

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تعلیم مدرسہ ناصریہ چشت اور اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ سترہ اٹھارہ کنز الاقائق، مسامی، منار، تلخیص اور مفتاح سے تکمیل عمل کی۔ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد محترم سے بیعت ہوئے۔ چشتیہ نظامیہ میں حضرت شیخ محمود چراغ دہلوی سے اور سلسلہ سہروردیہ میں حضرت جہانیاں جہانگشت کے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔

ورود ہند:

ہندوستان میں پہلے آپ نے ''سرنائی'' نواح پانی پت میں قیام کیا، چونکہ اس قریہ میں آپ کے والد ماجد کے کافی نہایت مخلص مرید تھے اور اس کے نواح میں آپ کے والد ماجد کے کافی مرید بھی تھے۔ سرنائی میں ایک ڈیڑھ ماہ قیام کے بعد آپ دہلی روانہ ہوگئے اور دہلی پہنچ کر مولانا عمرانی سے تحصیل علم کرنے لگے۔ اسی دوران میں آپ شیخ محمود چراغ دہلوی سے بھی بیعت ہوگئے۔ اس طرح آپ بیک وقت علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ نعمت باطنی سے بھی فیض یاب ہونے لگے۔

استاد کی رہنمائی:

آپ ایک طرف یہ مولانا معین الدین عمرانی کے شاگرد تھے۔ دوسری طرف شیخ سید نصیر الدین محمود چراغ سے بیعت تھے۔ مولانا عمرانی شیخ محمود چراغ کے مخالف تھے۔ آپ جب درس سے فارغ ہوکر حضرت محمود چراغ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوتے تو مولانا اس مخالفت کے باعث جو مولویوں کو درویشوں سے ہوتی ہے، شیخ کی مخالفت کرتے اور ہر دفعہ ان پر کوئی نہ کوئی اعتراض کر دیتے، لیکن آپ خاموش رہتے اور استاد کے کسی اعتراض کی تردید نہ کرتے، لیکن شیخ کی خدمت میں التزام سے حاضر ہوتے رہتے۔

مولانا عمرانی کچھ مدت عارضۂ دم میں مبتلا تھے اور یہ تکلیف بڑھتی ہی جارہی تھی۔ اطباء بھی علاج سے مایوس ہوگئے تھے۔ ایک دن آپ نے مولانا کی خدمت میں عرض کیا استادِ محترم اس میں کیا حرج ہے کہ آپ شیخ محمود چراغ سے ملاقات کریں اور ان سے اپنی صحت کے لیے دعا کروائیں۔ عین ممکن ہے ان کی صحبت ونظر کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائیں، لیکن مولانا عمرانی نے یہ مشورہ قبول نہ فرمایا۔ آپ مایو[illegible] اور جب موقع ملتا مولانا کو یہ ہی مشورہ دیتے۔ آپ کو یقین تھا کہ شیخ کی دعا [illegible]رست ہوجائیں گے۔ ایک دن

مولانا کو مرض کا شدید دورا پڑا۔ مولانا بہت پریشان اور بیقرار ہوگئے اور کہنے لگے۔ ''خواجگی یہ کھانسی تو جان لیوا ہی معلوم ہوتی ہے۔'' آپ نے جواب میں عرض کیا۔ ''مولانا آپ اللہ پر بھروسہ کرکے شیخ چراغ کے ہاں چلیے تو سہی۔ مجھے یقین ہے کہ شیخ کی پُر اثر دعا ضرور اپنا کام کرے گی اور اللہ تعالیٰ ضرور شفاءِ کلی عطا فرمائے گا۔

چنانچہ اس دن مولانا شیخ کے ہاں جانے پہ رضامند ہوگئے اور کہنے لگے۔ ''اگر اللہ کو یہ ہی منظور ہے تو چلو ان کی دعا کا اثر بھی دیکھ لیں۔'' جب آپ مولانا کو لے کر شیخ کی خانقاہ پر پہنچے تو شیخ محمود چراغ ان کو دیکھ کر دروازہ پر آگئے اور نہایت عزت واحترام سے ملے اور حجرہ میں لے گئے۔ صحبت گرم ہوگئی اور مولانا باتیں بھی کرتے رہے اور کھانستے بھی رہے۔ کچھ دیر کے بعد شیخ اٹھ کر گئے اور باہر کھانا بھیجنے کے لیے کہا اور یہ بھی تاکید کی کھانے کے ساتھ ایک مہمان کے لیے دہی اور چاول بھی ضرور بھیج دیں۔ واپس حجرہ میں آکر مولانا سے گفتگو میں مصروف ہوگئے۔ اتنے میں کھانا آگیا۔ خادم نے دسترخوان بچھا کر کھانا چن دیا اور سب کھانے لگے تو مولانا نے چپاتی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شیخ نے چاول اور دہی مولانا کے آگے رکھ دی۔ یہ ایسی خوراک تھی جو دمہ کے مریضوں کے لیے کافی نقصان رساں ہوتی ہے۔ مولانا ایک مدت دہی اور چاول سے پرہیز کرتے تھے۔ مولانا تذبذب میں پڑگئے۔ مولانا کو تذبذب میں دیکھ کر شیخ نے فرمایا۔ مولانا بسم اللہ کریں۔ مولانا نے معذوری ظاہر کی، لیکن شیخ کے اصرار پر مجبوراً دہی چاول سے پیٹ بھرا۔ کھانا اٹھنے کے چند منٹ بعد مولانا کھانسنے لگے۔ شیخ نے خادم کو مولانا کے آگے طشت رکھنے کی ہدایت کی۔ کھانستے مولانا کو تین چار بار استفراغ ہوا اور تمام بلغمی مادہ جس سے کھانسی ہوا کرتی تھی طشت میں آرہا اور کچھ دیر بعد مولانا کی طبیعت بحال ہوگئی۔ اس کے بعد کافی دیر مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ شیخ کی پراثر گفتگو سے مولانا اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور مولانا کو شیخ کے متعلق اپنی پہلی رائے غلط محسوس ہوئی اور مولانا کو یقین ہوگیا کہ شیخ نہ صرف صاحب حال ہیں، بلکہ صاحب علم وفضل بھی ہیں۔ جب مولانا شیخ سے رخصت ہوکر گھر جارہے تھے تو آپ کو یہ محسوس ہورہا تھا جیسے وہ کبھی بیمار

ہی نہ تھے۔ پھر جب کئی ہفتہ مولانا کو معمولی سے کھانسی بھی نہ ہوئی تو آپ سے کہنے لگے۔ ''خواجگی معلوم ہوتا ہے تمہارے شیخ کی دعا قبول ہوگئی، تم تو ہم سے کہیں زیادہ مردم شناس نکلے۔ ہم تو آج تک اندھیرے میں ہی رہے، خدا ہمیں معاف فرمائے۔'' آپ نے جواب دیا۔ ''ایسا تو نہیں مولانا، آپ نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں فرمائی تھی۔'' مولانا نے جواب دیا۔ ''شاید'' پھر فرمانے لگے۔ ''خواجگی اب تمہارے شیخ ہمارے بھی شیخ ہیں۔''

چنانچہ پھر مولانا بھی شیخ کے ارادت مندوں میں شامل ہوگئے۔ ایک سعادت مند شاگرد نے کس طرح ایک بہت بڑے صاحب علم وفضل استاد کی رہنمائی کی۔

۷۵۷ھ میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ کے انتقال کے بعد آپ واپس چشت آ گئے۔

آپ کے والد ماجد نے چشت میں اپنے ہی خاندان کی ایک دوشیزہ سے آپ کی شادی کر دی اور چشت میں ہی درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔

مشیر حکومت:

کچھ مدت کے بعد سلطان فیروز شاہ کی طلبی پر آپ کو دوبارہ ہندوستان آنا پڑا اور آپ سلطانی مشیر کی حیثیت سے حکومت سے وابستہ ہوگئے۔ سلطان آپ کی بہت عزت کرتا تھا اور مشوروں میں شریک رکھتا تھا۔ فرصت کے اوقات میں آپ درس بھی دیتے۔

عہدِ فیروزی کے مقتدر علماء:

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اگرچہ بہت سے علماء ہوئے ہیں، لیکن ان میں مشہور زمانہ تین بزرگ تھے۔ ایک آپ (مولانا خواجگیؒ)، دوسرے قاضی عبدالمقتدر ابن قاضی رکن الدین الشریحی الکندی اور تیسرے مولانا احمد تھانیسری اور یہ تینوں بزرگ خواجہ سید نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے خلفائے کبار میں سے تھے۔

استاذ الاستاذ:

آپ نہایت صاحب علم وفضل اور صاحبِ باطن بزرگ تھے۔ بعض لوگوں نے آپ کو نحوی بھی لکھا ہے۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ اس میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی اور حضرت سید گیسو دراز کے دونوں فرزندوں رکن الدین اور یوسف جیسے استادانِ زمانہ کا نام بھی درج ہے۔

آپ کے والدِ ماجد کی علالت وانتقال:

۷۶۶ھ میں آپ کو اپنے والدِ ماجد کی علالت کے باعث چشت جانا پڑا اور آپ کے چشت پہنچنے کے چند روز بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ اس لیے آپ کو دو تین سال چشت میں ہی قیام کرنا پڑا۔ اس کے بعد سلطان فیروز شاہ تغلق کے ہی عہد میں ہندوستان واپس آ گئے۔

حملہ امیر تیمور صاحبقران:

امیر تیمور کے حملۂ ہندوستان سے پیشتر حضرت سید محمد گیسو درازؒ نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا۔ جس کی آپ کے ذہن نے یوں تعبیر کی۔ ''کہ مغل ہندوستان پر حملہ آور ہوں گے اور بے حد کشت وخون ہوگا اور موجودہ حکمران ختم ہو جائیں گے۔'' چنانچہ آپ کو حضرت گیسو دراز کے خواب اور اپنی تعبیر پہ اتنا یقین تھا کہ آپ نے اس آنے والے فتنہ سے پہلے دہلی چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا اور کالپی روانہ ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے اپنے دوست اور اخوانِ طریقت مولانا احمد تھانیسری کو بھی دہلی سے کالپی چلنے کو کہا، مگر انہوں نے آپ کا ساتھ دینے سے معذوری ظاہر کی، بلکہ اس ہجرت سے آپ کو باز رکھنے کے لیے کہا۔ ''خواجگی آپ کو تو وہم ہوگیا ہے۔ یہاں کچھ نہیں ہوتا، بہتر ہے آپ بھی سفر کا ارادہ ترک کر دیں۔'' آپ نے جواب دیا۔ ''گیسو درازؒ کا خواب غلط نہیں ہوسکتا۔ میں تو اب تیار ہوں، بہتر ہے تم بھی میرے ساتھ کالپی چلو، لیکن مولانا احمد تیار نہ ہوئے۔ آپ کالپی روانہ ہوگئے پھر تا زیست کالپی میں ہی رہے۔ آپ کے

کالپی قیام کے تھوڑے عرصہ بعد ہی امیر تیمور گورگان جس کی بے پناہ فتوحات سے مشرق و مغرب کے دیار لرز اٹھے تھے، برق بے اماں کی طرح ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ ہندوستان کے نوابوں، راجوں اور بادشاہوں میں تاب و مقاومت کہاں تھی جو اس کے سامنے آیا گاجر مولی کی طرح کٹ گیا۔ دہلی کے کمزور تغلق بادشاہ محمد شاہ بن محمد شاہ شکست کھا کر بھاگ گئے اور اس کی حکومت ختم ہو گئی۔ دلی میں ایسی لوٹ مار اور کشت و خون ہوا کہ اللہ کی پناہ۔ اسی افراتفری اور پکڑ دھکڑ میں مولانا احمد تھانیسری بھی گرفتار ہو گئے۔ جب کسی شخص نے مولانا احمد کے علم فضل اور بزرگی سے امیر کو آگاہ کیا اور رہائی کی سفارش کی مولانا کو رہائی ملی اور مولانا تھانیسری بلا توقف کالپی روانہ ہو گئے اور کالپی میں پہنچتے ہی آپ سے ملے اور کہنے لگے کہ میں نے آپ کی خواہش اور مشورہ کے عدم واحترام کی سزا بھگت رہا ہوں۔

ملک العلماء قاضی شہاب الدین کی شکایت:

ایک مرتبہ مولانا احمد تھانیسری کے فرزندوں اور آپ کے محبوب شاگرد قاضی شہاب الدین میں چشمک سی ہو گئی تو قاضی شہاب الدین نے ان کی (فرزندان مولانا احمد) شکایت لکھ کر بھیجی۔ آپ نے قاضی صاحب موصوف کو شیخ سعدی کے دو شعر لکھ کر بھیج دیے۔

ایک بیش از انکہ در قلم آید ثنائے تو
واجب بر اہل مغرب و مشرق ثنائے تو
اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں
باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو

آپ کی آخری زندگی نہایت زہد و عبادت میں گزری۔ آپ کے نواح دہلی، دہلی اور کالپی میں کافی مرید تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند سید ابو اعلےٰ چشتی آپ کے جانشین ہوئے۔

سید ابو الاعلےٰ مودودی چشتیؒ

نام:

حضرت خواجہ سید ابو الاعلیٰ شیخ المشائخ از کیائے وقت ولی دوراں مرشد عارفاں آعیہ خواجگان چشت۔

نسب:

جعفر خواجگی بن عبدالعلی بن قطب الدین بن زاہد بن یوسف بن ابو احمد بن نظام الدین بن رکن الدین بن ابی احمد بن خواجہ قطب الدین مودود چشتی بن ناصر الدین ابو یوسف بن سید محمد بن سمعان۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۷۹۸ھ بعہد امیر گورگان قریہ چشت ولایت ہرات میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۹۱۶ھ بعہد سلطان ابراہیم حسین لودھی قصبہ براس علاقہ کرنال ہند میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تعلیم مدرسہ چشت میں پائی۔ اعلےٰ تعلیم کی تکمیل علمائے ہرات سے کی۔ کچھ عرصہ اپنے والد ماجد مولانا خواجگی سے بھی کسب علم کیا۔ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد مولانا

خواجگی سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔ سید محمد گیسودراز خلفیہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی سے بھی فیض باطنی حاصل کیا۔ چند سال آپ چشت میں ہی درس وتدریس میں مشغول رہے۔

سفرِ ہند:

۸۵۵ھ میں جب حاکم سرہند سردار بہلول خاں لودھی نے ملتان، لاہور، دیپال پور اور دہلی پہ قبضہ کرلیا اور ہندوستان کے سلطان چلے گئے تو انہوں علاقے پشاور، کابل، غزنی اور ہرات میں عطوفت آمیز فرمان بھیج کر وہاں کے جنگجو قبائل، شیوخ اور سادات کو دہلی طلب کیا۔ چنانچہ علاقہ پشاور، قابل ہرات اور غزنی سے جوق در جوق جنگجو قبائل ہندوستان پہنچنے لگے۔ ان قبائل کے ساتھ کچھ شیوخ اور سادات بھی تھے۔ اس دور میں آپ بھی ہندوستان تشریف لائے۔

قاضی لشکر:

بحیثیت قاضی لشکر حکومت سے وابستہ ہوگئے۔ آپ لشکر میں محض قاضی ہی نہیں تھے، بلکہ معرکہء کارزار میں قتال بھی کرتے رہے۔ ایک مہم میں تو آپ نے انتہائی دلیری اور عسکری صلاحیت کا مظاہرہ کیا اور سلطان نے بھی آپ کی نہ صرف تعرف کی، بلکہ آپ کو ناظم علاقہ کرنال کا عہدہ تفویض کردیا۔

۸۷۰ھ میں آپ نے خدمت حکومت سے سبکدوشی کی درخواست کی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ آپ فریضہ حج کے لیے مکہ مکرمہ جانا چاہتے ہیں اور اس کے بعد باقی زندگی عبادت اور دین کی تبلیغ میں گزارنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سلطان نے آپ کی درخواست منظور فرما کر انعام واکرام اور سفرحج کے لیے خزانہ سے روپیہ عطا فرمانے کا حکم دیا۔

سرنائی میں قیام:

سرنائی میں قیام کے دوران یہاں ایک مکان، مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کا انتظام شروع کر

دیا، لیکن ہراس کے راجہ کو آپ کا یہاں آباد ہونا گراں گزرا اور اس نے مخالفت کی اور تعمیر میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگا، لیکن جب راجہ کو علم ہوا کہ یہ بزرگ سلطان کے مقرب خاص ہیں، اگر انہوں نے سلطان سے شکایت کردی تو وہ سلطان کے عتاب سے نہ بچ سکے گا تو وہ خاموش ہوگیا۔ تعمیرات سے فارغ ہوکر آپ برناوہ سے اپنے اہل عیال کو یہاں لے آئے۔ جب آپ کے ملنے والوں اور عقیدت مندوں کو آپ کے مستقل طور پر براس میں آباد ہونے کا علم ہوا تو نزدیک اور دور کے ملنے والے اور عقیدت مند ملاقات کے لیے آنے لگے۔ آپ کے عقیدت مندوں میں پٹھان، انصاری، قریشی اور نومسلم اقوام میں راجپوت، میو اور جاٹ کافی تھے۔ جب یہ لوگ آنے جانے لگے تو براس میں کافی چہل پہل اور رونق ہونے لگی اور قرب وجوار کے طلباء بھی آنے لگے تو آپ کو ان مہمانوں اور طلباء کے طعام کے لیے لنگر خانہ بھی بنانا پڑا۔

آپ کی وعظ وتلقین اور تبلیغ دین میں کوشاں رہنے کے باعث لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حتیٰ کہ اسلام کی دعوت راجہ کے خاندان کو بھی متاثر کرنے لگی اور بڑھتے بڑھتے راجہ کے محل تک جا پہنچی اور راجہ کی بیوہ دختر کماری جے ونتی تو اس قدر متاثر ہوئی کہ ایک دن اپنے باپ کی اجازت کے بغیر آپ کے ہاں آ گئی۔ آپ اس کی اس طرح چلنے آنے پر سخت برہم ہوئے اور اسے واپس جانے پہ مجبور کیا۔ راجہ کی دختر کماری جے ونتی نے عرض کیا۔ ''حضور میں سب کچھ سمجھ کر آئی ہوں۔ میں نہیں سمجھ سکی کہ میں جس روحانی فیض کے حصول کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں آپ اس فیض سے مجھے کیوں محروم فرمارہے ہیں۔ اب کسی طرح بھی اس شرک وکفر کے ماحول میں واپس نہیں لوٹ سکتی، اگر آپ نے مجھے مایوس کردیا تو میں کسی اور مردِ درویش کو تلاش کروں گی جو مجھے ان ظلمتوں سے نکالے، جن میں میرا تمام خاندان گرا ہوا ہے۔ اس کا یہ جواب سن کر آپ کچھ نرم ہوگئے اور اسے ملائمت سے سمجھانے لگے، لیکن وہ یہ ہی کہتی رہی کہ میں اب راج محل میں نہیں جاؤں گی، اگر آپ نے مجھے مزید مجبور کیا تو زہر کھالوں گی۔ لڑکی کا یہ جواب سن کر اُلجھن میں پڑ گئے، اگر لڑکی کی بات مانتے ہیں تو یہ بدنامی اور

راجہ اور ہندوؤں کی مخالفت ہو جائے گی۔ ممکن ہے اس واقعے سے وہ خود اور نو مسلم کسی فتنہ کا شکار ہو جائیں اور دین کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی، اگر لڑکی کی خواہش کو ٹھکراتے ہیں تو یہ ایک گناہ ہے اور لڑکی کی زندگی خطرہ سے دوچار ہوتی ہے جو اس سے بھی بری صورت ہے۔ تاہم آپ نے کچھ دیر تامل اور غور کرنے کے بعد راجہ کو کہلا بھیجا کہ تمہاری دختر کسی اختلاف کی بنا پر گھروں والوں سے ناراض ہو کر ہمارے ہاں آ گئی ہے۔ اسے یہاں سے لے جاؤ۔ راجہ جو اس کے غائب ہو جانے سے پریشان تھا یہ پیغام سن کر مطمئن اور خوش ہو گیا کہ لڑکی ایسی جگہ نہیں گئی جس سے اس کا ناموس خطرہ میں ہو یا اس کی نیت اور چال چلن پہ شبہ کیا جائے۔

اس نے کماری جے وتنی کو بلانے کے لیے اپنے خاص آدمی بھیج دیئے۔ جب یہ آدمی آپ کے ہاں پہنچے تو آپ نے ان کو بتایا کہ راجہ کی دختر نے کسی برے خیال سے گھر سے قدم نہیں نکالا، بلکہ یہ دین اسلام سے متاثر ہے اور دین قبول کرنے کے لیے آئی تھی، لیکن میں نے اس معاملہ میں تامل کیا اور اس امر سے راجہ صاحب کو مطلع کرنا ضروری سمجھا۔ آپ اس سے ملاقات کریں اور نہایت محبت اور ملائمت سے اسے گھر چلنے پر مجبور کریں۔ اس گفتگو کے بعد آپ نے کماری جے وتنی سے فرمایا کہ تمہارے ہاں سے تمہارے چند عزیز تم سے ملنے آئے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم ان سے ملاقات کرو اور ان سے کھل کر گفتگو کرو، اگر وہ تمہیں مطمئن کر دیں تو ان کے ساتھ اپنے گھر روانہ ہو جاؤ۔ تمہارے والد تمہارے لیے بہت پریشان ہیں۔ چنانچہ کماری جے وتنی ان لوگوں سے ملی اور ان سے کھل کر گفتگو کی اور واپس گھر لوٹنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں یہاں آئی ہوں تو کچھ سوچ سمجھ کر آئی ہوں۔ اب میرا مسلک آپ کے مسلک سے مختلف ہے۔ میں اب اس روشنی کو چھوڑ کر اندھیرے کی طرف نہیں جا سکتی، اگر آپ مجھے یہاں سے بجبر لیجانے کی کوشش کریں گے تو میں زہر کھا لوں گی، اگر سید صاحب نے مجھے پناہ نہ دی تب بھی میں اپنی زندگی ختم کر لوں گی۔ آپ تشریف لے جائیں اور مجھے بھول جائیں۔ لڑکی کی یہ گفتگو سن کر بیچارے واپس ہو گئے اور راجہ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ راجہ نے ان کی گفتگو سن کر کہا ہمیں اس کا مرجانا

گوارہ نہیں۔ وہ اگر مسلمان ہی ہونا چاہتی ہے تو اس کی مرضی، لیکن اسے اس صورت میں سید صاحب کے گھر سے باہر قدم رکھنے کی اجازت ہے اور نہ کسی مسلمان سے اس کی شادی گوارا ہے، البتہ اگر سید صاحب اس سے عقد کرنا چاہیں تو ہمیں اعتراض نہیں۔

راجہ ہراس کا قبول اسلام اور کماری جے وتنی سے آپ کا نکاح:

تھوڑے عرصے کے بعد راجہ ہراس اور اس کے متعلقین بھی مسلمان ہو گئے اور راجہ کی خواہش پر آپ کا نکاح کماری جے وتنی سے ہو گیا۔ اس سے بیشتر آپ کا عقد برناوہ کے انصاری خاندان میں ہوا تھا۔

عادات، اخلاق، علم و فضل اور خدمت دین:

آپ نہایت عالم و فاضل، عابد و زاہد، صاحب باطن اور مجاہد تھے۔ آپ نے اپنی عمر کا ایک خاص حصہ حکومت سے وابستگی میں گزارا، لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دین کی خدمت سے غافل نہیں رہے۔ جب تک آپ سلطان بہلول خاں لودھی کی حکومت سے منسلک رہے۔ آپ سلطان کو نصیحت کرنے سے نہ جھجکتے اور ہمیشہ امور حکومت کو دین کے مطابق چلانے کی تلقین کرتے رہے۔ لشکر کے سرداروں اور دیگر ارکان حکومت کو بھی نیکی، انصاف، وفاداری اور خدا ترسی کی نصیحت کرتے اور ہمیشہ کرتے نیک مشورے دیتے۔ ہراس آکر بھی آپ نے آرام نہیں کیا، بلکہ روز و شب درس و تدریس اور تبلیغ اسلام میں مصروف رہے۔ علاقے کرنال، سرہند، دہلی اور فیروزہ حصار تک وعظ و تلقین کے لیے جاتے اور تبلیغ اسلام میں کوشش کرتے۔ آپ کی کوششوں سے پنوار، طور، چوہان اور بریاہ راجپوتوں کے متعدد خاندان دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور جاٹوں اور رہیروں کی بھی خاصی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔

سلطان سکندر لودھی سے ملاقات اور جہاد:

ایک مرتبہ آپ براس سے کہیں بہت دور تبلیغ کے لیے گئے ہوئے تھے۔ جس مقام پر آپ قیام فرماتے اس مقام پہ اور اس کے اردگرد کے علاقہ میں آپ کے کافی معتقد اور مرید تھے۔ ایک دن کہیں سے آپ کا ایک مرید خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے گفتگو کے دوران میں آپ کو بتایا کہ یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر سلطان سکندر لودھی کسی ہندو راجہ سے مصروف جہاد ہے۔ کئی ماہ سے سلطان نے راجہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ روز چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں، لیکن قلعہ سر نہیں ہوتا۔ سلطان اس صورت حال سے نہایت فکر مند ہیں۔ آپ نے یہ داستان سنی تو اس ضعیفی میں بھی آپ کا جذبۂ جہاد بیدار ہو گیا۔ آپ نے اپنے مریدوں کی ایک خاصی تعداد لے کر میدان کارزار کی طرف روانہ ہو گئے اور میدان جنگ کے قریب پہنچ کر آپ نے سلطان سے ملاقات کی خواہش کی تو سلطان نے آپ کو اپنے خیمہ میں ہی بلا لیا۔ وقت ملاقات آپ نے سلطان سے کہا کہ ہم بھی اس جہاد میں شریک ہو کر ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ سلطان نے اس پیشکش کو وقت کے لحاظ سے غنیمت سمجھا۔ چنانچہ آپ کو جہاد میں شمولیت کی اجازت دیدی۔

آپ نے اپنے مریدوں کا لشکر اپنے طریق پر ترتیب دیا۔ نصف فوج کو تیر اندازی اور نصف فوج کو شمشیر زنی کے لیے مقرر کیا اور یہ بھی ہدایت کی کہ میں جس وقت جس طرف تیر چھوڑوں تمام تیر انداز اس طرف بے تحاشا تیر چھوڑنا شروع کر دیں اور جب میں تیر اندازی بند کرنے کا حکم دوں تو رک جائیں اور شمشیر باز آگے بڑھ کر حملہ کریں۔ چنانچہ آپ کے تیر چھوڑنے پہ تمام تیر اندازوں نے دشمن پر تیروں کی بارش کر دی۔ حسنِ اتفاق سے آپ کے پے در پے تیر راجہ کے جسم میں پیوست ہوتے رہے اور ایک تیر تو اس انداز سے آنکھ میں لگا اور کھوپڑی پھاڑتا ہوا نکل گیا۔ عین اس وقت تیر اندازی بند کر دی گئی، شمشیر زنوں نے حملہ کر دیا۔ ایک شخص نے گھوڑا بڑھا کر راجہ کا سر کاٹ کر نیزہ بلند کر لیا۔ دشمن اس حملہ سے پہلے ہی بہت دب گیا تھا۔ راجہ کا سر نیزے پر دیکھ کر تو بالکل جی چھوڑ گئے اور راجہ کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور افواجِ سلطانی کا قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔

سلطان کو جب یہ معلوم ہوا کہ راجہ اس بزرگ سید کے تیر سے ہلاک ہوا ہے جو کل اپنے عقیدت مند مجاہدوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے آئے تھے تو سلطان خود چل کر آپ کے خیمہ میں پہنچا اور نہایت عزت و تکریم سے آپ سے معانقہ کیا اور شکریہ ادا کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے شکریہ کی کیا ضرورت ہے ہم اور آپ حصول ثواب کے لیے اس جہاد میں شریک ہوئے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے ہمیں فتح مبین عطا فرمائی ہے اور ہمیں ثواب حاصل کرنے کا موقع عنایت فرمایا ہے۔ آیئے ہم سب مل کر اس کی بارگاہ میں سجدۂ شکرانہ ادا کریں۔ بعد ازاں فرمایا کہ ہم سب یہاں اشاعت اسلام کی غرض سے آئے ہیں۔ مسجد و ممبر ہو یا میدان کارزار مسلمان کا مقصد احیائے دین ہی ہوتا ہے۔ آپ کی گفتگو سے سلطان بہت متاثر ہوا اور اسے آپ سے عقیدت ہو گئی اور اس کے بعد تو تازیست سلطان آپ کی خدمت اور تعظیم کرتا رہا اور مشکل امور میں آپ سے مشورے لیتا رہا۔

اقوال مبارکہ:

...... برادرانِ سلسلہ؛ صوفی وہ ہے جس کے عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کا ہر ہر جز اسلام کے مطابق ہو۔ توحید، نبوت، عبادت معبود، جزا و سزا اور تمام اخلاقی امور میں قرآن و حدیث کی راہنمائی کافی سمجھے۔

...... برادرانِ دینی؛ احکام شریعت کو واجب جانو اور اتباع سنت کو لازم اور بدعت سے اعتراض کرو۔

...... آثار صحابہ اور احادیث پر مداوت کرنا چاہیے۔

...... آلِ بیت کرام کی خصلت اور صحابہ کی روش اختیار کرو۔

...... دین اسلام ازلی و ابدی دولت ہے کوئی دنیوی قوت ایسی نہیں جو اسے معدوم کر سکے، لیکن خواہش نفس، عقل کی کجروی اور نور ایمان کی کمی سے دوسری قوتوں کے مانند اس میں ضعف آجاتا ہے، جب ایسی صورت پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرو اور

اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو اور اپنے روز و شب کا احتساب کرنا شروع کر دو۔

...... ہر دور میں ایسے لوگوں کی تعداد محدود رہی ہے جن کا ہر قول و فعل دین کے مطابق ہو اور دین ہی ان کا فرش و لحاف ہو، تاہم ہر دور میں ایسے لوگوں کی بھی ایک معقول تعداد ضرور رہی ہے جن کی زندگی پر قرآن سنت کا غلبہ رہا ہے۔

...... علمی طور پر دین کی پابندی جس قدر غربا میں پائی جاتی ہے۔ امراء میں اس عنصر کی کمی ہے۔ امراء کے مقابلہ میں حاکموں اور بادشاہوں میں تو دین برائے نام ہی ہوتا ہے، لیکن افراد مذکورہ میں اگر کوئی اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے تو اس کی زندگی کا یہ واقعہ مہتم بالشان ہے۔

...... صدق مقال اور اکل حلال کے بعد ہی عبادت و اشغال کا درجہ ہے۔ طالب کو چاہیے کہ اپنے مالک سے جو کچھ مانگنا ہو۔ مانگے کسی بندے کی طرف سے امید نہ رکھے۔ ایسا لباس نہ پہننا چاہیے جسے دیکھ کر لوگ تجھے صوفی درویش اور ملا سمجھ کر تعظیم دیں۔ ایسا لباس ریا کاری سے خالی نہیں۔

...... عزیز من صلوٰۃ سے غافل نہ ہو صلوۃ عمود دین ہے۔ معراج المومنین جو شخص عیش دنیا میں مبتلا ہے اور درویشی کا دعویٰ کرتا ہے وہ ریاکار اور جھوٹا ہے۔

...... اللہ کی طرف سے آئی ہوئی مصیبتوں پر صبر کرو اور شکر سے کام لو ورنہ عرفانِ الٰہی کا حصول ایک موہوم خیال ہے۔ جہاد اکبر اور جہاد اصغر کا خیال رکھو۔ جہاد اکبر یہ ہے کہ بندہ راہ خدا سے اپنے نفس کو مارنے اور نفس کا مارنا یہ ہے کہ اس کی خواہشات کے خلاف کرے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اسے مجبور کرے اس جہاد میں جسم کی ویرانی اور روح کی آبادی ہے۔ جہاد اصغر یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے اور کفار سے مقاتلہ کیا جائے۔ اس میں دو درجے ہیں، اگر راہ خدا میں مارا جائے تو درجہ شہادت پائے گا اور اگر کافروں کو قتل کرے اور سلامت رہے تو غازیوں کا درجہ پائے گا۔

اے برادر جہاد اکبر جہاد اصغر سے مشکل ہے، چونکہ جہاد اکبر دوامی اور جہادِ اصغر میعاد معینہ تک قائم رہتا ہے، تاہم مومن کو جہاد اکبر اور جہاد اصغر کی آرزو اور ان کے حصول کے لیے کوشش کرتے رہو انشاء اللہ مقصد دلی پورا ہوگا۔ اللہ والوں کے لیے کم گفتن، کم خوردن اور کم خفت ضروری ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ کے معاملات میں غفلت نہ ہو۔

...... برادر عزیز تسبیح و سجادہ سے کوئی صوفی نہیں ہو جاتا صوفی کے لیے حرص اور ریا کاری سے اجتناب اور قناعت و توکل انکساری تواضع اور توجہ الی اللہ پہ دوام ضروری ہے۔

اولاد و ازدواج:

آپ کی پہلی شادی تو چشت میں اپنے ہی خاندان میں ہوئی، اس بیوی کے بطن سے ایک فرزند ہوا۔ ان کی اولاد چشت میں ہی رہی۔ ہندوستان آنے کے بعد دوسری شادی برناوہ کے انصاریوں میں ہوئی۔ دوسری بیوی کے بطن سے دوسرے فرزند عبدالعلی کی ولادت ہوئی۔ تیسری شادی براس (کرنال) کے ایک راجپوت راجہ کی دختر کماری جے ونتی سے ہوئی اس بیوی کے بطن سے تیسرے فرزند قطب الدین کی ولادت ہوئی۔ صاحبزادہ عبدالعلی اور صاحبزادہ قطب الدین کی اولاد برصغیر ہند و پاکستان میں موجود ہے۔ آپ کے جو صاحبزادے چشت میں تھے۔ ان کی اولاد کے متعلق اب کچھ علم نہیں۔ ۱۱۲۰ ہجری سے ان سے کوئی رابطہ نہیں رہا۔ آپ کے دوسرے فرزند صاحبزادہ عبدالعلی اور صاحبزادہ قطب الدین کی اولاد در اولاد بر بار بڑھتی رہی۔ جب قصبہ براس میں معیشت کی تنگی محسوس ہوئی اور باہر کے لوگوں کے رجوعات میں بڑھ گئے تو ان ہر دو بزرگوں کی اولاد براس کے علاوہ دہلی، فیض آباد، سہسوان، شیخوپورہ علاقہ میرٹھ اور سرہند میں آباد ہوگئی۔ دہلی میں خواجہ عبدالعلی کی اولاد کوچہ پنڈت میں اور خواجہ قطب الدین کی اولاد ترکمان دروازہ میں آباد ہوگئی۔ فیض آباد والی شاخ تو مدت ہوئی ختم ہو چکی ہے۔ ان کے مزارات سیتائی رسوئی میں بنے ہوئے ہیں۔ شیخوپورہ والی شاخ غدر ۵۷ء میں ختم ہوگئی، البتہ دہلی براس اور سرہندلیی میں آپ کے ہر دو صاحبزادوں کی اولاد موجود رہی ہے۔ پاکستان بننے کے بعد وہ

ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور کراچی، ملتان، لائل پور، لاہور، قصبہ فاروقہ سرگودھا اور راولپنڈی میں آباد ہیں۔ آپ کا مزار براس ضلع کرنال میں ہے۔ مقبرہ گنبد والا ہے اور احاطۂ مزار میں دیگر بزرگانِ خاندان کی قبریں ہیں۔ خواجہ عبدالعلی صاحب کا مزار تو آپ کے مقبرہ کے اندر ہی ہے اور خواجہ قطب الدین کا مزار مقبرہ سے اور چار دیواری کے اندر ایک نمایاں جگہ میں واقعہ ہے۔

ولادت	وفات			
۷۰۵	۷۸۵	علی	....	عمر ۸۰ سال
۷۳۱	۸۱۹	خواجگی	....	عمر ۸۷ سال
۷۸۰	۹۱۶	ابولاعلی	....	عمر ۱۳۶ سال
۸۳۶	۹۴۰	قطب الدین	....	عمر ۱۰۴ سال
۸۸۰	۸۹۷	ابومحمد	....	عمر ۷۷ سال
۹۲۲	۹۸۸	محمد اعظم	....	عمر ۲۲ سال
۹۴۸	۱۰۱۹	سلطان محمد	....	عمر ۷۱ سال
۹۸۵	۱۰۸۲	نظر محمد	....	عمر ۹۷ سال

حضرت شاہ نظر محمد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی آگئے اور دہلی میں حضرت شیخ شاہ عبدالحق محدث اور دہلوی کے لیے تفسیر، حدیث و فقہ کے علاوہ علوم عملی مثلاً تاریخ و ادب، منطق و فلسفہ اور علم تصوف کی کتب بھی پڑھیں۔ چشتیہ سلسلہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے۔ نقشبندیہ سلسلہ میں حضرت سید امیر الونا سے بیعت اور اکساب فیض کیا، اگرچہ آپ سہروردیہ اور قادریہ سلسلہ میں بیعت تھے۔ خرقہ یافتہ تھے، لیکن آپ نے مسندِ ارشاد پر بیٹھنے سے گریز کیا اور وجہ معاش کی جدوجہد میں مصروف ہوگئے۔

مولانا سید قطب الدین مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

قطب الدین بن ابوالاعلیٰ بن خواجگی بن عبدالعلی بن قطب الدین مودود الثانی بن زاہد بن یوسف بن محمد بن سمعان بن ابراہیم بن جعفر الثانی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسےٰ کاظم بن امام جعفر الصادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سید الشہداء امام حسین بن امیر المومنین علی بن ابو طالب بند عبدالمطلب بن ہاشم۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۸۵۲ھ قصبہ براس علاقہ کرنال میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۹۴۶ھ بعہد حکومت سلطان سکندر لودھی قبصہ براس میں ہوئی۔

تعلیم وترتیب:

دینی علوم کی تحصیل اپنے والدِ ماجد خواجہ سید ابوالاعلیٰ سے کی۔ تفسیر، ادب اور منطق کی تعلیم مولانا حسینِ الواعظ کاغشنی سے حاصل کی اور طریقہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد خواجہ سید بوالاعلیٰ سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔

۸۷۴ھ میں آپ چشت تشریف لے گئے۔ چشت میں اپنے خاندان کے عزیزوں اور بزرگوں سے ملاقات کی اور خواجگان چشت کے مزارارت کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھی۔ کچھ

دن کے بعد آپ چشت سے روضہ امام علی رضا کی زیارت کے لیے مشہد مقدس روانہ ہو گئے۔ مشہد مقدس میں دو دن قیام کے بعد واپس چشت تشریف لے آئے۔ چشت میں چار پانچ روز کے قیام کے بعد ہرات تشریف لے آئے۔ ہرات میں مولانا حسین الواعظ کاشفی سے دو سال تک تفسیر، ادب، منطق و فلسفہ کا درس لیتے رہے۔ ہرات سے غزنی و کابل کا سیاحت کرتے ہوئے واپس ہندوستان آ گئے اور فوج سے منسلک ہو گئے۔ ۸۷۷ھ قاضی لشکر کا عہدہ دے کرنال میں تقرر کر دیا گیا۔ ۸۸۰ھ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض کر کے سرہند میں تقرر کر دیا۔ ۸۹۴ھ میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ براس تشریف لے آئے اور اپنے والدِ ماجد کی خدمت میں مصروف ہو گئے اور ان کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔ درس و تدریس کا کام تو آپ کے والد ماجد نے کلیتاً آپ کے سپرد کر دیا اور کچھ دیر کی روحانی تربیت کے بعد آپ کو خرقۂ خلافت بھی عطا فرما دیا۔

اپنے والد ماجد خواجہ سید ابوالا علیٰؒ کی وفات کے بعد اپنے بڑے بھائی خواجہ سید عبدالعلی اور مریدوں کے اصرار پر آپ اپنے والد ماجد کے سجادہ پر متمکن ہوئے اور اپنے والدِ ماجد کے مریدوں کی اصلاح و تربیت باطنی میں مشغول ہو گئے۔ درس و تدریس اور تبلیغ دین سے بھی کسی وقت غفلت نہ فرماتے۔ آپ نے اپنے دورِ سجادگی میں اپنے والدِ ماجد کا مقبرہ مہمان خانہ اور از سرِ نو مسجد کی تعمیر کروائی۔

آپ علومِ ظاہری و باطنی سے آسودہ تھے اور عارف کامل تھے۔ تمام جاگیر سے جو آمدنی وصول ہوتی تھی وہ اپنے اور اپنے متعلقین کے خرچ کے مطابق رکھ کر سب فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دیتے تھے۔

طبیعت کے نہایت غنی و سخی تھے۔ کبھی کسی سوالی یا ضرورت مند کو اپنے در سے مایوس نہ جانے دیتے تھے۔ عام آدمیوں ایسا لباس پہنتے تھے۔ علما اور مشائخ کے مخصوص لباس سے گریز فرماتے تھے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا سید ابو محمد چشتی آپ کے جانشین ہوئے۔

مولانا سید ابو محمد مودودی چشتیؒ

نام و نسب:

ابو محمد بن قطب الدین بن ابوالا علیٰ بن خواجگی بن عبدالعلی بن قطب الدین مودود الثانی مودودی چشتی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۸۸۷ھ قصبہ براس علاقہ کرنال میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۹۵۷ھ قصبہ براس علاقہ کرنال میں ہوئی۔ آپ اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہیں۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے جدِ محترم خواجہ سید ابوالا علیٰ اور اپنے والد ماجد مولانا سید قطب الدین سے حاصل کی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی تکمیل شیخ رفیع الدین محدث اکبر آبادی سے کی۔

طریقہ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت ہوئے اور انہیں سے خرقہ حاصل کیا۔

اپنے والدِ محترم کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور خاندانی روایات کے مطابق درس و تدریس اور مریدوں کی تربیت باطنی میں مشغول ہو گئے۔ آپ کو مطالعہ کتب اور مشائخ سے ملاقات کا بہت شوق تھا۔ آپ اکثر اپنے زمانے کے مشائخ سے ملاقات کے لیے سفر اختیار کرتے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور حضرت سید غوث گوالیاری کی خدمت میں کبھی کبھی ضرور جاتے۔

آپ صاحبِ علم وفضل تھے۔ صاحبِ دل تھے۔ بندۂ بے غرض اور درویش خدامست تھے۔

لودھی سلطنت کے زوال کے بعد لودھی بادشاہوں کے وفادار اور دوستوں کے لیے برا وقت تھا۔ ان کی جاگیریں مغل حکومت نے ضبط کر لی تھیں اور ان کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کی جاگیر بھی ضبط کر لی گئی، لیکن آپ نے نہ تو اس جاگیر کی پروا کی نہ اس واگزاری کے لیے کسی حاکم کے ہاں گئے اور نہ کبھی حق بات کہنے سے ڈرے، اگرچہ جاگیر کی ضبطی نے آپ کی معیشت پر گہرا اثر ڈالا تھا، لیکن آپ کا لنگر خانہ میں وہی رونق اور وہی آب وتاب تھی۔ معتقدین، طلبا اور مسافروں کو ایسا ہی کھانا ملتا تھا جیسا کہ آپ کے والدِ ماجد کے زمانہ میں ملتا تھا۔

آپ نہایت متقی، زاہد، متوکل اور قناعت پسند تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں بھی کامل تھے۔

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا سید محمد اعظم چشتی آپ کے جانشین اور آپ کے سجادہ پر بیٹھے۔

مولانا سید محمد اعظم مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

محمد اعظم بن ابو محمد بن قطب الدین بن خواجہ سید ابوالاعلیٰ مودودی چشتی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۹۲۲ھ قصبہ براس علاقہ کرنال میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۹۸۸ھ قصبہ براس میں ہوئی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے جدِ محترم اور اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کے علم کی تکمیل مولانا عبدالعزیز بن حسن طاہر چشتی جونپوری دہلوی سے کی اور ان سے عوارف اور خصوصی الحکم بھی پڑھی۔

سلسلہ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد مولانا سید ابو محمد چشتی سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔ علاوہ ازیں مولانا شیخ جلال تھانیسری سے بھی فیضِ روحانی حاصل کیا۔

اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ان کے سجادہ پہ بیٹھے اور عقیدت مندوں کی اصلاح اور تربیت باطنی میں مصروف ہو گئے۔ آپ معرفت وطریقت کے مظہر، علوم ظاہر کے کامل تھے۔ نہایت متقی، عابد، زاہد، متوکل اور قانع درویش تھے۔ تمام عمر اس علاقہ کے لوگوں کو نیکی وشرافت کی تلقین کرتے رہے اور دین کی تعلیم دیتے رہے۔

آپ حج بیت اللہ کی زیارت روضۂ نبوی کے لیے حجاز تشریف لے گئے۔ حج سے واپسی میں عراق قیام فرمایا اور تمام مقامات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عراق سے سیدنا امام علی رضا کے مزار پر حاضری کے لیے مشہد مقدس تشریف لے گئے اور مشہد مقدس سے قریۂ چشت (ولایت ہرات) روانہ ہوئے اور چشت میں اپنے خاندان والوں سے ملے اور مزارات خواجگان چشت پر فاتحہ و درود سے فارغ ہو کر چشت کے دیگر مقامات اور بزرگان چشت کے تبرکات کی زیارت کے بعد واپس ہندوستان تشریف لے آئے۔ اس مقدس سفر کے بعد آپ کبھی قصبہ براس سے غیر حاضر نہ ہوئے۔

آپ اپنے مریدوں کے اعمال کی درستگی میں بہت کوشش کرتے رہتے تھے اور جب ان کی کوشش کے باوجود بھی آپ کی نگاہ میں کسی مرید کی اصلاح نہ ہوتی اور اس کے اعمال ناپسندیدہ رہتے تو اسے اپنی بیعت سے آزاد کر دیتے اور فرماتے۔ ''بھائی کسی اور شیخ کے مرید ہو جاؤ ہمارے ہاں سے فیض تمہاری قسمت میں نہیں یا تمہاری اصلاح کا ثواب ہماری قسمت میں نہیں۔''

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا سلطان محمد آپ کے جانشین تسلیم کیے گئے۔

مولانا سید سلطان محمد مودودی چشتیؒ

نام و نسب:

سلطان محمد بن محمد اعظم بن ابومحمد بن قطب الدین بن خواجہ سید ابوالاعلیٰ مودودی چشتی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۹۴۸ھ بعہدِ حکومت سلطان نصیر الدین ہمایوں قصبہ براس علاقہ کرنال میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۱۰۱۹ھ بعہد حکومت سلطان نورالدین جہانگیر قصبہ براس میں ہوئی۔

آپ نے تمام علوم تفسیر، حدیث، فقہ، زبان و ادب کی تکمیل اپنے والدِ ماجد خواجہ سید محمد اعظم چشتی سے حاصل کی۔

طریقۂ چشت میں اپنے والدِ محترم سے بیعت ہوئے اور خرقۂ خلافت پایا۔ حضرت شیخ رکن الدین بن حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے بھی فیض روحانی پایا۔

اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ان کے سجادہ پر بیٹھے اور مریدوں کی ظاہری اور باطنی تربیت اور طلباء کو درس دینے میں مصروف ہو گئے۔ آپ کو ہر سلسلہ کے مشائخ سے ملاقات اور ان سے حصول برکات کا بہت شوق تھا، چنانچہ آپ چار سلسلۂ طریقت چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ میں بیعت تھے۔ درس و تدریس اور عبادت کے بعد آپ مطالعۂ قرآن مجید میں مصرف رہتے۔

آپ کی ایک کتاب "ناسخ والمنسوخ فی القرآن" کے مصنف بھی تھے۔

آپ نہایت سادہ طبیعت و سادہ مزاج تھے۔ طبیعت میں خاکساری اور عجز اس قدر تھا کہ در پر ہر آنے والے کو اٹھ کر ملتے اور معانقہ کرتے اور اس کے لیے اپنی جگہ خالی کر دیتے۔ لوگوں کو نصیحت بھی اس احسن طریقے سے کرتے کہ کسی کو محسوس نہ ہوتا۔ زیادہ تر لوگوں کو مکارم اخلاق کی تلقین کرتے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادہ مولانا سید نظر محمد مودودی آپ کے جانشین ہوئے۔

نورالمشائخ خواجہ سید نظر محمد مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

نام نظر محمد ﷺ۔ نسب۔ نظر محمد بن سلطان محمد بن محمد اعظم بن ابو محمد بن قطب الدین بن خواجہ سید ابوالاعلےٰ مودودی چشتی بن خواجگی بن عبدالعلی بن قطب الدین بن زاہد بن یوسف بن ابواحمد بن نظام الدین بن رکن الدین بن ابی احمد بن قطب الدین بن ابو یوسف بن محمد بن سمعان بن ابراہیم بن حسین بن عبداللہ بن جعفر بن امام علی نقی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۹۸۵ھ بعہد حکومت سلطان جلال الدین اکبر قصبہ براس علاقہ کرنال میں ہوئی۔ آپ نے ۹۷ سال کی عمر پائی۔

وفات:

آپ کی وفات ۱۰۸۲ھ بعہد حضرت اورنگزیب عالمگیر شہنشاہ ہندوستان بستک ملک حیدر سرہند میں ہوئی۔ آپ کا مزار پرانوار بستک ملک حیدر (سرہند بسی) میں بازار کے متصل ہے۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی قبر کچی ہے اور چنبہ اور چنبیلی کی بیلوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ سرہالیں سنگ مرمر کی ایک بڑی تختی نصب ہے جس پر ہوالغفور اور آپ کا نام اور تاریخ ولادت اور وفات کندہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو چنبہ (چمپا) اور چنبیلی کے پھول بہت پسند تھے۔ اس لیے عقیدت مندوں نے آپ کی قبر پر چنبہ (چمپا) اور چنبیلی کی بیلیں لگا دیں، چنانچہ اس لیے عوام آپ

کوچنبہ والے حضرت صاحب بھی کہتے ہیں۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد مولانا سید سلطان محمد صاحب سے حاصل کی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور فلسفہ و منطق کی تکمیل علمائے دہلی سے کی۔

طریقہ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔ سلسلہ چشتیہ نقشبندیہ میں خواجہ سید امیر ابوالوفا حسینی احراری سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔ طریقۂ قادریہ میں شیخ المشائخ حضرت خواجہ جان محمد مودودی سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔

عہد جہانگیری میں آپ سید علی حاکم اجمیر کے پیش کار مقرر ہوئے۔ ۱۰۳۷ھ عہدِ شاہجہان میں آپ قاضی لشکر سہرند (۱۰۳۸ھ میں حکومت شاہجہاں شہنشاہ ہند و افغانستان سرہند کا نام تبدیل کر کے سہرند رکھا اور تمام ممالک محروسہ میں یہ احکامات جاری کیے گئے کہ "چونکہ اس علاقہ اور مقام کو سرہند رکھا تھا۔ یہ نام اسمِ بامسمیٰ تھا، لیکن اب جبکہ ممالک محروسہ کی حدود سرحد تا سرحد بڑھتی چلی گئیں اور کابل و قندھار سے بنگال تک کسی دوسری حکومت اور بادشاہ کا نام و نشان نہیں، لہٰذا حکم دیا گیا کہ اب اس مقام کو سرہند کی بجائے سہرند لکھا اور بولا جائے) مقرر ہوئے۔ اس وقت سرہند کا حاکم افضل خاں اور متعدی ٹوڈرمل تھا۔

۱۰۴۴ھ میں قاضی لشکر کے علاوہ آپ کو شرعی وکیل حکومت کا عہدہ بھی تفویض ہوا اور آپ کو محکمۂ قضاء میں قاضی کیساتھ اجلاس کرنے کی ہدایت کی گئی۔

۱۰۴۴ھ میں بادشاہ نے کوشک شاہی، شالیمار باغ، سڑکیں، پل اور نہر سہرند کے کنارے شکار گاہ تعمیر کرنے حکم دیا اور آپ کو مہتمم تعمیرات کے مددگار کی حیثیت سے خدمات سرانجام دینے کا حکم ملا۔

۱۰۵۵ھ ماہ ذی الحجہ میں شاہجہاں و بادشاہ بیگم سہرند پہنچے اور جشن نوروز اور بادشاہ بیگم کے غسل صحت کی خوشی کی تقریب باغ شالیمار سہرند میں منائی گئی۔ اس موقع پر بادشاہ سلامت نے آپ کو ایک آموں ( ) کا باغ پیمائش ایک صد بیگہ پختہ بطور عطیہ عطا فرمایا۔ دوسرے حکام اور علماء و

مشائخ کو بھی انعام و اکرام سے نوازا۔ آپ کے صاحبزادے سید کلیم اللہ کو پیشکار دیوانِ سہرند کا عہدہ تفویض کیا۔

ماہ شوال ۱۰۵۷ھ کو شہنشاہ کابل سے واپسی سے پر سہرند میں قیام فرمایا اور دوسرے دن دربار کیا اور بعض حکام کے عہدوں میں تغیر و تبدل کیا۔ ٹوڈرمل متصدی کو ترقی دے کر دیوان کا عہدہ تفویض کیا۔ اس موقع پر آپ نے بوجہ پیری اور ادائے حج بیت اللہ خدمات حکومت سے سبکدوشی کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی اور آپ کو انعام و اکرام سے نوازا اور آپ کے صاحبزدہ کو آپ کی جگہ شرعی وکیل حکومت عہدہ جلیلہ عنایت فرمایا۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد بستک ملک حیدر میں رہنے والے عزیز و اقارب و دوستوں اور عقیدت مندوں کے بے حد اصرار پر آپ بستک ملک حیدر میں مستقلاً قیام پر مجبور ہوگئے۔

بستک ملک حیدر:

یہ شہر کسی زمانہ میں سرہند کا توسیعی حصہ تھا۔ آغاز میں اس بستی میں محض جنگجو افغان قبائل ہی آباد تھے۔ ان افغانوں میں اکثریت پشین علاقہ بلوچستان کے ترین قبیلہ کے پٹھانوں کی تھی۔ یہ لوگ سلطان شیر شاہ سوری کی طلبی پہ دہلی جا رہے تھے۔ یہ قبیلہ ابھی سرہند میں پہنچا تھا کہ سلطان موصوف کا انتقال ہو گیا اور سلطان سلیم تخت نشین ہوگئے۔ انہوں نے اس قبیلہ کو سرہند میں قیام کا حکم دیا۔ دراصل سلطان سلیم سرہند میں ایک لشکر بستی (چھاونی) بسانا چاہتے تھے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے شہر سرہند کے قدیمی قبرستان سے ملحق اراضی اور قریہ بہدائی یہ بستی معلوم نہیں کب آباد ہوئی تھی، البتہ جب غزنوی بادشاہوں نے پنجاب کو دریا ستلج کے پار علاقہ سالوردہ تک اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور اس جگہ جہاں فیروز شاہ تغلق کے زمانے شہر سہرند کی بنا رکھی، غزنویوں نے ایک قلعہ تعمیر کیا اور اس میں سرحدی فوج تعینات کی۔ اس وقت اس جگہ جنگل تھا اور شیروں کا مسکن تھا۔ دور دور تک کہیں آبادی کا پتہ نہیں تھا۔ بحر قصبہ بھدالی کے جو اس جگہ سے چھ سات میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس بستی کی آبادی بھی کچھ ایسی زیادہ نہ تھی۔ دور اکبری تک بھی اس بستی کا وجود ملتا

ہے۔تذکرۃ الاولیاء ہند (مصنف مرزا اختر دہلوی) میں حضرت سلیم چشتی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت سلیم چشتی فتح پور سے سرہند آئے اور مولانا شیخ مجد الدین ملک العلماء سرہندی سے علوم ظاہری حاصل کیا۔آپ کبھی کبھی قصبہ بھدالی میں کہ متصل سرہند ہے، حضرت شیخ بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر مشغول عبادت رہا کرتے تھے۔''اس کے علاوہ حضرت شیخ بدر الدینؒ جو صاحبِ علم و مال بزرگ تھے اور قطب زماں مولانا غریب اللہ مودودی کے صاحبزادے ہیں۔

بھدالی میں آپ کے آنے اور اس بستی میں مستقل قیام کا سبب نہیں معلوم سکا۔بستک ملک حیدر میں ان کی آمد کا سبب کیا تھا اور کسی (......) میں آپ یہاں تشریف لائے۔شیخ محبّ الدین ملک العلماء شیخ ابراہیم سرہندی اور حضرت امام سرہندی کو عقیدت تھی اور اس عقیدت کے اظہار اور ایصال ثواب کے لیے ان کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے۔حضرت سید نظر محمد مودودی چشتی بھی اکثر ان کے مزار پر حاضری دیتے رہے۔ایسا معلوم ہوتا کہ بستک ملک کے آباد ہونے کے بعد رفتہ رفتہ بھدالی کے لوگ بستک ملک حیدر کی آبادی میں ہی جذب ہو گئے۔بستک ملک حیدر کی آبادی سے دو فرلانگ دور جہاں دورِ اورنگ زیبی تک اس قصبہ کے کچھ آثار باقیات کھنڈروں کی صورت میں ایک شکستہ سی مسجد اور چند ٹوٹے ہوئے حجرے موجود تھے، لیکن رفتہ رفتہ یہ تمام جگہ قبرستان ہی بن گئی۔اب تو یہ قبرستان بھی سکڑ رہی تھی۔اردگرد کے زمیندار اس قبرستان کے رقبہ کو رفتہ رفتہ کھیتوں میں تبدیل کر رہے تھے کی تمام اراضی اس مجوزہ لشکری بستی کے لیے مختص کر دی اور ان قبائل کو اس جگہ آباد ہونے کا حکم دیا۔کئی ہزار بیگہ اراضی ان قبائل کے سردار ملک حیدر خاں غازی کو قبائل میں مناسب طور پر تقسیم کرنے کے لیے عنایت فرمائی۔رفتہ رفتہ یہ آبادی جنگجو افغان قبائل کی ایک اچھی خاصی بستی بن گئی اور شہر سرہند کی تباہی کے بعد تو یہاں ہر ہر پیشہ و حرفت کے لوگ آباد ہو گئے۔شہر سرہند میں سردار السلام خاں لودھی حاکم سرہند کے زمانہ میں کچھ غلزئی اور کاکڑ قبائل آباد ہو گئے تھے۔سرہند کی ویرانی اور تباہی کے بعد ان قبیلوں کے کچھ افراد بستک ملک حیدر میں ہی آباد ہو گئے۔

آپ نے بستک ملک حیدر میں ایک رہائشی کے مکان، مسجد اور مکتب کی تعمیر کروائی اور مستقل طور پر بستک ملک حیدر میں آباد ہو گئے۔اس کام سے فراغت کے بعد آپ حج بیت اللہ کے لیے حجاز تشریف لے گئے۔سفرِ حج سے واپس آنے کے بعد آپ خلق خدا کی اصلاح اور دین کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔آپ کے بزرگ قریۂ چشت ولایت ہدایت سے ہندوستان آئے تھے۔ابھی تک ہرات وغزنی، فیروز کوہ، غور غشت، تو رشہامت رذہ، سمہ، بدرشی اور پشاور کے لوگوں سے تعلقات منقطع نہ ہوئے تھے۔ان مقامات سے جو اشخاص ہندوستان میں آئے تھے یا ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے۔وہ ضرور آپ سے ملاقات کے لیے بستک ملک حیدر آتے تھے۔ وہ لوگ آپ کے بزرگوں سے عقیدت کے باعث آپ کا احترام کرتے تھے اور اس رشتہ کو جو ان کے بزرگوں سے تھا، قائم رکھنا چاہتے تھے۔علاوہ نواحِ سرہند کی افغان بستیوں کے بہت سے افغانوں میں اکثریت لشکریوں کی تھی آپ کے عقیدت مند تھے۔وہ بھی کسبِ فیض و علم کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔جب مہمان، مریدوں اور طلباء کی آمد و رفت ہو گئی تو آپ کو ایک مہمان خان اور طعام خانہ بھی تعمیر کرنا پڑا۔اس سلسلہ میں بستک ملک حیدر کے افغانوں اور مریدوں نے بھی آپ کی مدد کی۔

آپ کو علم و فضل کے، علاوہ فقر و غنا اور توحید و تجربہ کا کافی حصہ ملا تھا۔آپ علماء اور مشائخ کا لباس نہیں پہنتے تھے، بلکہ نہایت سادہ اور صاف ستھرا لباس پہنتے تھے۔تکلف و تصنع سے بالکل پاک تھے۔ہر شخص سے نہایت خندہ پیشانی اور محبت و خلوص سے ملتے اور ملنے والوں کو ہمیشہ نیکی، احسان اور نماز کی تلقین کرتے۔آپ کی نگاہ میں ایسا اثر تھا کہ جس پر توجہ کی خالی نہ گئی اور اس کو حسب استعداد فیض پہنچا۔آپ شریعت و معرفت میں بڑی اثر انگیز تقریر کرتے تھے۔توحید کے اسرار بیان کرتے، صوفیہ کے حالات و اقوال بیان فرماتے، لیکن وحدت الوجود و شہود کے نظریات سے دامن بچاتے اور اس سلسلہ میں متقدین کو بحث و تکرار سے منع کرتے اور فرمایا کرتے کہ شریعت و طریقت کو ان افکار سے ملوث نہ کرو۔ایک مومن کے لیے نیک، عابد، مجاہد، خادم خلق

اور صاحبِ تسلیم ورضا ہونا کافی ہے اور یہ اس کی معراج ہے۔

آپ سمع سے پرہیز کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ سمع کی نہ تو ہمارے آباءواجداد کو رغبت تھی نہ اس طرح کے سمع کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

آپ مشائخ کے کسب معاش سے اجتناب اور نذرانوں پہ زندگی گزارنے کے خلاف تھے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان کو مجاہدانہ زندگی کا عادی ہونا چاہیے اور شخص کو کسب معاش کے لیے تجارت، زراعت، ملازمت یا کوئی ہنر ضرور اختیار کرنا چاہیے۔آپ دستکاروں، کسانوں اور مزدوروں کی توہین کرنے والوں کو برا سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خدا ان کو معاف کرے یہ اللہ کے دوستوں کو کیا سمجھتے ہیں؟

آپ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے جواب دیا جو شخص اپنی زندگی طلب علم میں گزار دے۔

ایک مقتدر نے آپ سے تصوف اور صوفی کی تعریف دریافت کی تو آپ نے جواب دیا۔"چال چلن کا احکام قرآنی اور سنت کے مطابق ہونا، شہر و قریہ ہونے جہاں بھی مقام یا گذر ہو خلق اللہ کی ہدایت اور خدمت کرنا، خلاف شریعت امور سے لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش کرنا۔صفائی قلب میں کوشاں رہنا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، صلوٰۃ وعبادات کو عزیز رکھنا، فقر کو غنا پر ترجیح دینا، غرباء فقرا کو دوست رکھنا، جابر کے سامنے حق بات کہنا، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بمسرت ادا کرنا، عدل کرنا، سچی شہادت دینا، آنکھوں کو حیا وادب سکھانا اور ہر شخص سے خوش خلقی، محبت اور رواداری سے پیش آنا ہی تصوف ہے اور ان امور کا بجالانے والا سچا صوفی ہے۔اس سے زیادہ اے عزیز مجھے تصوف اور صوفی کی تعریف معلوم نہیں۔

آپ ہمیشہ لوگوں کو قیام صلوٰۃ کی تلقین کرتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ صلوٰۃ درحقیقت عمود دین ہے اور یہ ایسی تسبیح وتقدیس ہے جبکہ مداومت کی اللہ پاک لوگوں کو تاکید فرماتے ہیں یہ ہی وہ چیز ہے بندوں کے بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے۔یہ خدائے بزرگ و

برتر کا ذکر ہے اور اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے جو یقیناً انسان کی فوز وفلاح کا ضامن ہے۔

آپ اپنی اولاد اور اقربا کو تاکید کرتے رہتے تھے کہ جس طرح تمہارے آباؤاجداد نے دین وشریعت کی پابندی، خدمت اور پاسبانی کی ہے تم بھی کرتے رہنا چونکہ مسلمان ہونے کے علاوہ نبی اکرم ﷺ کے قبیلہ سے ہو اور ان کی اولاد وعترت میں ہونے کے دعوٰی دار ہو اور یہ صلہ مبارکہ تم پر ایسے واجبات ادا کرتا ہے جو عام لوگوں سے زیادہ ہیں۔یاد رکھو تم سے معمولی تقصیر پر بھی شدید مواخذہ ہوگا۔

آپ نے پورے صوبہ سرہند میں تبلیغ دین کا کام جوش وسرگرمی سے جاری رکھا چنانچہ علاقہ سالوردہ (موجود ضلع انبالہ) کے کمبوہ، جاٹ، چوہان، خضر آباد کے بھٹی اور جاٹ، فتح اور قریات رائے ساموں کے پندیر اور راجپوت، رائے پور اور جیت پور کے راجپوت، مڑتی جاٹ، علاقہ دھوتہ کے تونی راجپوت، حویلی سرہند کے کپوری دادو کھتری قبیلہ کے اکثر لوگ، آپ کی تبلیغی کوششوں سے شرف اسلام سے مشرف ہوئے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ صاحبزادے مولانا سید کلیم اللہ آپ کے جانشین ہوئے۔

اقوال مبارکہ:

...... برادر عزیز! نماز وعبادات سے غفلت نہ کرو، یہ منکرات وخواہش سے بچانے کے علاوہ انسان کو رحم دل، پاک نگاہ، باادب، متواضع اور انسان دوست بھی بناتی ہیں اور انسان کی شخصیت کو پرکشش اور باوقار بھی بنادیتی ہیں۔

...... اے برادر! والدین، عزیز واقارب، استاد وشیخ (مرشد) فقراء ومساکین سے تمہارے تعلقات اخوت، محبت، خلوص وہمدردی اور عزت وادب پر استوار ہونے ضروری ہیں۔

...... ایک برادر! اپنی خوراک اور مال میں سے کچھ نہ کچھ دیا کرو۔

...... اے برادر! اخوانِ طریقت، دوستوں اور ہمسایوں سے خندہ پیشانی اور محبت وخلوص سے ملا کرو اور ان کی تکالیف وضروریات سے آگاہ رہا کرو اور اس میں ان کی مدد کیا کرو۔

...... عزیز من! خلق خدا کی خدمت کرو اور کبھی خدمت کے مواقع ضائع نہ کرو۔خدمت کو

سعادت مندی سمجھو، خدمت کا صلہ محبت ہے۔ جس کی خدمت کرو گے وہ تم سے محبت کرے گا۔ اہل باطن کے قلوب میں محبت پیدا کرنا نفلی عبادات سے بہتر ہے۔ سرور کائنات ﷺ کا قول ہے۔ ''سیّد ھم خادمھم '' ان کا سرداران کا خادم ہے۔ اسی لیے اکابر صوفیہ فرماتے ہیں کہ خادم مقام ابرار پر ہے، لیکن عزیز نفع دنیا کے لیے خدمت نہ کرنا۔ چونکہ جب تجھے نفع دینا نہ ہو تو خدمت چھوڑ دیگا اور مقصود فوت ہو جائے گا اور تو محبت سے محروم رہے گا اور محبت سے محروم رہنا کتنی بڑی بدبختی ہے۔

...... برادر عزیز! مشاہدۂ حق میں مصروف رہے اور دنیا طالبِ دنیا کے لیے چھوڑ دے۔ آخرت کے انعام مومنوں کے لیے ہیں۔

...... عبادت حسین ہے اور ترک عبادت قباحت۔

...... برادر! اسراف تبذیر سے بچو۔

...... علوم وفنون سیکھ اور لوگوں کو سکھاؤ۔

...... کسب رزق کے لیے حلال وجائز وسائل اختیار کرو۔

...... اپنا فاضل مال مستحقین میں تقسیم کرو۔

...... اپنی کمائی میں اپنے والدین، عزیز واقارب، مساکین اور مسافروں کو شامل کرو۔

...... ایک برادر! یادرکھو اللہ تعالیٰ ہی اس تمام کائنات کا بنانے والا ہے۔ وہ ہم سب کا آقا و مولیٰ ہے۔ ہم اپنے ہر عمل کے لیے اس کی بارگاہ میں جواب دہ ہیں۔ اس کی سزاؤں اور جزاؤں کا سلسلہ دنیا اور عقبہ میں جاری وساری ہے۔ کوئی شخص گناہ کرنے کے بعد سزا سے نہیں بچ سکتا بجز اس کے کہ وہ ذات رحمٰن ورحیم معاف کر دے۔

...... جب کوئی حکمران عدل وانصاف واحسان سے عاری ہو اور حدود اللہ نظر انداز کرے دے اور ظلم وعدوات سے خلق کو تباہ کر رہا ہو تو اس کو بدل دینے کی تیاری کرو۔ اگر اس کے خلاف کوئی نیک اور صالح شخص ظلم وجبر کو ختم کرے، حدود اللہ پر قائم کرنے کی دعوت دے تو تن من دھن سے اس کی مدد کرو۔

...... اے برادر! تمہارا دل اللہ کی معرفت کا مقام ہے۔ اس میں اغیار کو جگہ نہ دو اور جن امور کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے وہ اس پاکیزہ مقام میں داخل نہ ہوں۔

مولانا سید کلیم اللہ مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

کلیم اللہ بن نظر محمد بن سلطان محمد بن محمد اعظم بن ابومحمد بن قطب الدین بن خواجہ سید ابوالاعلےٰ مودودی چشتی براسوی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۰۳۳ھ بعہد شہنشاہ جہانگیر سرہند میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۱۱۰۱ھ بستک ملک حیدر سرہند میں ہوئی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد شاہ نظر محمد صاحب سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ ملّا شیخ احمد معروف بہ مُلا جیون (استاد حضرت عالمگیر اورنگ زیب شہنشاہ ہند) سے بھی درس لیتے رہے۔ حدیث ومصافحہ کی سند اور باطنی سلوک کی اجازت حضرت خواجہ محمد سعید فرزند امام ربانی حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سے حاصل کی۔ طریقۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد مولانا شاہ نظر محمد مودودی سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔

بعہد حکومت حضرت شاہجہاں شہنشاہ ہند پیشکار حاکم سرہند مقرر ہوئے۔

بعہد حکومت حضرت عالمگیر اورنگ زیب شرعی وکیل حکومت کا عہدہ تفویض ہوا۔

۱۰۶۰ھ میں ٹوڈرمل دیوان سرہند نے باغ عام وخاص (شالیمار باغ سرہند) میں رعایا

کا بغرض سیر وتفریح داخلہ کی ممانعت کر دی۔ شرفائے شہر نے باغ شالیمار میں سیر وتفریح پر سے پابندی اٹھادینے کی حاکم سرہند کی خدمت میں درخواست کی، لیکن یہ درخواست منظور نہ ہوئی۔ شرفائے شہر نے آپ کے توسط سے بادشاہ سلامت سے دیوان سرہند کے اس ناجائز پابندی کی شکایت کی۔ بادشاہ سلامت نے حاکم سرہند کو تمام شاہی باغات میں سیر وتفریح پر پابندی کا حکم منسوخ فرما کر حاکم سرہند کو ہدایت فرمائی کہ حکومت باغات عوام کی سیر وتفریح کے لیے بناتی ہے۔ آئندہ کبھی شاہی باغات میں رعایا کی سیر وتفریح پر پابندی نہ لگائی جائے۔ اس واقعہ کے بعد ٹوڈر مل دیوان اور آپ کے درمیان تعلقات اچھے نہ رہے۔ حتیٰ کہ آپس میں کچھ کشمکش کی صورت بھی پیدا ہوگئی۔ ایسی صورت میں آپ نے مزید خدمات حکومت کو جاری رکھنا مناسب نہ خیال کیا اور بغیر کسی اظہار شکایت کے استعفیٰ دے دیا۔ جو کچھ دیر پس وپیش کے قبول کرلیا گیا۔

آپ اپنے والدِ ماجد کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے اور خاندانی روایات کے مطابق درس وتدریس اور مریدوں کی اصلاح اور تربیت روحانی میں مشغول ہوگئے۔ آپ نہایت عابد وزاہد، علوم عقلی ونقلی میں کامل اور طریقت وشریعت کے بلند مقام پر فائز تھے۔ مثنوی و معنوی مولانا روم اور مکتوبات شریف حضرت مجدد الف ثانی پر عبور حاصل تھا۔ مناسب اور صاحب علم مریدوں کو آپ ان کتابوں کا درس بھی دے دیتے تھے۔

آپ نہایت خوش اخلاق، ملنسار، مہمان نواز اور متواضع بزرگ تھے۔ ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ دور دور سے مہمان آتے تھے۔ آستانہ عالیہ مجددیہ میں بیرون ہند، کابل، قندہار، ہرات وغزنی، یارقند وبخارا اور کاشغر سے زائر آتے رہتے تھے۔ ان میں اکثر زائر آپ کے مہمان کی حیثیت سے آپ کے ہاں قیام کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سرہند کی افغان بستیوں، سہارنپور، بلدہ اودھ سے مریدوں کی آمدورفت بھی جاری رہتی تھی۔ آپ ہر مہمان سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے اور مہمانوں کی تواضع اور آرام وآسائش کا پورے طرح خیال رکھتے۔

محمد داؤد خاں سمہ علاقہ سوات میں ایک بیکس غلام کی حیثیت میں زندگی بسر کیا کرتے

تھے، لیکن وہ اس طرح کی غلامانہ زندگی سے بیزار تھے۔ ان کا ذہن اکثر اپنے روشن مستقبل کے دھندلے سے تصور میں محو رہتا تھا۔ اپنے دوستوں سے مشورے کرتے۔ مستقبل کے متعلق عجیب و غریب منصوبے بناتے۔ آخر ایک دن وہ اپنے آقا کے گھر سے بھاگ گئے اور ان کے ساتھ ان کے چند دوستوں کے علاوہ اور کئی قسمت آزما جوان مل گئے اور ایک چھوٹی سی جمعیت بن گئی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے منصوبے کا آغاز پنجاب اور ہندوستان کے رجواڑوں، نوابوں اور جاگیرداروں کی فوجی خدمت سے کریں گے۔ چنانچہ وہ قسمت آزمانے کے لیے پھرتے پھراتے اپنی مختصر سی جمعیت کے ساتھ وارد سرہند ہوئے۔ داؤد خاں کی جمعیت میں چند آدمی آپ کے عقیدت مند بھی تھے۔ خاص طور پر ملک شادی خاں جن کے آباؤاجداد بھی آپ کے بزرگوں کے معتقد تھے، چنانچہ محمد داؤد خاں ملک شادی خاں کی خواہش پر بستک ملک حیدر میں آپ کے سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ اپنے بستک ملک حیدر کے قیام کے دوران یہ آپ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ سے بیعت ہوگئے اور آپ سے دعائیں لے کر رخصت ہوئے۔ داؤد خاں کے ساتھ بستک ملک حیدر کے چند نوجوان افغان بھی قسمت آزمائی کے لیے ساتھ ہوگئے۔

آپ کی وفات سے تین چار سال قبل داؤد خاں سردار داؤد خاں ہوگئے اور علاقہ کٹھیر کے خودمختار حاکم بن گئے تو انہوں نے ملک شادی خاں کو مال ومتال اور تحائف دے کر آپ کو کٹھیر بلانے کے لیے بھیجا، لیکن آپ نے بوجہ ضعیفی طویل سفر پہ روانگی کی معذرت کی۔ ملک شادی خاں کی اصرار پر اپنے صاحبزادے حکیم اللہ صاحب کو کٹھیر جانے کی اجازت دے دی۔

آپ نے اپنی وفات کے وقت دو فرزند حکیم اللہ اور سلیم اللہ چھوڑے۔ آپ کے جانشین مولانا حکیم اللہ ہوئے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے سید ہدایت النبی آپ کے جانشین ہوئے۔

مولانا سید حکیم اللہ صاحب مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

حکیم اللہ بن کلیم اللہ بن نظر محمد بن سلطان محمد بن محمد اعظم بن ابو محمد بن قطب الدین بن خواجہ سید ابوالاعلیٰ مودودی چشتی براسوی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۰۷۸ھ بعہد حکومت شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر بستک ملک حیدر سرہند میں ہوئی۔ آپ نے ۸۶ سال عمر پائی۔

وفات:

آپ کی وفات ۱۱۶۴ھ بعہد حکومت احمد شاہ بن محمد شاہ بادشاہِ ہند بستک ملک حیدر سرہند میں ہوئی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد مولانا کلیم اللہ سے حاصل کی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں مولانا محمد ارشد فاروقی سرہندی سے کسبِ علم وفیض کیا۔

طریقہ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت، طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں مولانا ارشد فاروقی سے بیعت ہوئے۔ طریقہ قادریہ میں شیخ داؤد بن صادق گنگوہی سے فیض باطن حاصل کیا۔

آپ کچھ عرصہ کٹھیرا اور آنولہ میں سردار داؤد خاں کے متبنیٰ فرزند نواب سید علی محمد خاں کے اتالیق رہے۔

۱۱۰۰ھ میں اپنے والدِ ماجد کی علالت کے باعث آنولہ سے بستک ملک حیدر واپس آ گئے۔ آپ کے والدِ ماجد اس علالت میں وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد آپ ان کے جانشین کی حیثیت میں مسندِ ارشاد پر بیٹھے۔ اس کے بعد پھر آپ کبھی آنولہ نا جا سکے اور تمام عمر مریدوں کی اصلاح، طلباء کی تعلیم اور تبلیغ دین میں مصروف رہے۔ درس وتدریس میں آپ کا انہماک زیادہ تھا۔ دور دور سے طلباء آتے اور چشمہ علم سے سیراب ہو کر جاتے۔

آپ کو علوم عقلی میں بھی کافی دسترس تھی۔ علاقہ کے اکثر علماء اور مشائخ آپ کے علم و فضل اور آپ کے مقام روحانی کے قائل تھے۔ ۱۱۳۵ھ میں حج بیت اللہ زیارت روضہ نبوی ﷺ کے لیے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ بعد فراغت حج وزیارات واپس وطن تشریف لائے۔

امیر محمود علی خاں (محمود افغان) حاکم ہرات آپ کی اور آپ کے خاندان کی بہت عزت کرتا تھا۔ ۱۱۳۸ھ امیر محمود خاں افغان کی دعوت پر آپ ہرات تشریف لے گئے۔ امیر نے آپ کی نہایت عزت افزائی کی اور تحائف نذر کیے اور آپ کے ہمراہ زیارت خواجگان چشت کے لیے قریہ چشت بھی گئے۔ آپ نے ہفتہ عشرہ تک چشت میں ہی قیام کیا۔ حضرت خواجہ احمد ابدال چشتی، خواجہ محمد زاہد چشتی، خواجہ محمد بن سمعان چشتی، خواجہ یوسف ناصر الدین چشتی، خواجہ مودود چشتی اور خواجہ ابو محمد چشتی و دوسرے بزرگان خاندان کے مزارات پہ فاتحہ پڑھی۔

سجادہ نشین اور خاندان کے بزرگوں اور عزیزوں سے ملاقات کی۔ تبرکات کی زیارت کی، حلقہ میں بیٹھے۔ ۱۱۳۸ھ میں آپ واپس بستک ملک حیدر سرہند واپس آ گئے۔

مولانا سید ہدایت النبی مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

ہدایت النبی بن حکیم اللہ بن کلیم اللہ بن نظر محمد صاحب مودودی چشتی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۱۲۰ھ بعہد حکومت شاہ عالم بہادر شاہ بادشاہِ ہند بستک ملک حیدر سرہند میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۱۲۱۴ھ بعہد حکومت محمد علی گوہر شاہ بن شاہ عالم بادشاہِ ہند بستک ملک حیدر سرہند میں ہوئی۔ آپ نے ۹۴ سال کی عمر پائی۔ اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد سے حاصل کی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں ممتاز الملک مولانا اصغر علی فاروقی سرہندی اور قاضی سید دائم علی سرہندی سے کسب علم وفیض کیا۔ علم طب حکیم شاہ رحمت اللہ سرہندی سے حاصل کیا۔

طریقہ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں ممتاز الملک مولانا اصغر علی سے بیعت ہوئے۔ طریقۂ قادریہ مولانا سید علی اکبر مودودی سے بیعت ہوئے۔

۱۱۴۷ء میں آپ نواب سید علی محمد خان کی سرکار میں ملازم ہوگئے۔ چند ماہ کی عسکری تربیت

کے بعد سید احمد شاہ کے لشکر میں عہدہ دار کی حیثیت سے مستقل ملازمین میں نام درج کرلیا گیا۔

۱۱۴۷ھ سے ۱۱۵۲ھ نواب صاحب نے جس قدر چھوٹی موٹی جنگیں لڑیں آپ ان تمام جنگوں میں شامل رہے۔ دریائے اودل کے کنارے راجہ ہرنند کھتری سے جنگ ہوئی۔ راجہ کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔ نواب صاحب کا شاہ آباد، سنبھل اور ولایت بریلی کے متعدد پرگنات پر قبضہ ہوگیا۔ اس جنگ میں نواب صاحب کو کافی سے زیادہ اسلحہ، زر ومال اور سامان ملا۔ اب نواب صاحب ایک وسیع علاقہ کے حکمران بن گئے۔ یہ علاقہ ریاست رہیل کھنڈ کے نام سے مشہور ہوگیا۔

اٹھورہ، کمایوں اور سری نگر (راجہ سرمور بھٹ سے) کی جنگوں میں آپ نے اپنی عسکری صلاحیت، قابلیت اور دلیری کا قابلِ تعریف مظاہرہ کیا۔ سردار احمد شاہ اور حافظ رحمت خاں نے آپ کی ترقی کی سفارش کی۔ نواب صاحب نے آپ کو اس رسالہ نائب رسالہ دار بنادیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد آپ کو قاضی لشکر بنادیا۔

نواب صاحب کی فتوحات نے رہیل کھنڈ کے اردگرد کے راجوں، جاگیرداروں اور صفدر جنگ نواب اودھ کو خوف زدہ کردیا اور اس بڑھتی ہوئی جواں سال طاقت سے اپنے وجود کو خطرہ کردیا۔ چنانچہ نواب صفدر جنگ نے دربارِ دہلی کے امراء سے مل کر نواب صاحب کے خلاف سازشیں شروع کردیں اور بادشاہ محمد شاہ کے کان بھرنے شروع کردیے۔ بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اس نئی ابھرتی ہوئی طاقت کو خطرہ بننے سے پہلے ہی ختم کردینا چاہیے۔ جب نواب صاحب کو دربار دہلی میں اپنے خلاف سازش کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کو (ہدایت النبی) اعتماد الدولہ میر قمر الدین وزیر اعظم کی خدمت میں ایک مراسلہ دے کر بھیجا۔ اس کام کے لیے آپ کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ اس سے بیشتر بھی آپ ریاست کے کئی ایک معاملات کے سلسلہ میں نواب صاحب کی طرف سے وزیر اعظم سے مل چکے تھے۔ دوسرے اعتماد الدولہ میر قمر الدین وزیر اعظم سے آپ کے ذاتی مراسم بھی تھے۔ اول میر قمر الدین صاحب اور آپ کبھی ہم مکتب بھی رہے تھے، دوسرے دونوں ہی قاضی سید دائم علی سرہندی کے شاگرد تھے۔ علاوہ ازیں آپ ایسے خانوادہ کے چشم وچراغ تھے جس

کا میر قمرالدین کے والد اور خود میر صاحب موصوف بھی احترام کرتے تھے۔

چنانچہ آپ نے وزیر اعظم سے ملاقات کی۔ نواب صاحب کا مراسلہ پیش کیا اور زبانی بھی عرض کیا۔ وزیر اعظم نے بادشاہ سلامت سے نواب صاحب کی سفارش اور نواب صاحب کی دربار دہلی سے وفاداری اور بادشاہ سلامت کی ہر طرح کی اور ہر وقت خدمت اور حمایت کا یقین دلایا۔ بادشاہ سلامت نواب علی محمد خاں کے خلاف کسی سخت کاروائی سے باز رہے، لیکن بادشاہ کے دل میں جو گرہ بیٹھ گئے تھی امراء دربار نے وہ گرہ کھلنے نہ دی۔ کچھ دیر بعد نواب وزیر اودھ صفدر جنگ راجہ نول رائے کو اودھ میں اپنا نائب سلطنت مقرر کر کے دہلی آ گئے اور نواب علی محمد خاں کے خلاف بادشاہ سے شکایت کرتے اور ایرانی امراء دربار میں ان کی تائید کرتے رہے۔ آخر صفدر جنگ نے بادشاہ سلامت کو نواب صاحب کے خلاف فوج کشی پر آمادہ کر لیا۔ وزیر اعظم نے بڑی کوشش کی کہ بادشاہ سلامت اس سخت اقدام سے باز رہیں، لیکن وہ اس معاملہ میں قطعی ناکام اور بے بس ہو گئے۔

آخر ایک دن ایک لاکھ کے قریب پیدل اور سوار فوج آنولہ سے پانچ کوس کے فاصلہ پر قلعہ یوسف نگر کے سامنے پہنچ گئی۔ نواب صاحب ہر چند کہ بادشاہ سے جنگ نہ چاہتے تھے اور شاہی افواج کے مقابلہ میں خود کو کمزور بھی پاتے تھے، لیکن انہیں مجبوراً جنگ لڑنا پڑی۔ اس جنگ میں شاہی فوج کو فتح ہوئی۔ نواب صاحب اور ان کے دونوں صاحبزادے عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں گرفتار ہو گئے۔ ریاست رہیل کھنڈ پر شاہی قبضہ ہو گیا اور ریاست کا انتظام شاہی عامل اور نئے ملازمین کے سپرد ہو گیا۔ نواب صاحب کے اہل و عیال کو حافظ رحمت خاں کس نہ کسی طرح قادر گنج لے گئے۔ آپ اور دوسرے رہیلہ سردار بھی کسی نہ کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ کچھ دن بعد یہ لوگ بھی قادر گنج پہنچ گئے۔ بظاہر تو رہیلوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا تھا، لیکن حافظ رحمت خاں اور دوسرے رہیلہ سردار خفیہ خفیہ رہیلوں کی تنظیم اور فوج کے قیام میں مصروف ہو گئے۔ آپ بھی اس سلسلہ میں کافی تگ و دو کرتے رہے۔ چند ماہ کے بعد سات آٹھ ہزار کے قریب پیدل اور سوار

فوج نے حافظ رحمت خاں کی قیادت میں دہلی کی طرف کوچ کر دیا اور اس فوج نے اچانک رات کو شہر دہلی اور قلعہ معلیٰ کا اس وقت محاصرہ کر لیا جبکہ دار الحکومت فوج شاہی سے خالی تھا۔ حافظ رحمت خاں نے نواب صاحب کی رہائی اور ریاست رہیل کھنڈ کی بحالی کا مطالبہ کیا اور اس سلسلہ میں افہام و تفہیم کے لیے اپنی طرف سے آپ (ہدایت النبی) کو سفیر مقرر کیا۔ آپ نے اپنے عملہ کو لے کر وزیر اعظم سے گفتگو کی اور پھر بادشاہ سلامت کی خدمت میں پیش ہوئے۔ اپنے قائد کے مطالبات سے آگاہ کیا۔ بادشاہ محمد شاہ کو بجز اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ حافظ رحمت خاں کے مطالبات کو منظور کر لیا جائے۔ آخر ڈیڑھ دن کے بحث و مذاکرات اور افہام و تفہیم کے بعد فریقین کے مابین جملہ امور بہ احسن الوجوہ طے پا گئے۔

نواب علی محمد خاں کے منصب اور خطاب بحال کر دیئے۔ نواب صاحب رہا کر دیئے گئے اور یہ شرط عائد کر دی گئی کہ سر دست نواب صاحب حاکم سرہند کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں گے۔ جب تک صوبہ کے باغی و سرکش جاگیرداروں اور راجوں کی سرکوبی اور صوبہ میں پوری طرح امن و امان بحال نہ ہو جائے نواب صاحب اور ان کا لشکر و عملہ سرہند میں ہی رہے گا۔ ان کے دونوں صاحبزادے بطور یرغمال اعتماد الدولہ میر قمرالدین وزیر اعظم کی نگرانی میں رہیں گے۔ سرہند کے کچھ دیر معاملات درست ہوتے ہی نواب صاحب کو اپنی ریاست میں جانے کی اجازت مل جائے گی۔

چنانچہ نواب موصوف اپنے عملہ اور لشکر کو لے کر سرہند پہنچ گئے۔ جاتے ہی سب سے پہلے نئے سرداروں کی تقرریاں کیں۔ افواج کی سپہ سالاری پر حافظ رحمت خاں کا تقرر کیا۔ نائب سپہ سالار سید احمد شاہ کو بنایا۔ کوتوال کا عہدہ ملک سید خاں کو، بخشی کا عہدہ ملک شادی خاں کو عنایت کیا۔ محکمہ قضاء کی سربراہی آپ کے سپرد کی، دوسرے کلیدی عہدوں پر دوندے خاں پنڈو خاں وغیرہ کا تقرر کیا۔ اس کے بعد نواب صاحب نے تمام راجوں، جاگیرداروں کو محاصل کی ادائیگی، اطاعت اور نذرانہ پیش کرنے کی ہدایت کی۔ اکثر جاگیرداروں نے تعمیل کی، لیکن رائیکوٹ کے

رائے کلہا، جوت پور کے راجہ نگاہی مل اور رائے پور کے راجہ امل نے نواب صاحب کے احکامات و
ہدایات کی کچھ پرواہ نہ کی۔ یہ تینوں راجواڑے کثرت اموال اور فوج کے باعث نہایت سرکش اور
مغرور ہو گئے تھے اور تقریباً باغی تھے۔ نہ محاصل ادا کرتے تھے نہ کسی صوبہ دار کے ساتھ تعاون
کرتے تھے۔ دراصل صوبہ کا امن وامان انہوں نے ہی تباہ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ نواب صاحب نے
ان کے خلاف فوجی کارروائی کا حکم دیدیا۔ حافظ رحمت خاں نے جوت پور کے راجہ نگاہی مل کو اور سید
احمد شاہ نے رائے پور کے راجہ بہادر مل کو بری طرح تباہ کیا اور ان کی فوج بالکل ختم کر دی۔ رائے
کلہا جو جگراؤں کے اردگرد کے جاگیردار سے مل کر نواب صاحب کے خلاف کافی فوج جمع کر چکے
تھے۔ ان کی سرکوبی کے لیے نواب بنفس نفیس ایک جرار لشکر لے کر رائیکوٹ اور شہر کو گھیر لیا۔ دو دن
لڑائی ہوتی رہی، تیسرے دن رائے کلہا بھاگ گیا اور اسی دن شام کو محصورین نے ہتھیار ڈال
دیئے۔ رائے کلہا کے بھائی رائے لکھن منہ میں گھاس لے کر اور ہاتھ میں خزانہ کی کنجیاں لے کر
نہایت عاجزی سے پیش ہوئے اور معافی خواہ ہوئے۔ انہیں رائے کلہا کو پیش کرنے کے لیے کہا
گیا۔ دوسری طرف نواب صاحب نے رائے کلہا کی تلاش میں جمعیت روانہ کی اور تمام علاقہ کو فوج
نے گھیر لیا۔ آخر مجبور ہو کر رائے دوسرے جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں کو سفارشی بنا کر نواب
صاحب کے پیش ہو کر معافی خواہ ہوئے۔ نواب صاحب نے ان کا معاملہ حافظ رحمت خاں اور
قاضی القضاء (سید ہدایت النبی) اور ملک شادی خاں کے سپرد کر دیا۔ ان تینوں عہدہ داروں نے
منفقہ طور پر یہ فیصلہ دے دیا کہ رائے کلہا کو معافی دیدی جائے، منصب اور ریاست بحال کر دی
جائے۔ رائے کلہا ڈیڑھ لاکھ روپیہ، چار توپیں اور تحریری اقرار وفاداری پیش کر دیں۔ بلکہ اس کے
علاوہ اپنی طرف سے نواب صاحب و دیگر سرداران کو تحائف بھی دیئے۔ جب صوبہ میں پوری
طرح امن وامان ہو گیا اور محاصل کی ادائیگی بھی باقاعدہ ہونے لگی تو آپ نے حج بیت اللہ اور
زیارات مقام مقدسہ کے لیے طویل رخصت کی درخواست کی جو نواب صاحب نے منظور کر لی اور
اپنی جیب خاص سے کئی ہزار روپے بطور سفر خرچ بھی عنایت فرمائے۔

۱۱۶۱ھ میں آپ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے اور حج وزیارات سے فارغ ہو کر
۱۱۶۳ھ میں واپس آئے۔ اس وقت نواب علی محمد خاں اپنی ریاست رُہیل کھنڈ میں چلے گئے تھے۔
سرہند کا صوبہ احمد شاہ درانی کی حکومت میں شامل ہو چکا تھا۔

۱۱۶۴ھ میں آپ کے والدِ ماجد مولانا سید کلیم اللہ صاحب فوت ہو گئے تو تمام عزیز
واقارب اور مریدوں کی اصرار پر آپ اپنے والد ماجد کے سجادہ پر بیٹھے اور درس وتدریس و
مریدوں کی تربیتِ روحانی میں مشغول ہو گئے۔ آپ ہر سال حضرت شاہ ابوالاعلیٰ کے عرس پر
براس جاتے اور کچھ دن اپنے شیخ مولانا سید علی اکبر صاحب مودودی کی خدمت میں گزارتے۔ پھر
وہاں سے بلدہ اودھ روانہ ہو جاتے۔ وہاں آپ کے کافی عقیدت مند بھی تھے۔ خاص طور پر قاضی
محمد بخش، پیر نظام الدین، مرزا عبدالرزاق، عبدالحسنین، ابوالحسن، مرزا ابوالفتح، محمد حسین خاں،
مسمات لاڈو، ابوالقاسم، عبدالعلی، عبدالرضا، صفدر علی، مرزا غلام محمد داروغہ، فیض صاحب، سید میر محمد
طباطبائی، محمد سعید خاں، مصطفےٰ خاں، شیخ عبدالوحید، منشی امان اللہ وغیرہ۔ آپ جب کبھی اودھ
جاتے تو آپ کے عقیدت مند آپ کی خدمت میں مستقلاً اودھ میں قیام کرنے کی درخواست
کرتے، لیکن آپ نے ان کی یہ درخواست قبول نہ کی۔ آخر کچھ عرصہ کے بعد سرہند کے حالات
نہایت خراب ہو گئے۔ اس علاقہ میں کبھی سکھ قبضہ کر لیتے، کبھی دربارِ دہلی کا قبضہ ہو جاتا، کبھی احمد شاہ
ابدالی کی حکومت قائم ہو جاتی۔ ہر وقت جنگ وجدل برپا رہتا۔ جب یہاں امن وامان کی کوئی
صورت نہ رہی اور حالات دن بدن مخدوش ہوتے چلے گئے، لوگ سرہند اور اس کے بیشتر علاقوں
سے ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ سرہند دبستک ملک حیدر میں سے اکثر اشخاص، دہلی، رامپور، بریلی،
اودھ اور سندھ وملتان کی طرف چلے گئے۔ اودھ سے آپ کے چند عقیدت مند بھی آپ کی خدمت
میں حاضر ہوئے اور بڑے پُرزور طریق پر آپ سے اودھ روانہ ہونے کی درخواست کی۔ چنانچہ
آپ حالات کے پیشِ نظر اور مریدوں کے اصرار پر اودھ جانے پر تیار ہو گئے۔ آپ نے اپنے اہل
وعیال اور عزیزوں کے ساتھ مشورہ کیا۔ ان سب نے بھی اودھ چلے جانے کا مشورہ دیا، چنانچہ

آپ مع اہل وعیال اور آپ کے چچازاد بھائی صاحبزادہ سید قدرت اللہ بھی مع اہل وعیال اودھ روانہ ہو گئے۔

۱۱۸۵ھ ۱۰ رشعبان کو بلدہ اودھ کے محلہ بھیکم پور میں مرزا عبدالعلیٰ صاحب سے ایک عظیم الشان حویلی خرید کر اس کی مرمت وغیرہ کروائی اور اس میں منتقل ہو گئے۔ دوران قیام اودھ میں آپ مریدوں کی روحانی تربیت اور دینی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔ اپنی معیشت کے لیے طبابت اختیار کی۔ دوسرے تیسرے سال آپ بریلی، دہلی، براس اور بستک ملک حیدر سرہند کا بھی دورہ کرتے۔

۱۲۰۲ھ میں آپ زیارات خواجگان چشت کے لیے قریۂ چشت (علاقہ ہرات) بھی تشریف لے گئے۔

۱۲۰۸ میں آپ نے میر سید محمد طباطبائی اور صاحبزادہ قدرت اللہ صاحب مودودی کو خرقہ طریقت عطا کیا اور صاحبزادہ قدرت اللہ کو اپنا جانشین مقرر کر کے بستک ملک حیدر (سرہند) تشریف لائے۔

۱۲۴۱ھ میں معمولی سے علالت کے بعد ۹۴ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کے جانشین اور خلیفہ اکبر آپ کے صاحبزادے سید عنایت النبی قرار پائے۔

مولانا حافظ سید عنایت النبی مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

عنایت النبی بن ہدایت النبی بن حکیم اللہ بن کلیم اللہ بن ناظر محمد صاحب مودودی چشتی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۱۶۵ھ بستک ملک حیدر سرہند میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۱۲۵۱ھ بستک ملک حیدر سرہند میں ہوئی۔ مزار اپنے آبائی قبرستان میں ہے۔

تعلیم:

علم عربی، فارسی، حفظ قرآن اپنے والدِ ماجد سید ہدایت النبی سے حاصل کیا۔ فقہ و حدیث کی تکمیل مولودی سراج احمد سرہندی سے کی۔ علم تفسیر قاضی ثناء اللہ پانی پتی سے حاصل کیا۔ علم طب میں حکیم ملاّ بایزید سرہندی کے شاگرد ہوئے۔

سلسلہ چشتیہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت ہوئے اور خرقہ حاصل کیا۔ طریقہ قادریہ میں مولانا شاہ علی اکبر مودودی سے بیعت ہوئے۔ طریقہ نقشبندیہ میں مولوی شاہ غلام علی خلیفہ حضرت خواجہ مظہر جان جاناں سے فیض حاصل کیا۔

آپ علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ عارف کامل تھے۔ تمام زندگی نہایت زہد و رع

میں بسر کی۔ تقویٰ وطہارت اور اتباعِ سنت میں مستعد رہتے تھے۔

آپ اپنے والد ماجد کی حیات میں ہی درس وتدریس اور عقیدت مندوں کی اصلاح باطنی میں مصروف رہتے تھے۔ سجادہ پہ متمکن ہونے کے بعد تو اس سلسلہ مین بہت ہی توجہ دینے لگے۔ آپ کی اس غیر معمولی توجہ کے باعث سلسلہ کو بھی بہت فروغ ملا۔ آپ کے ارادت مندوں کی تعداد کئی ہزار تک ہوگئی۔ سرہند کے اردگرد کی کئی بستیوں، بہلول پور، کھیڑی افغاناں، جھجر، پٹودی، انبالہ، پٹیالہ، لدھیانہ، سہارنپور، بریلی، اودھ وغیرہ کے مقامات میں آپ کے بہت مرید تھے۔ بستک ملک حیدر اور سرہند میں بھی آپ کے بے حد ارادتمند تھے۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے تمام صاحبزادے اور پوتے یا تو آپ کے شیخ مولانا سید شاہ علی اکبر کے بیعت تھے یا آپ سے بیعت تھے۔ نواب حرمت خاں اور حافظ یار محمد خاں پسرانِ حافظ الملک حافظ رحمت خاں اور آزاد خاں، شہزاد خاں بن نواب عظمت خاں بن حافظ رحمت خاں، فتح خاں بن نواب حرمت خاں بن حافظ رحمت خاں، نواب محمد خاں بن نواب عمر خاں بن حافظ رحمت خاں آپ سے بیعت تھے۔

۱۲۴۰ھ میں آپ حج بیعت اللہ کے لیے حجاز تشریف لے گئے۔ حج کے بعد آپ مدینہ منورہ پہنچے۔ صاحب روضۃ الشریف ﷺ کے درِاقدس پہ حاضری دی اور درود وسلام پڑھا۔ آپ تقریباً چھ ماہ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور علماء وشیوخ مدینہ منورہ سے کسب علم وفیض کرتے رہے۔ حجاز سے آپ بغرض زیارت مقامات مقدسہ بغداد روانہ ہوگئے۔ بغداد، سامرہ، کاظمین، کربلائے معلےٰ کی زیارات سے فارغ ہوکر آپ مشہد مقدس ہوتے ہوئے قریہ چشت (علاقہ ہرات) پہنچے اور خواجگان چشت کے مزارات پر فاتحہ پڑھ کر مسجد میں چلے گئے۔ وضو کر کے نماز ادا کی۔ مسجد میں ہی خواجہ ناصر مودودی سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے تعارف کے لیے اپنے متعلق اور اپنے خاندان کے متعلق انہیں بتایا تو وہ اٹھ کر نہایت گرم جوشی اور محبت سے بغل گیر ہوئے اور بوسہ لیا اور فرمانے لگے کہ آپ ہمارے مہمان عزیز ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حاضرین مسجد سے جن میں متعدد مودودی خاندان کے افراد اور مرید تھے سے آپ کا تعارف کروایا۔

دوسرے دن خواجہ ناصر مودودی نے بزرگوں کے تبرکات، تحریریں، خطوط، قلمی کتب اور خواجہ مودود چشتی کی نایاب کتاب ''حجۃ السالکین'' دکھائی۔ آپ کامل ایک ماہ چشت میں مقیم رہے۔ اس دوران میں روزانہ خواجگان چشت کے مزار پر حاضری دیتے۔ ان کے لیے ایصال ثواب اور دعا کرتے۔ نماز عصر کے بعد حلقہ میں بیٹھتے۔ روزانہ کبھی باغ مودود کبھی حجرہ چلہ کشی خواجہ مودود و کبھی حجرہ چلہ کشی خواجہ ابواحمد ابدال چشتی کی طرف جاتے۔ تین چار دن کے بعد کوہ نمکسار کی طرف جاتے۔ غار میں مدفون سادات کے لیے دعا و فاتحہ پڑھتے۔ دورانِ قیام چشت میں صاحبزدگان مودودی میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے آپ کی دعوت طعام نہ کی ہو۔ یہ تمام صاحبزدگان آپ سے نہایت خلوص ومحبت کا اظہار کرتے اور جب آپ ہندوستان کے لیے ہرات روانہ ہوئے تو موسےٰ خواجہ، احمد خواجہ اور زاہد خواجہ آپ کو قلعہ صہبرز تک رخصت کرنے آئے۔ یہ جگہ چشت سے ایک منزل پر ہے۔ یہاں سلطان محمد مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ قلعہ صہبرز سے دوسری منزل اُبا ہے۔ رات کو یہاں قیام ہوا۔ یہاں سے تیسری منزل میروان کی ہے۔ یہاں بھی آپ کو شب بصری کرنا پڑی۔ میروان سے چوتھی منزل ہرات کی ہے۔ ہرات میں آپ چند روز مقیم رہے۔ وہاں کے علماء ومشائخ سے ملے اور بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد آپ قندہار، غزنی، مزارشریف، کابل، جلال آباد کی سیاحت کرتے ہوئے پشاور پہنچے اور اس کے مضافات میں لوگوں سے ملتے ملاتے تقریباً ایک ماہ یہاں صرف ہوگیا۔ اس کے بعد آپ منزل بہ منزل لاہور پہنچ گئے۔ لاہور میں چار پانچ روز قیام کرنے کے بعد جانب سرہند روانہ ہوگئے۔

اس طویل سفر کے بعد آپ اپنے شہر بستک ملک حیدر سے باہر کم ہی کہیں گئے ہیں، البتہ ہر سال حضرت شاہ ابوالاعلےٰ مودودی کے ختم پر براس (کرنال) ضرور چلے جاتے تھے۔

آپ صبح کی نماز کے بعد چاشت تک تلاوت قرآن مجید اور اشغال میں مصروف رہتے۔ چاشت کی نماز کے بعد ناشتہ سے فارغ ہوکر بارہ بجے تک مریضوں کے علاج ومعالجہ میں مصروف رہتے اور اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہ لیتے۔ ظہر کی نماز کے بعد درس وتدریس شروع کر دیتے۔ عصر

کی نماز کے بعد مریدوں کے ساتھ حلقہ میں بیٹھتے اور ان کی تربیت روحانی کا فریضہ ادا کرتے۔

آپ کے پاس سگ گزیدہ مریض آتے۔ آپ انہیں سیاہ مرچ پڑھ کر دیتے اور ماؤف جگہ پر کلی کر دیتے۔ جو مریض بروقت آپ کے پاس آ جاتا خدا کے فضل سے اسے کبھی ہلکان نہ ہوتا۔

آپ کے دو فرزندوں سید عنایت علی و سید جمال علی سے آپ کی نسل چلی۔ الحمد اللہ پاکستان میں آپ کی اولاد و عترت لاہور، اوکاڑا، لائل پور اور راولپنڈی میں موجود ہے۔

قریہ چشت:

قبل اس کے کہ ہم آپ کے جانشین کا تذکرہ شروع کریں۔ ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ قریہ چشت کے حالات وکوائف بھی تحریر کر دیئے جائیں، چونکہ یہ مقام خیر و برکت ایک عرصہ تک اہلِ طریقت کا منبع و مرکز رہا ہے اسی لیے صوفیا اسے سوادِ کرامت بنیاد خطہ چشت یا چشت مسکن اہل بہشت کہتے ہیں۔ اس سرزمین کو اسی بات پر بجا فخر ہے کہ اس نے بے شمار اولیاء کرام کے نقوش قدم دیکھے ہیں اور متعدد اولیاء کرام اس سوادِ کرامت بنیاد میں آسودہ خواب ہیں۔ ان بزرگوں نے اپنی روحانی علمی اور اخلاقی اقدار سے انسانی قلوب کا تزکیہ اور تزئین کی اور مادی سلوں کو جذب و سلوک کی شعاؤں سے پگھلا دیا۔ انسانیت کو دائرہ نور میں لے آنے کی کوشش کی اور حقیقت ہے کہ ان بوریہ نشین درویشوں کا بھی یہ کرشمہ تھا کہ خراسان، ترکستان، ایران، افغانستان، کشمیر، سندھ اور ہند کے گنہگار ماحول میں اسلام کی شمعیں فروزاں ہوگئیں۔ اس خاک پاک سے ایسے صاحبانِ علم و عمل اور اہل حال بزرگ اٹھے جن کے اعمال وخیالات سے بڑے بڑے مشاہیر متاثر ہو گئے اور انہوں نے ان کی برکات وفیوض کا سلسلہ دور دور کے ممالک تک وسیع کر دیا۔ ان نامور بزرگوں میں سے کئی ایک کی نشو ونما اور فیوض و برکات کا مرکز یہ یہی خطہ پاک ہے۔

ہرات سے چالیس کوس کے فاصلہ پر جانب شمال سوادِ کرامت بنیاد قریۂ چشت ہے۔ اس قریہ کے اردگرد کے کوہستان میں قوم تایمنی کی آبادی و بود و باش ہے۔ نواحِ ہرات سے دامن کوہ تک قوم چار اعماق کی سکونت ہے اور چشت کے کانب مقرب حد کوہ سے باہر اور حدِ میمنہ اور بلخ

میں ازبکوں اور ترکوں کی آبادی ہے۔ یہاں کے لوگ خواجگان چشت سے گہری عقیدت رکھتے ہیں اور مقام اتمام کوہ میں قوم ہزارہ اور افغانوں کی آبادی ہے۔ قوم ہزارہ مذہباً شیعہ ہے اور افغان مذہباً حنفی ہیں۔ ان سے متصل کافر سیہ پوشوں کی آبادیاں بھی ہیں۔ چشت کی بستی ایک بلند کوہسار پہ واقع ہے۔ اس مقام تک پہنچنے کے لیے قدیم زمانے میں پہاڑ کو کاٹ کر راستہ بنایا گیا ہے۔ یہ راستہ ایک درہ سے گزرتا ہوا چشت پہنچ جاتا ہے۔ اس کی آبادی دو ڈھائی صد گھروں پر مشتمل ہے۔ ڈیرھ صد گھر تو صاجبزدگان مودودی کے ہیں۔ باقی آبادی ترکوں، ازبکوں اور افغانوں کی ہے۔ بستی سے مزارات خواجگان تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ درۂ چشت کے قریب سے ایک چشمہ آب شیریں کے ساتھ ساتھ باغِ مودود تک جاتا ہے۔ یہ باغ سلاطین خراسان میں کسی نے آپ کے نام پر لگا کر آپ کی اولاد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ باغِ مودود کے ساتھ حجرۂ چلہ کشی خواجہ محمد زاہد بن خواجہ ابو احمد ابدال چشتی ہے اور یہاں سے ہے راستہ باغِ مودود کے نشیب سے گزرتا ہوا خواجہ مودود چشتی کے مزار تک پہنچ جاتا ہے۔

دوسرا راستہ بستی سے کوہسار بلند پر سے گزرتا ہوا مزارات تک پہنچ جاتا ہے۔ اس راستہ میں ذرا چڑھائی ہے، لیکن یہ راستہ نزدیکی ہے۔

خانقاہ خواجگانِ چشت کے پہلو میں ایک عالیشان مدرسہ اور ایک رفیع الشان مسجد ہے جو خواجہ مودود چشتی نے ہی تعمیر کروائی تھی اور مسجد کے قریب ایک بلند اور مستحکم عمارت ہے جس کے ایک حصہ میں اس وقت (جب آپ یعنی عنایت النبی چشت پہنچے تھے) خواجہ سید ناصر مودودی سجادہ نشین رہائش رکھتے ہیں۔ دوسرا حصہ مہمانوں اور زائرین کی رہائش کے لیے وقف ہے۔ اس عمارت سے باہر ایک بہت پرانا اور بہت بڑا فندق کا درخت ہے اس درخت کی خاصیت اور کیفیت فندق کے عام درختوں سے مختلف ہے۔ یہ درخت سال میں چھ سات مرتبہ پھولتا پھلتا ہے۔ لوگ اس کا میوہ دور دور لے جاتے ہیں اور بچوں کے گلے یا ہاتھوں میں باندھتے ہیں تاکہ بچے نظر بد سے محفوظ رہیں۔ اس علاقہ میں اس درخت کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ حضرت خواجہ مودود

چشتی نے وضو کے وقت اپنی مسواک یہاں گاڑھی تھی۔ اللہ کی قدرت سے وہ مسواک وہاں ہی پھوٹ آئی اور ایک دن ایک بڑا تناور درخت کی صورت اختیار کر گئی۔

خانقاہ و مزارات:

متعدد پیشوایانِ حقیقت وطریقت اس مکان عرفان نشان میں آسودہ خواب راحت ہیں۔ ایک پختہ چار دیواری کے اندر چھ قبریں ہیں۔ سربالین کے سنگیں کتبوں پر ان بزرگوں کے نام یوں تحریر ہیں۔

۱۔ پہلا مزار سلطان فرس ناقہ قدس سرہ کا ہے۔

۲۔ حضرت زبدۃ الکاملین عمدۃ الواصلین دردریائے حقیقت، اختر برج طریقت مالک ملکِ لازوال حضرت خواجہ احمد ابدالؒ چشتی۔

۳۔ جناب سر دفتر اربابِ ہدایت، پیشوائے اصحاب ولایت مقبول بارگاہِ لایزال خواجہ ابو محمد زاہد چشتیؒ فرزند خواجہ ابواحمد ابدالؒ۔

۴۔ قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، عارفِ معارف ربانی، سالکِ مسلک یزدانی، جامعِ کمالات دینی و دنیاوی، حاوی کرامت صوری و معنوی حضرت خواجہ ابو یوسف ناصر الدین بن مولانا محمد بن سمعانؒ۔

۵۔ مزار منور اور مرقد مطہر عنقائے قافِ لاہوت، سلطانِ اقلیم جبروت، عمدہ عارفین جود آگاہ، زبدہ عاشقین حقیقت پناہ، شہنشاہِ ملک عرفاں، فرمانروائے انس وجاں، رہبر کاروانِ فقراء، قافلہ سالارِ قوافلِ عرفا، افسر فرق صوفیان والا جاہ، دیہیم تارکِ محققانِ خدا آگاہ، دردریائے نبوت، گوہر درج فتوت، سلالۂ سلسلہ مصطفویہ، نقاوۂ خاندان مرتضویہ، عالم خفی وجلی، نور دیدۂ نبیؐ و علیؓ، شیخ الشیوخ ثقلین، قرۃ العین حسنؓ والحسینؓ، برگزیدۂ رب الودود، قطب الدین خواجۂ مودود قدس اللہ سرہ۔

۶۔ مخزن طریقت، معدن حقیقت، آفتاب سپہر توحید، ماہتاب فلک تفرید، عمدۂ سیراب

دلانِ انہار بہشتی خواجہ ابواحمد چشتیؒ۔

یہ چھ مقدس و منور مزار ایک جگہ قریب قریب ہیں اور ان کے گرد پختہ چار دیواری ہے اور قبر منور خواجہ مودود چشتی ماہی پشت ہے۔ اس پر سبز غلاف پڑا ہوا ہے۔ چار دیواری سے باہر اس خاندان کے دیگر بزرگوں اور خلفاء وغیرہ کے مزارات ہیں اور ایک نمایاں جگہ پر مولانا محمد بن سمعان رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔

خواجہ مودود چشتیؒ کے مزار سے جو راستہ باغ مودود کی طرف جاتا ہے۔ اس راستہ پر باغ مودود سے چار کوس کی مسافت پر خواجہ مودود چشتی کا ایک حجرہ ہے۔ جہاں ایک عرصہ تک آپ مقیم رہے اور وہاں ہی آپ نے چلہ کشی کی۔ وہاں سے دو ندیاں بہتی ہیں۔ ایک ندی کا پانی گرم ہے اور دوسری کا سرد ہے۔ یہ دونوں ندیاں آپ کے اس مقام پر آنے سے بیشتر نہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے دو چشمے گرم و سرد آپ کے لیے ہی پیدا کر دیئے، تاکہ گرما و سرما میں آپ کو راحت رہے۔ ان ہی دو چشموں کا پانی ندیوں کی صورت میں آپ کے مزار و مسجد تک پہنچتا ہے۔ اس جگہ سے سات کوس کے فاصلے پر حجرۂ چلے کشی خواجہ ابواحمد ابدال ہے۔ اسی مقام پر خواجہ ابواحمد ابدال حضرت اسحاق شامی اور دیگر ابدال سے ملاقات ہوئی تھی۔

چشت کے مغربی جانب کچھ فاصلہ پر دو پہاڑ ملے ہوئے ہیں۔ جن میں سے کف آلود برنگ سرخ رقیق سا مواد نکلتا ہے۔ اس مواد کو اطراف قریب و بعید کے لوگ روئی میں تر کر کے لے جاتے ہیں اور اسے ناسور دنبل پر لگاتے ہیں اور خدا کے فضل سے مریض صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ بھی روایت مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خواجہ مودود چشتی کی دعا کے نتیجہ میں یہ چشمہ مرہم پیدا کیا جو ناسور و دنبل کے لیے مجرب دوا ہے۔ یا ممکن ہے سب سے پہلے اس چشمۂ مرہم کو آپ نے دریافت کیا ہو اور اس مواد کی خاصیت اور افادیت کی تجربہ کر کے سب سے پہلے آپ نے دنبل و ناسور کے مریضوں پر دوا کے طور پر استعمال کیا ہو۔ حجرۂ چلہ کشی خواجہ مودود چشتی سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک کوہ بلند نمکسار ہے۔ اس میں ایک بہت بڑا غار ہے جس کا منہ بڑے

بڑے پتھروں سے بند کیا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس غار میں ڈھائی صد کے قریب مرد عورتیں مردہ پڑے ہیں۔ یہ سب قوم سادات اور شرفائے عرب میں سے ہیں جو کسی وقت بنی امیہ کے ظلم و جبر کے باعث اس غار میں آ چھپے تھے۔ اس روایت کی تائید ایک درویش صادق القول، متقی، خدا شناس شاہ عبدالسلام نامی سے ہوتی ہے۔ وہ نقل فرماتے ہیں کہ "۱۲۱۱ھ میں یہ فقیر خواجہ مودود چشتی کے مزار پر انوار پر معتکف تھا کہ چند مودودی صاحبزادے قابل خواجہ، رکن الدین خواجہ، شرف شاہ خواجہ، بدل خواجہ، موسے خواجہ، زاہد خواجہ، خادم خواجہ، احمد خواجہ اور ان کے علاوہ سادات مودودی کے کئی اور افراد خواجہ ناصر مودودی سجادہ نشین کے ہمراہ کوہ بلند کمسار پر گئے۔ وہاں میں نے ایک عجیب مشاہدہ کیا۔ ہم گزر رہے تھے کہ پہاڑ سے ایک بڑا سا پتھر جدا ہو کر گر پڑا اور اس کے جدا ہونے سے اس مقام پر ایک غار نمودار ہو گیا۔ دراصل یہ اسی روایتی غار کا منہ تھا جسے کسی وقت بند کر دیا گیا تھا۔ ہم سب اس غار کو دیکھنے کے لیے جب غار میں داخل ہوئے تو اس غار میں ڈھائی صد کے قریب مردہ مرد اور عورتیں پائے گئے۔ ان کے بدن پر لباس بھی ابھی تک موجود تھا۔ غار کے منہ کے قریب ایک جوان عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ بھی ان مردوں میں کوئی بیٹھا ہوا تھا اور کوئی لیٹا ہوا تھا۔ ان کے لباس عربوں کا سا تھا اور عربوں کی طرح کمروں سے پیٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ایک آدمی کے بغل کے قریب ایک تھیلی پڑی ہوئی تھی جس میں ولید بن عبدالملک کے زمانہ کے سکے تھے۔ ایک فولادی چھری جس کا غلاف گل کیا تھا پڑی تھی۔ صاحبزادگان مودودی نے ان مردوں کے سامان و لباس میں تجسس نہ کی۔ لیکن میں نے وہ خنجر اٹھا لیا اور باہر آ گئے۔ اس غار کو پھر اسی پتھر سے مضبوطی سے بند کر دیا۔ حاجی میر خورد مودودی جو اس غار کے قریب ایک بلند چوٹی پر رہتے تھے بتایا کہ میں نے بھی کئی بزرگوں سے سنا ہے کہ تمام اہل غار قوم سادات اور شرفائے عرب سے ہیں جو بسبب ظلم و جبر بنی امیہ اس غار میں آ چھپے تھے اور انہوں نے یہاں آ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حفاظت کی دعا کی۔ مجیب الدعوات نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اصحاب کہف کی طرح غار میں پردہ پوش کر دیا۔

مولانا حکیم سید عنایت علی مودودی چشتیؒ

نام و نسب:

عنایت علی بن عنایت الٰہی بن ہدایت الٰہی بن حکیم اللہ بن کلیم اللہ بن شاہ مظہر محمد مودودی چشتی سرہندی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۲۰۰ھ بستک ملک حیدر سرہند میں ہوئی۔

وفات:

۱۲۷۹ھ بستک ملک حیدر سرہند میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد مولانا حکیم عنایت الٰہی سے حاصل کی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ اور منطق کی تکمیل شاہ عبدالعزیز محدث اور مولانا فضل خیر آبادی سے حاصل کی۔ طریقہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے۔ سلسلہ نقشبندیہ میں سید قطب الدین خلیفہ خواجہ محمد زبیرؒ سے بیعت ہوئے۔

۱۲۳۶ھ میں نواب نجابت علی خاں رئیس جھجر کی سرکار سے منسلک ہوئے اور ولی عہد ریاست نواب زادہ فیض علی خاں کے اتالیق کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ کچھ مدت کے بعد

آپ کو ریاست کے محکمہ قضاء کا سربراہ مقرر کر دیا۔ آپ نہایت دیانتداری اور عدل وانصاف سے اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔ آپ بڑائچ پٹھانوں میں بڑی عقیدت اور عزت سے دیکھے جاتے تھے۔ رئیس پٹودی اور نواب گنج پورہ بھی آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور اکثر آپ سے ملاقی ہوتے تھے۔

آپ سید احمد شہید کی تحریک جہاد سے بہت متاثر تھے اور بے حد ہمدردی رکھتے تھے، اگرچہ ملازمت کے باعث اس تحریک میں عملی طور پر کوئی حصہ نہ لے سکے، لیکن سرحد جانے والے مجاہدین کی امداد اور مہمان نوازی کرتے رہے اور نہایت مخلص دوست مولوی سید چراغ علی صاحب کے ذریعے اکثر سید صاحب کی مالی امداد بھی کرتے رہتے تھے۔

ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ اپنے شہر بستک ملک حیدر میں رہے۔ سرہند کے باغ شالیمار (باغ عام وخاص) کے قریب اراضی خرید کر ایک گاؤں بسایا اور اس کا نام اپنے نام پر عنایت پورہ رکھا۔ شہر میں ایک مجلس خانہ اور نقارخانہ تعمیر کیا۔ آبائی مدرسہ اور مسجد کی مرمت اور اضافہ کیا۔ اس کے بعد آپ درس وتدریس اور اپنے والد کے مریدوں کی روحانی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ کسی معاوضہ کے بغیر مریضوں کا علاج معالجہ بھی التزام سے کرتے رہے۔ آپ نہایت نیک اور صالح انسان تھے۔ طبیعت میں رواداری، انکساری اور ملنساری بے حد تھی۔

ازواج واولاد:

آپ کی پہلی شادی برادری کی ایک خاتون ہندہ سے ہوئی۔ ان کے بطن سے دولڑکے اور دولڑکیوں کی ولادت ہوئی، لیکن وہ تمام بچے چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے۔ دوسری شادی سیدہ خالدہ بنت سید احمد حسن مودودی سے ہوئی۔ ان کے بطن سے دولڑکے عنایت حسین، ہدایت حسین کی ولادت ہوئی۔ سید عنایت حسین لاولد فوت ہوئے۔ ان کی نسل سید ہدایت حسین سے چلی۔

مولانا حکیم سید ہدایت حسین مودودی چشتیؒ

نام ونسب:

ہدایت حسین بن عنایت علی بن عنایت النبی بن ہدایت النبی بن حکیم کلیم اللہ بن شاہ نظر محمد مودودی چشتی سرہندی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۲۴۰ھ، ۱۸۲۵ء، ۵ر فروری میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۱۳۱۷ھ، ۱۸۹۸ء حیدرآباد دکن میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سید عنایت علی سے حاصل کی۔ علم تفسیر، حدیث، فقہ میں مولانا فضل حق خیرآبادی اور قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے تکمیل کی۔ علم طب حکیم محمود خاں دہلوی سے حاصل کیا۔

سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے۔ طریقہ نقشبندیہ میں حافظ جمال اللہ رامپوری سے بیعت ہوئے۔

تکمیل علم کے بعد کچھ عرصہ درس دیتے رہے۔ ازاں بعد سرکار پٹیالہ میں بطور تھانہ دار

خدمت انجام دینے لگے۔ کچھ عرصہ بعد حکومت پٹیالہ وکیل سرکار کا عہدہ تفویض کر کے شملہ بھیج دیا۔ شملہ میں آپ کافی مدت وکیل سرکار ریاست پٹیالہ کی حیثیت سے خدمت سرانجام دیتے رہے۔ اسی دوران میں آپ کا مولوی رجب علی ارسطو جاہ، میر منشی ایجنٹ گورنر جرنل سے پہلے تو عقائد کے معاملہ میں بحث وتمحیث ہوتی رہی اور آخر میں اس بحث و مذاکرہ نے نزع کی صورت اختیار کر لی اور یہ عقائد کا نزع دشمنی کی حد تک بڑھ گیا۔ مولوی رجب علی چونکہ ریاستی ایجنٹ کے میر منشی تھے اس لیے پنجاب کی ریاستوں کے حکمرانوں اور ریاستی حکام اعلیٰ تک ان کی رسائی اور تعلقات تھے۔ مولوی رجب علی نے غدر کے زمانہ میں مغل سلطنت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے غداری کی تھی اور انگریزوں کی خدمات کی تھیں۔ اس کے صلہ میں انگریزوں نے انہیں بہت نوازا۔ ارسطو جاہ کا خطاب دیا اور پنجاب کی ریاستوں کے ایجنٹ ٹو دی گورنر جرنل کا میر منشی بنا دیا۔ مولوی رجب علی نے غدار کے زمانہ میں بہت مال ومتال، نوادرات اور قلمی کتابیں دلی سے لوٹیں۔ میر منشی کی حیثیت میں تو انہیں ریاستوں کے رئیسوں کو لوٹنے کا بہت موقع ملا۔ رائیکوٹ کی ریاست اس لیے ختم کر دی گئی کہ وہاں کے حکمران کے وارث رائے صاحبان انہیں دو لاکھ روپے رشوت نہ دے سکے۔ ریاست مالیر کوٹلہ کے وارث نواب ذوالفقار خاں کے جدِ امجد بھی ان کو رشوت نہ دے سکے، لہٰذا ان کو محروم کر کے ان کے چچازاد بھائی کو نواب بنوا دیا گیا۔

اس کے علاوہ وہ زیر اثر ریاستوں میں اپنے ہم مسلک شیعہ صاحبان کو بڑے عہدے دلواتے تھے۔ ریاست پٹیالہ میں خلیفہ محمد حسن اور خلیفہ محمد حسین وزیر اعظم اور وزیر مال ان کی کوششوں سے بنے۔ ریاست پٹیالہ میں شیعت کی تبلیغ کی منظم کوشش انہیں کی مرہون منت ہے۔ جو سنّی شعیہ مسلک اختیار کر لیتا تھا اسے ریاست میں ملازمت مل جاتی تھی۔ انہیں کی تجویز پر خلیفہ صاحب موصوف ایک شیعہ مبلغ مولوی عنایت علی صاحب کو امروہہ (یوپی) سے بلوایا۔ اس وقت ریاست میں خال خال ہی کوئی شیعہ ہوگا۔ سمانہ، بنوڑ اور ڈیرہ میر میراں کے لوگوں نے اسی زمانہ میں شیعہ مسلک اختیار کیا۔ دراصل یہ حالات ہی مولوی رجب علی کے ساتھ آپ کی مخالفت اور نفرت کا سبب بنے۔ آپ نے ان کی اس روش سے عام لوگوں کو بھی آگاہ کیا اور یہ سب باتیں راجہ

پٹیالہ کے بھی گوش گزار کیں۔ مولوی رجب علی نے اپنے منصب اور وزیر اعظم اور دیگر ریاستی حکام میں اثر ورسوخ کے باعث آپ کے خلاف سازش، بددیانتی اور بغاوت کا مقدمہ بنوا دیا۔ خفیہ طریق پر آپ کی گرفتاری کا حکم بھی جاری کروا دیا۔ آپ چونکہ شملہ میں تھے اس لیے، آپ کو پٹیالہ طلب کیا تاکہ حدودِ ریاست میں آپ کو گرفتار کیا جائے، لیکن نظام الملک مہتر چترال کی بروقت اطلاع پر آپ شملہ سے فوراً دہلی روانہ ہو گئے اور دہلی سے حیدر آباد دکن چلے گئے۔ اس لیے آپ کی گرفتاری نہ ہو سکی۔ حیدر آباد پہنچنے کے بعد آپ چند دن کے بعد حضور نظام سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوئے۔ آپ نے حضور نظام کو اپنے پڑدادا میر سید ہدایت النبی اور اعتماد الدولہ، میر قمر الدین وزیر اعظم مرحوم کے گہرے تعلقات کا حوالہ دے کر اپنا تعارف اور اپنے تمام بیان کیے۔ حضور نظام نے امداد کا وعدہ فرمایا اور آپ کو سیاسی پناہ اور وظیفہ جاری کرنے کا حکم دیا۔ کچھ مدت بعد آپ کا نائب ناظم کے عہدہ پر تقرر کر دیا۔

آپ کی غیر حاضری میں ریاست پٹیالہ نے آپ کی تمام جائیداد اور سکنی وزرعی اراضی بحق سرکار ضبط کر لی۔ آپ کے بڑے بھائی سید عنایت حسین رسالدار جن کی مہاراجہ اور وزیر اعظم بھی قدر کرتے تھے آپ کے مقدمہ اور جائیدار کی واگزاری کی کوشش میں مصروف رہے۔ ادھر آپ مولوی رجب علی کے خلاف وائسرے، گورنر پنجاب اور ریاست ہائے پنجاب کے ایجنٹ کی خدمت درخواستیں پیش کیں۔ اس کے علاوہ پنجاب کے متعدد جاگیرداروں، زمینداروں اور رؤسان دہلی نے بھی مولوی رجب علی کی شکایتیں کیں اور ان پر رشوت، غبن اور بے ضابطگیوں کے مقدمات بن گئے۔ جس کی وجہ سے مولوی رجب علی نے گھبرا کر اور خوف زدہ ہو کر زہر کھا لی اور مر گئے۔

اس اثناء میں آپ کو حضور نظام نے آپ کا ناظم ضلع الگندل کے عہدہ پر تقرر کر دیا۔ اسی اثناء میں مہاراجہ پٹیالہ فوت ہو گئے۔ ریاست کا ولی عہد چونکہ کم عمر تھا اس لیے انتظام ریاست کے لیے کونسل مقرر ہو گئی۔ آپ کے بھائی عنایت حسین نے اپنے مقدمہ اور اپنی جائیدار کی واگزاری کی کوشش جاری رکھی۔ دوسری طرف آپ کے بھائی سید ہدایت حسین مقدمہ سے بری اور آپ کی جائیداد واگزار کروانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کے علاوہ مہتر چترال اور حضور نظام اور سفیر

افغانستان نے بھی آپ کی پرزور سفارش کی۔ آخر کونسل نے آپ کو بری کر دیا اور آپ کی جائیداد بھی واگزار کرنے کا حکم دے دیا۔ اس سلسلہ میں آپ کو بہت پریشانیوں، تکالیف اور مالی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی دوران آپ کو اپنی عظیم الشان حویلی واقعہ ترکمان دروازہ دہلی فروخت کرنا پڑی۔

آپ نہایت ذی علم، انشاء پرداز اور ماہر قانون تھے۔ سلطنتوں کے معاہدات تحریر کرنے کا آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ کو مطالعہ کتب اور اچھی کتب جمع کرنے کا بھی بہت شوق تھا۔ آپ کے پاس تفسیر، فقہ اور تاریخی کتب کا ایک اچھا ذخیرہ تھا۔ فقہ حنفی پہ بے حد عبور تھا۔ امام حنیفہؒ کے بے حد مداح اور شیدائی تھے۔

آپ جب تک شملہ میں رہے ہمیشہ دفتر جانے سے پیشتر دو گھنٹہ مطب میں بیٹھتے۔ مریضوں کو دیکھتے، کسی کو اپنی الماری سے دوا دیتے اور کسی کو نسخہ تحریر کر دیتے اور اس خدمت کا کسی سے بھی معاوضہ نہ لیتے۔ نیک و صالح شخص تھے۔ صوم وصلوٰۃ اور نماز تہجد کے پابند تھے۔ حسب موقع واعظ و تلقین بھی کرتے۔

ازواج واولاد:

آپ کی پہلی شادی آپ کے حقیقی چچا مولانا جمال علی مودودی بن مولانا حکیم سید عنایت النبی مودودی کی دختر سیدہ معصومہ سے ہوئی۔ ان کے بطن سے ایک دختر سیدہ ہاشمی کی ولادت ہوئی۔ سیدہ ہاشمی کی شادہ سید محمد باقر مودودی سے ہوئے۔

آپ کی دوسری شادی مولانا سید حیدر حسن عاصم مودودی بن مولانا حافظ سید محمد بخش بن مولانا سید محمد ارتضیٰ بن خواجہ سید محمد بھکاری بن سید عنایت اللہ بن قطب زماں خواجہ غریب اللہ مودودی چشتی بن خواجہ سید جان محمد بن خواجہ سید ابو ناصر بن خواجہ سید بھیکن بن خواجہ سید عبد العلی بن منتخب الدین بن خواجہ سید ابوالاعلیٰ مودودی چشتی براسوی کی دختر سیدہ بتول سے ہوئی۔ انکے بطن سے ایک فرزند سید اعجاز حسین کی ولادت ہوئی۔ آپ کی نسل آپ کے فرزند سید اعجاز حسین سے چلی۔

مولانا حکیم سید اعجاز حسین مودودی

نام ونسب:

اعجاز حسین بن ہدایت حسین بن عنایت علی بن عنایت النبی بن ہدایت النبی بن حکیم اللہ بن کلیم اللہ بن شاہ نظر محمد مودودی چشتی سرہندی۔

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۲۸۷ھ، ۱۸۷۰ء سرہند بستی (بستک ملک حیدر) میں ہوئی۔

وفات:

آپ کی وفات ۱۳۳۸ھ، ۱۹۱۹ء سرہند بستی (بستک ملک حیدر) میں ہوئی۔

تعلیم:

قرآن مجید ناظرہ وحفظ پیر محمد سے پڑھا۔ عربی، فارسی، اردو، ادب وشعر کی تعلیم اپنے نانا مولانا سید حیدر حسن عاصم مودودی سے حاصل کی۔ تفسیر وفقہ کی تعلیم اپنے نانا کے بھائی مولانا سید صفدر حسین مودودی صاحب تفسیر ختم الصحائف سے حاصل کی۔ فلسفہ ومنطق میں محض تین ماہ مولانا سید ابوالبرکات ٹونکی سے درس لیا۔ حدیث کی تعلیم مولانا عین القضا لکھنوی سے حاصل کی۔ علم طب حکیم محمد حسن خان وحکیم مولانا عبدالرحمٰن دیوبندی سے حاصل کیا۔

سلسلہ چشتیہ میں مولانا سید صفدر حسن مودودی چشتی صاحب تفسیر ختم الصحائف سے

بیعت ہوئے۔طریقۂ نقشبندیہ میں مولانا عین القضاۃ لکھنوی سے بیعت ہوئے۔

اگرچہ آپ کامل العلم اساتذۂ کرام سے پڑھے، لیکن آپ کی تعلیم مسلسل اور باقاعدہ سے نہیں ہوسکی۔ تاہم آپ کو مطالعہ کے شغف اور صاحبِ علم واصحاب کی صحبت میں رہ کر عربی، فارسی بے تکلف لکھنے بولنے اور ادب وشاعری میں درک اور علوم دین میں پوری مہارت ہوگئی تھی۔ قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، فلسفہ، تصوف اور ادب وشعر الغرض جس موضوع پر بھی آپ گفتگو کرتے عالمانہ انداز سے کرتے۔ انگریزی زبان سے بھی آپ کو کچھ واقفیت تھی، اگرچہ آپ انگریزی زبان میں گفتگو تو نہ کرسکتے تھے، لیکن اچھی طرح سمجھ لیتے تھے اور انگریزی کتب کا مطالعہ بھی کرلیتے تھے۔

علمی دلچسپیاں:

آپ جہاں ہندوستان کے دینی مدارس کے مداح تھے۔ وہاں سرسید احمد خاں کی مروجہ دینوی تعلیم کی تحریک سے بھی متاثر تھے۔ آپ مسلمانوں کے لیے دینی اور دنیاوی تعلیم کی ضرورت کو ناگزیر سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے ذہن میں مساجد کے اماموں اور واعظوں کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ کی تجویز بھی تھی۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ مساجد کے اماموں اور واعظوں کی ایسی جماعت تیار کی جائے جو اچھے عالم دین، واعظ اور مبلغ دین کے علاوہ وہ کچھ نہ کچھ مروجہ دنیوی تعلیم میں بھی شُدبُد رکھتے ہوں اور کسی نہ کسی پیشہ سے بھی واقف ہوں تاکہ ان کی معیشت کا انحصار چندوں، نذرانوں اور خیرات وصدقات پر نہ ہو۔

چنانچہ نصاب کے ساتھ ساتھ وہ مختلف فنون کی علمی وعملی تعلیم کو بھی ضروری خیال کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے طبابت، کتابت، صحافت، نقشہ نویسی، خطاطی، جلد سازی، وثیقہ نویسی اور منیمی (تجارتی حساب کتاب) ایسے پیشے تجویز کیے تھے۔ چنانچہ اس کی ابتداء انہوں نے مدرسہ ''ناصر التعلیم'' قائم کرکے کردی تھی۔ اس مدرسہ کے لیے مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالحلیم صدیقی ندوی، مولوی خلیل الرحمٰن عرفانی (مدرسۃ الٰہیات کانپور)، مولوی خورشید حسن مظہری، مولوی حسینی، مولوی محمد حسین سیالکوٹی ایسے اساتذہ کامل کی خدمات حاصل کی تھیں، لیکن بدقسمتی سے مدرسہ اپنے

اجراء سے دوسال بعد ہی ختم ہوگیا۔ البتہ درس قرآنی ناظرہ وقرأت، مروجہ پرائمری درجات پر مشتمل مدرسہ ''ناصر التعلیم'' چار پانچ سال تک قائم رہا، لیکن آپ کے انتقال کے بعد بالکل ہی دم توڑ گیا۔ دراصل اس عام چندہ یا حصولِ زر کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس کے لیے تمام اخراجات آپ اپنی ذات خاص یا چار پانچ دوستوں سے پورے کرتے تھے، اگر اس مدرسہ کے لیے فراہمی زر کا کوئی مضبوط ومستحکم طریقہ اختیار کیا جاتا تو یہ مدرسہ قائم رہ سکتا تھا۔

آپ ہمیشہ نوجوانوں کو حصول علم میں کوشاں رہنے کی تلقین کرتے۔ شہر کے جو نوجوان پٹیالہ، لاہور اور علی گڑھ کے کالجوں میں زیر تعلیم تھے وہ جب موسمی تعطیلات میں شہر آتے تو آپ عربی، فارسی اور اردو کی تیاری میں ان کی مدد کرتے۔

آپ کو مطالعۂ کتب اور رسائل واخبارات کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ آپ کے کتب خانہ میں ڈیڑھ دو ہزار کتب ہوں گی اور اخبارات ورسائل بھی التزام سے آتے رہتے تھے۔ اخبار الوکیل امرتسر، رسالہ اندوہ لکھنو، تہذیب الاخلاق علی گڑھ، الہلال کلکتہ، نظام المشائخ دہلی، مخزن، زمیندار اور پیسہ اخبار لاہور ایسے اخبار ورسائل ہمیشہ باقاعدگی سے آتے رہے۔

آپ کی حویلی کی حیثیت ایک اچھے خاصے کلب کی تھی۔ دوست احباب، عزیز و اقارب، امیر وغریب، بوڑھے ونوجوان، عالم وبے علم غرض ہر طرح کے لوگ آتے۔ کتب واخبار و رسائل کا مطالیعہ کرتے۔ مختلف مسائل پہ بحث ومذاکرہ برپا ہوتا۔ شعر وادب پہ گفتگو رہتی۔ دین و سیاست پر بھی بحث ہوتی۔ شطرنج وکراکی بھی کھیلی جاتی۔ لوگوں کے دکھ سکھ بھی سنے جاتے۔ ضرورت مند اور سائل بھی آتے اور کوئی مایوس نہ لوٹتے۔

عادات وخصائل واخلاق:

آپ نے ہمیشہ بے داغ زندگی بسر کی۔ بڑے متورع اور نیک انسان تھے۔ صوم و صلوٰۃ ونماز تہجد ہمیشہ پابندی سے ادا کرتے رہے۔ جب شہر میں ہوتے تو اپنی آبائی مسجد میں صبح اور شام کی نماز کی امامت کراتے۔ کبھی کبھی خطبہ جمعہ کا فرض بھی ادا کرتے۔ کسی سے ترش رو نہ

ہوتے۔ اگر کسی پہ غصہ آ جاتا تو زبان میں اور نرمی اور شائستگی آ جاتی۔ گفتگو میں کبھی رکیک اور سخت نقرے زبان سے نہ نکالتے۔ گفتگو ٹھہر ٹھہر کر کرتے اور پروقار انداز میں کرتے۔ کوئی شخص جب کسی مسئلہ میں استفسار کرتا تو اسے اچھی طرح بدلائل سمجھاتے۔ حتیٰ کہ وہ مطمئن ہو جاتا۔

آپ کے ملنے والوں میں مختلف و متضاد مشرب کے اصحاب بھی تھے۔ جب ان سے کسی اختلافی اور نزاعی مسئلہ پہ بحث کا سلسلہ شروع ہو جاتا تو گفتگو اس انداز سے کرتے کہ اپنے عقائد و نظریات اور وضع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور دوسرا بھی مایوس و منغص نہ ہوتا۔

آپ جب گھر سے باہر نکلتے تو نگاہیں ہمیشہ نیچی رکھتے۔ سرِ راہ ملنے والوں سے سلام میں سبقت کی کوشش کرتے۔ شہر کے پیر و جوان، امیر و غریب آپ کو اپنا دوست سمجھتے اور آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ جب کوئی آپ کو ملنے آتا تو آپ نہایت تپاک سے کھڑے ہو کر ملتے اور اسے اپنی نشست پر بٹھاتے۔

آپ کے مزاج کی افتاد کچھ ایسی تھی کہ کبھی انکسار، مروت، رواداری اور ہمدردی کی عادت کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ غرض مند لوگ بے تکلف آپ کے ہاں جا کر اپنی ضرورتیں بیان کرتے۔ آپ ہر ایک شخص کے دکھ درد کی داستان نہایت توجہ سے سنتے اور ان کی مدد بھی کرتے۔

آپ کے پاس اکثر شادی بیاہ کے دعوت نامے آتے۔ امراء کی طرف سے بھی، غرباء کی طرف سے بھی، ان میں سے کئی ایک سے آپ واقف بھی نہ ہوتے، مگر آپ کسی دعوت کو بھی رد نہ کرتے۔ ہر ایک کے گھر جا کر صاحب خانہ کی عزت افزائی کا موجب بنتے۔ یہ اخلاق، یہ مروت، یہ حسن سلوک اس دور کے اکابرین میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ آپ خود کو نہ بڑا بناتے تھے نہ بنتے تھے نہ تسخیر کرتے تھے، بلکہ خود آپ اخلاص و الفت کی منزلت کرنا عزیز رکھتے تھے۔ آپ میں ایک خاص بڑائی تھی جس کا ہر بڑائی کو لحاظ رکھنا پڑتا تھا۔

ہمدردی، سخاوت اور مہمان نوازی:

آپ کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جب کسی کی تکلیف اور الجھن کا آپ کو علم

ہوتا تو آپ فوراً اس کو اس تکلیف و الجھن سے نکالنے کی کوشش کرتے۔ کسی کو مقدمہ کی طرف سے پریشانی یا اپنے سقیم حالات کے باعث اپنی لڑکی کے ہاتھ پیلے نہ کر سکتا ہو یا کاروبار میں نقصان کے باعث مقروض اور نان و نفقہ سے بھی مجبور ہو گیا ہو تو آپ لازمی طور پر اس کی کچھ نہ کچھ مدد کرتے۔ اجنبی مسافروں کو اپنے ہاں ٹھہراتے، کھانا کھلاتے، زادِ راہ کے طور پر اسے کچھ نقد بھی دیتے، کوئی بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کو جاتے، دوا لا کر دیتے اور بڑے احسن طریق سے اسے علاج کے لیے کچھ رقم بھی دے آتے۔ عموماً مستحق ملنے والوں میں سے کسی کو اچکن، کسی کو ٹوپی، کسی کو جوتی یا قمیص و پاجامہ وغیرہ دیتے رہتے، مگر اس طرح کہ اس کو محسوس نہ ہو۔

آپ کے کثرت سے مہمان آتے اور مہمانوں کے آنے کی انہیں بہت خوشی ہوتی۔ نہایت خندہ پیشانی اور گرم جوشی سے اس کا استقبال کرتے۔ ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے اور ممکن حد تک تواضع کرتے۔ ان کو کھانا کھلاتے ہوئے مگس رانی کرتے، اگر کوئی دوسرا اس خدمت کے لیے اصرار کرتا تو فرماتے۔ حضرت یہ میرے مہمان ہیں، ان کی خدمت کا فرض مجھے ہی ادا کرنا چاہیے۔ مہمانوں کے لیے اکثر کھانا لے کر آتے، ان کے خود ہاتھ دھلانے کی کوشش کرتے۔ گھر سے خود پانوں کی طشتری لاتے، کبھی کبھی حقہ بھی بھر کر لے آتے، حالانکہ آپ کے دو مستقل خادم الٰہی بخش، محمد شفیع اور ایک لڑکا رلیا خدمت کے لیے موجود رہا کرتے تھے۔

تشنگی علم:

آپ مختلف الخیال جماعتوں اور فرقوں کے علماء و مشائخ اور رہنماؤں سے ملتے رہتے اور ان سے بعض مسائل اور اشکال کا حل دریافت فرماتے۔ آپ کے احباب حیران ہوتے کہ آپ اس قدر صاحب علم و فضل ہونے کے باوجود کیوں ہر در پہ جاتے ہیں۔ ایک نوجوان طالب علم بابو محمد اکبر صاحب نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ دنیا میں ایک ہی مستقل علم تو ہے نہیں۔ ہر علم کے تار و پود ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ ایک ہی علم کی تکمیل مختلف علوم اور معلموں سے ہوتی ہے۔ پھر آپ تو یہ جانتے ہیں کہ کتابی اور اخباری علم تو ہر دور میں بزرگوں کے تصرف کا ہمیشہ محتاج رہا

ہے۔اس دور میں کتابیں تو ارزاں ہے، لیکن معلم نایاب ہیں۔ان کی جستجو کو ہم اور تم کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں۔

تصوف اور مشائخ کے متعلق:

امرتسر میں آپ کے گہرے دوستوں میں شیخ غلام حیدر مالک آفتاب برقی پریس، شیخ غلام محمد مالک اخبار ''الوکیل''، مولوی انشاء اللہ خاں مدیر اخبار ''وطن'' تھے۔آپ ان اصحاب کے مخلصانہ اور گہرے مراسم کے باعث اکثر امرتسر جاتے رہتے تھے۔ان میں سے مولوی انشاء اللہ خاں اور شیخ غلام محمد تو آپ کو زندہ ولی کہا کرتے تھے۔شیخ غلام حیدر صاحب تو آپ کے شیدائی تھے اور آپ سے نہایت عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ایک مرتبہ انہوں نے آپ کو خط لکھا اور اس میں آپ سے بیعت ہونے کی خواہش بڑے والہانہ انداز میں کی۔آپ نے جواب مکتوب میں انہیں تحریر فرمایا۔''شیخ صاحب، میں تو اپنے زشت اعمال سے خود ہی بوجھل ہو رہا ہوں۔آپ کے اعمال کا بوجھ کہاں اٹھا سکوں گا۔مجھے حیرانی ہے آپ نے ابھی تک مجھے ذرا بھی نہیں سمجھا۔خدا کے لیے میری عزت، میری حیثیت سے زیادہ نہ کیجیے، مجھے وہ ہی رہنے دیجیے جو میں ہوں۔مجھ سے بھائی اور دوست کا یہ رشتہ قائم رکھئے اور اس پیری مریدی کی الجھن میں نہ پھنسئے، اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ خودشناسی، خداشناسی، تصفیہ قلب اور مدراج روحانی کے حصول کے لیے صوفیائے کرام کی صحبت اکسیر کا اثر رکھتے ہے، لیکن فی زمانہ صوفی اور متصوفی کی پہچان جواہرات پرکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔آج کل صوفیوں کے بجائے صوفی نما گروہ ہر جگہ مسلط ہیں اور تصوف اور درویشی کو لوگوں نے معاش کا ذریعہ بنالیا ہے۔اس لیے طالبان طریقت کو نہایت سوچ سمجھ کر اس طرف رُخ کرنا چاہیے۔آج کل کے اکثر صوفیوں کے قلوب نہ تو انوار تجلیات سے منور ہیں نہ دماغ علم وحکمت دینیہ سے آسودہ ہیں۔پہلے دور کے صوفی جن سے آج بھی مسلمانوں کو بے حد عقیدت ومحبت ہے، اخلاق وکردار کا اعلیٰ نمونہ تھے، رکن شریعت اور مرکز طریقت تھے، شب کو تسبیح ومصلا سے تعلق رکھتے تھے، دن کو خانقاہ میں قرآن، حدیث اور فقہ کا درس دیتے تھے۔جب بادشاہوں اور حاکموں سے

ملتے تو ان کو نصیحتیں کرتے اور ان میں جو عیب دیکھتے برملا کہہ دیتے۔یہ صوفی صفاتِ باطنی وظاہری میں کامل تھے۔ان کی طبعیتوں میں سوز وگداز اور اللہ کا خوف تھا، آخرت کے کھٹکے نے ان کو دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا۔اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کو جباروں سے بے خوف کر دیا تھا، اگر آج بھی آپ کو ایسا شیخ مل جائے تو ان سے ضرور واسطہ ہو جائیے۔وگرنہ صوم وصلوٰۃ خلوص دل سے ادا کرتے رہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ہر گھڑی خیال رکھیے، تلاوت قرآن حکیم باقاعدگی اور فہم وتدبر سے کیجیے۔اعمال خیر کو اپنائے اور اعمال شر سے بچیئے، انسان کی نجات کے لیے یہ ہی کافی ہیں۔''

قادیانیت کے باب میں:

آپ کے ملنے والوں میں سے کچھ قادیانی حضرات بھی تھے۔جن سے ان کے قادیانیت سے پہلے کے مراسم تھے۔ان میں سے شیخ عبداللہ بخشی افواج پٹیالہ، شیخ کرم الٰہی کورٹ انسپکٹر پولیس پٹیالہ اور مولوی عبداللہ صاحب سنوری (مولوی عبداللہ مرزا صاحب کے اعاظم صحابہ میں شمار ہوتے ہیں) کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔اول الذکر دونوں احباب کے خاندان سے آپ کے والد ماجد میاں سید ہدایت حسین اور آپ کے چچا سید عنایت حسین کے زمانہ سے نہایت مخلصانہ تعلقات تھے اور آپ کے زمانہ میں تو موالات ومروت اور مودت کا رشتہ کچھ زیادہ ہی مضبوط اور قوی ہو گیا تھا۔جب ان دونوں بزرگوں نے قادیانیت قبول کر لی تو آپ کو بہت افسوس ہوا۔شیخ کرم الٰہی صاحب سے تو آپ کی بحث بھی رہتی، لیکن اس بحث میں نہ تو تلخی پیدا ہوئی نہ تعلقات میں کبھی فرق آیا۔اس سلسلہ میں آپ اکثر بہت رواداری کے جذبہ سے ان سے اختلاف کرتے۔ان کے علاوہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں اور بسی سرہند کے عبدالغنی خاں سے آپ کے اسی طرح کے تعلقات تھے۔آپ نے آخر تک ان لوگوں سے اپنے تعلقات کو قائم رکھا۔ایک مرتبہ آپ شیخ کرم الٰہی کے بے حد اصرار کرنے پر خلیفہ حکیم نور الدین کی ملاقات کے لیے قادیان بھی تشریف لے گئے۔آپ کے ساتھ آپ کے دو ایک مسلمان دوست شیخ محمد صادق وکیل، شیخ مولا بخش وکیل پٹیالہ، مولوی گل محمد وکیل اور خواجہ حیدر علی انصاری وکیل (پانی پتی) بھی آپ کے ساتھ تھے۔خلیفہ

نورالدین صاحب سے اس سلسلہ میں آپ کی طویل گفتگو ہوئی۔ آپ کا یہ اعتراض تھا کہ تیرہ صد سال سے ہمارے تمام آئمہ، محدث، فقیہ، علماء، دانشور اور مشائخ حضور اکرم ﷺ کے نبی آخر الزماں ہونے پہ ایمان اور آنحضور ﷺ کے بعد ہر مدعی نبوت اور اس کی نبوت کے قائلین کو اسلام سے خارج اور کفر پر سمجھتے رہے اور حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی ادنیٰ سے نبی کی آمد کے قائل نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے اولین خلیفہ نے بھی اسی لیے ہر مدعی نبوت کے خلاف جہاد کیا اور اسے قتل کیا۔ نہ قرآن وحدیث سے حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد کی تائید ہوتی ہے۔ خلیفہ صاحب نے آپ کے اعتراضات کا جواب تو دیا اور آپ کو قائل کرنے کی بڑی کوشش کی، لیکن آپ ان کے دلائل اور تاویلات سے قائل اور مطمئن نہ ہو سکے۔ واپسی پر شیخ صادق صاحب نے دریافت کیا کہ خلیفہ صاحب کا علمی مقام کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ خلیفہ صاحب عالم تو اچھے خاصے ہیں، لیکن بہک گئے ہیں اور ان پر علم کا حجاب پڑ گیا ہے۔ مولوی گل محمد صاحب نے آپ سے دریافت کیا کہ خلیفہ صاحب کس پائے کے عالم ہیں تو آپ نے جواب دیا۔ ''شیخ صاحب اس بات کو چھوڑیئے کہ وہ کس پائے کے عالم ہیں، وہ کچھ بھی ہوں، لیکن آپ اس بات کا یقین رکھئے کہ وہ مسلمان قطعی نہیں۔'' ایک مرتبہ کسی مسئلہ کی تائید میں شیخ کرم الٰہی صاحب نے مرزا صاحب کے کسی ارشاد کو بطور دلیل پیش کیا تو آپ نے فرمایا۔ شیخ صاحب مرزا صاحب کے کسی ارشاد کی آپ کے نزدیک تو کوئی اہمیت ہو سکتی، لیکن ایک مسلمان کے نزدیک تو ان کا کوئی بھی ارشاد قابلِ توجہ نہیں ہوتا۔

سیاحت، آثار قدیمہ و مزارات:

آپ کو سیاحت کا بھی بہت شوق تھا۔ ہندوستان کے بڑے شہر، تاریخی مقامات اور صحت افزا پہاڑی شہروں کا آپ نے سفر کیا۔ آپ جس مقام پر بھی جاتے وہاں کے عام قبرستان اور بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ کے لیے ضرور جاتے۔ بعد ازاں وہاں کے آثار قدیمہ کو دیکھتے اور ان آثار و باقیات کی تاریخ مطالعہ اور تحقیق کرتے۔ قدیم شہر سرہند کے آثار باقیات جو چودہ میل طول اور بارہ میل عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کھنڈرات میں تو آپ ہفتہ عشرہ کے بعد ضرور جاتے اور اس ویرانہ میں تاریخ کو تلاش کرتے۔ ملک الشعراء میر ناصر علی اور سید محمد جعفر کی خلیفہ سید

محمود چراغ دہلوی کے مزار کی نشان دہی اور مرمت آپ نے ہی کروائی تھی۔ ان ہی کھنڈرات میں ایک مقبرہ تھا جسے عوام استاد شاگرد کا روضہ کہتے تھے۔ یہ مقبرہ فن تعمیر کا شاہکار تھا۔ جسے ہندوستان کے مختلف انجینئری کالجوں کے طلباء اور بڑے انجینئر دیکھنے کے لیے آتے تھے اور اس کے نقشہ بھی بنا کر لے جاتے۔ اس مقبرہ کے متعلق آپ کی تحقیق یہ تھی کہ یہ مقبرہ مرزا محمد یار قندی مہندس اور اس کے شاگرد کا ہے۔ یہ ہی وہ انجینئر ہے جس نے فیروز شاہ تغلق کے حکم سے روپڑ کے مقام سے دریائے ستلج سے نہر سرہند نکالی تھی۔ اس نہر کے آثار باقیات اب بھی موجود تھے۔ جگہ جگہ چھوٹے بڑے پل، بنگلے، ڈسٹری بیوٹریز، شکستہ حالت میں مسلمانوں کے دور اقبال کا ماتم کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ شہر سرہند کی تعمیر کی بنا بھی مرزا یار قندی نے ہی رکھی تھی۔ اس شہر کی تعمیر بھی فیروز شاہ تغلق کے حکم سے رکھی گئی۔ اس سلسلہ میں متعدد تصوف کتب میں یہ روایت اس طرح نقل کی ہے۔ ایک مرتبہ فیروز شاہ تغلق لاہور جاتے ہوئے نہر سرہند کے کنارے اس جگہ قیام فرما ہوئے۔ جس جگہ بعد میں شہر سرہند کی بنیاد رکھی گئی۔ اس سفر میں حضرت جہانیاں جہاں گشتؒ بھی بادشاہ کے ہمسفر تھے۔ نہر سرہند کے مغربی کنارے پر دور دور ایک خیموں کا شہر آباد ہو گیا۔ نصف شب کے قریب بادشاہ معمول کے خلاف بیدار ہو گئے۔ دوبارہ سونے کی کوشش کی، لیکن نیند نہ آئی تو خیمہ سے باہر آ کر ٹہلنے میں مصروف ہو گئے۔ بادشاہ کی حد نگاہ تک کسی خیمہ میں کوئی بیدار کے آثار نہیں تھا۔ محض ایک خیمہ میں ایک چراغ ٹمٹا رہا تھا۔ بادشاہ اسی خیمہ کی طرف چل پڑے اور خیمہ کے قریب پہنچ کر صاحب خیمہ کو آواز دی۔ یہ خیمہ حضرت جہانیاں جہاں گشتؒ کا تھا۔ بادشاہ کی آواز سن کر سید صاحب باہر آئے تو بادشاہ نے آپ سے کہا۔ میری طرح شاید آپ کو بھی نیند نہیں آ رہی۔ آپ نے جواب دیا۔ یہ جگہ نہایت بابرکت ہے، میں نے ہندوستان کی کسی جگہ بھی اس قدر فیوض و برکات کا نزول نہیں محسوس کیا۔ چنانچہ بادشاہ نے صبح کو مرزا یار قندی کو طلب کر کے اپنے خیموں اور اس سے ملحقہ اراضی کی حدود میں ایک بڑے شہر کا نقشہ بنا کر پیش کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ کچھ مدت کے بعد شہر سرہند کی تعمیر شروع کی۔ مہتمم تعمیرات اور حاکم علاقہ نے سرکاری عمارات کے لیے علاقہ میں بیگار کا حکم دیا اور بیگار میں مزدور لائے جانے لگے۔ ایک مرتبہ شاہ رفیع الدین (حضرت مجدد

صاحب کے دادا) اور حضرت شاہ بوعلی قلندر بھی بیگار میں پکڑے گئے اور معماروں کو اینٹ اور گارا لا کر دیتے رہے۔ پھر نہ جانے کس صاحب نظر شخص نے آپ دونوں بزرگوں کی شخصیت سے آگاہ ہو کر حاکم علاقہ اور مہتمم تعمیرات کو کہا تمہیں معلوم بھی ہے تم بیگار میں کن صاحب دل ہستیوں کو پکڑ لائے ہو۔ چنانچہ حاکم علاقہ اور مہتمم تعمیرات آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی خواہ ہوئے، چنانچہ آپ نے ان سے کہا کہ جب تک آپ عام بیگار بند نہیں کرتے ہم اسی طرح مزدوری کریں گے، چنانچہ بیگار بند کر دی گئی اور بیگاری مزدوروں کو اجرت ادا کرنے کا حکم جاری ہوا۔ اس قدیم ویران شہر کے بابرکت اور محترم ہونے میں کیا شک ہے۔ اس سرزمین نے بے شمار علماء و مشائخ کو جنم دیا ہے۔ اس خاک پاک میں حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی امام ربانیؒ، حضرت ضیاء معصوم قیوم زمانی، حضرت شاہ رفیع الدین چشتی، حضرت محترم عبدالاحد چشتی، حضرت شاہ بندگی اسمٰعیل اویسی، حضرت سید جعفر مکی، حضرت شہاب الدین بخاری، خواجہ سید بدرالدین مودودی، حضرت شاہ نظر محمد مودودی چشتی، ملک الشعراء میر ناصر علی سرہندی، فلسفی حکیم عابد سرہندی، مولف شرح احباب سید محمد یحیٰؒ، مورخ مولف تاریخ مبارک شاہی مرزا محمد یار قندی مہندس ایسے نامور ہستیاں محو خواب ہیں۔

حضرت مجدد صاحب کے آستانہ کے قریب لب سڑک ایک معمول سے طویل قبر بھی تھی۔ ایسی متعدد قبریں قصبہ روپڑ تک کہیں نہ کہیں ہندوستان کے اور مقامات پر بھی ایسی قبریں پائی جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگ اس قبر کو ''نوگزہ صاحب'' کا مزار کہتے تھے۔ آپ کی تحقیق یہ تھی کہ یہ تمام قبریں حضرت مسعود غازی کے مجاہدوں کی ہیں جو متعدد مرتبہ غزا کر چکے تھے۔ ان کے طویل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دستور کے مطابق ان مجاہد غازیوں کو نیزہ تلوار کے ساتھ دفن کیا جاتا تھا۔ اس لیے نیزہ کی لمبائی کے مطابق قبر بنائی جاتی تھی۔

ازواج واولاد:

آپ کی شادی آنریری مجسٹریٹ سید قمرالدین کی صاحبزادی سعیدہ خاتون سے ہوئی۔ آپ کے ہاں پانچ بیٹیاں اور چار بیٹے محمد حسین، احمد حسین، حامد حسین اور محمود حسین پیدا ہوئے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اسلامی انقلاب کا قائدؒ:

برصغیر پاک و ہند اور افغانستان کے سادات مودود چشتیہ کو اس بات پر بجا طور پر فخر ہے کہ ان کے خاندان میں اللہ تعالیٰ نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ایسی بزرگ ترین اور عظیم ہستی کو پیدا کیا جو اسلامی انقلاب کا قائد سرخیل تحریک اسلامی اور بانی جماعت اسلامی پاک و ہند اور بنگلہ دیش داعی حق متکلم و مفکر اسلام مجتہد محدث فقیہہ، مفسر قرآن، بلند پایہ مصنف متین و سنجیدہ خطیب علوم قدیم و جدید متبحر عالم صاحب کردار و عمل۔

علامہ سید مودودی نے اسلام کو انفرادی حیثیت سے نہیں بلکہ پوری زندگی کے بہترین نظام عدل کے طور پر متعارف کروایا ہے اور اس نظام کو عملاً قائم کرنے کے لیے انہوں نے جماعت اسلامی کی تشکیل کی۔ ان کے انتھک کارکنوں نے مولانا کی رہنمائی میں مرد و خواتین، اساتذہ و طلباء، وکلاء، اطباء، سائنسدان، دانشوروں، کلرکوں، ہزاروں، مزدوروں، کسانوں، ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور علماء مشائخ تک یہ دعوت پھیلائی۔ آج خدا کے فضل سے ہر شعبہ اور طبقہ سے ایک بڑی اور فعال تعداد جماعت اسلامی سے وابستہ ہے اور نظام اسلامی کے قیام اور غلبۂ اسلام کے لیے تن من اور دھن سے جدوجہد میں مصروف ہے۔ مولانا سید اسعد گیلانی اپنی قابل قدر ''کتاب سید مودودی'' میں راقم طراز ہیں۔

> ''مولانا مودودی محض حکیم و مفکر اور ادیب ہوتے اور صرف اپنا پیغام ہی دے جاتے تو بھی ان کی عظمت کے کنگروں کو چھونا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا، مگر انہوں نے انقلاب کی عملی جدوجہد کی ذمہ داریاں بھی اٹھائیں اور مردانہ وار اٹھائیں۔ قوم کو پکارا لبیک کہنے والوں کو جمع کیا اور ان کو نظم میں پرو دیا۔ ان کی تربیت کی نصب العین کے

لیے وقت قوئی اور جان و مال کی قربانی دینے کا درس دیا۔ ان کو سیاسی و عمرانی مسائل کا گہرا شعور دیا۔ ان کو مفاد کی کشمکش سے بے نیاز رہ کر زندگی کو انسانی اور ملکی خدمت کے لیے وقف رکھنے کا جذبہ دیا پھر اس بہم شدہ قوت کے بل پر ایک طرف الحاد پسند کیمونسٹ مغرب پرست اور جاہ طلب عناصر کی مزاحمت نظریاتی و سیاسی میدانوں میں جاری رکھی اور دوسری طرف ملک کے عوام کو اسلامی نظام کے لیے تیار کرنے کی مہم چلائی اور عوام کی تعلیم کے لیے قرآن و حدیث کے مدرسوں دارالمطالعوں کا اجراء کیا، غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ مین تعمیر نو کے لیے ایک حرکت پیدا کر دی۔"

خاندانی پس منظر:

مولانا کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جس نے تیرہ صد برس تک سلسلۂ ارشاد و ہدایت اور فقر و درویشی جاری رکھا۔ سادات اہل بیت کی ایک شاخ تیسری صدی ہجری میں ہرات کے قریب ایک مقام پر آ کر آباد ہوئی جو چشت کے نام سے تمام دنیا میں مشہور ہے۔ اس خاندان کے نامور بزرگ حضرت ابو احمد ابدال چشتیؒ متوفی ۳۵۵ھ حضرت حسن مثنیٰؒ بن حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ انہی سے صوفیہ کا مشہور سلسلہ جاری ہوا۔ ان کے نواسہ اور جانشین حضرت ناصر الدین ابو یوسف چشتی متوفی ۴۵۹ھ سادات کی ایک دوسری بڑی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ جس کا سلسلہ نسب امام علی نقی کے واسطہ سے امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

حضرت ناصر الدین ابو یوسف کے فرزند اکبر حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتیؒ متوفی ۸۲۷ھ جو تمام سلاسل چشتیہ ہند کے شیخ الشیوخ اور خاندان مودودیہ کے مورث ہیں۔ (حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری کے شیخ حضرت عثمان ہرونی تھے۔ ان کے شیخ حاجی شریف زندنی اور انکے شیخ حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی ہیں)۔

خاندان مودودیہ کی جس شاخ سے مولانا کا تعلق ہے وہ نویں صدی ہجری سے ہندو پاک میں آباد ہے۔ اس شاخ کے پہلے بزرگ جو ہندوستان آئے ان کا نام سید عبدالعلی تھا۔ جو مدرسہ علائی میں ایک عرصہ تک درس دیتے رہے اور وفات سے چند سال پیشتر پانی پت کے قریب سرنائی میں امامت گزیں ہو گئے۔ ۷۶۶ھ بعہد حکومت فروز شاہ تغلق قصبہ سرنائی میں ہی وفات

پائی۔ ان کے لڑکے خواجگی مستقل طور پر دہلی میں آباد ہو گئے، لیکن تیمور کے حملے سے پیشتر دہلی سے کالپی چلے گئے اور بہلول خاں لودھی کے عہد میں حکومت میں کالپی میں ہی فوت ہو گئے۔ ان کے فرزند سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سکندر لودھی کے عہد میں مستقلاً کرنال کے قریب براس میں مقیم ہو گئے۔

نام نسب:

نام سید ابوالاعلی مودودی بن سید احمد حسن بن سید حسن مودودی بن سید وارث علی مودودی حسن بن مثنیٰؒ کے واسطہ سے امام حسن علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

آپ ۳ر رجب ۱۳۲۱ھ ستمبر ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش سے تین چار سال پہلے ایک بزرگ نے آپ کی پیدائش کی پیشین گوئی کی تھی اور کہا تھا کہ اس کا نام ابوالاعلی رکھنا۔ سید مودودی مارچ ۱۹۳۸ء میں حیدر آباد دکن سے ترک سکونت کر کے دارالسلام (جمال پور پٹھان کوٹ) آ گئے۔ ہندو مسلم فسادات کے باعث ۳۰ راگست ۱۹۴۷ء کو لاہور آنا پڑا اور مستقل طور پر لاہور میں آباد ہو گئے۔

وفات:

۲۶ رمئی ۱۹۷۹ء کو بغرض علاج اپنے بیٹے کے پاس بفیلو امریکہ چلے گئے۔ ۴ر ستمبر ۱۹۷۹ء کو بفیلو کے ملرڈ فلمور ہسپتال میں معدے کے السر کا آپریشن ہوا۔ جو کامیاب رہا۔ ۶ر ستمبر کو شام کے وقت دل کا دورہ پڑا۔ آپ کو دوسرے ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۳ر ستمبر ۱۹۷۹ء کو دل کا دوسرا اور ۲۲ر ستمبر کو دل کا تیسرا دورا پڑا۔ اس دورہ کے بعد آپ جہاں رنگ و بو سے، اٹھ کر راہ گیسرائے ملک عدم ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ دسویں صدی عیسوی کے عربی شاعر ابوالحسن الانباری اپنے ممدوح وزیر کے متعلق جو کہا تھا وہ مولانا مودودیؒ اور فکر مودودی کا صحیح آئینہ ہے۔

علو فی الحیاۃ فی المماۃ انت لحق احدی المعجزات

زندگی میں سربلند رہا اور مرنے کے بعد بھی بالاتر ہے

تو یقیناً اس دور کی سراپا اعجاز شخصیت ہے

کتابیات

تذکرۃ الاولیاء	عطارؒ
تذکرہ اولیائے ہندوپاکستان	مرزا اختر دہلوی
حجۃ العارفین	حیات اللہ منعمی
قصرِ عارفان	ترجمہ مولوی اعجاز قدوس (پنجاب اکیڈمی لاہور)
خزینہ اصفیا	مفتی غلام سرور لاہوری لکھنو
تذکرہ علماء ہند	رحمٰن علی مرتب محمد ایوب قادری کراچی
سیر العارفین	حامد بن فضل اللہ جمالی، مطبع رضوی دہلوی
تذکرہ اہل دہلی	سرسید احمد خاں، مرتبہ احمد میاں جوناگڑھی
بزم صوفیہ	صباح الدین، دار المصنفین اعظم گڑھ
لطائف اشرفی	حسن مودودی لکھنوی (قلمی نسخہ)
حدیقۃ الاولیاء	مفتی غلام سرور (نول کشور کانپور)
تاریخ مشائخ چشت	پروفیسر خلیق نظامی، ندوۃ المصنفین دھلی
صحیفۂ ذریں	مطبع نول کشور لکھنو
جواہر علویہ تذکرہ خواجگان چشت	شاہ رؤف احمد مجددی
سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان	غلام علی آزاد بلگرامی (بمبئی ۱۳۰۲ میں طبع ہوئی)
خزینۃ الانساب	مولوی نظر احمد افسوں، نظامی پریس بدایوں
حضرات القدس	مولانا بدر الدین سرہندی
تاریخ مبارک شاہی	یحیٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی، ۱۹۳۱ء کلکتہ ایشیا بک سوسائٹی
شت بہشت	سید قربان علی، رحمانی پریس دھلی
مسالک السالکین	مرزا عبدالستار بیگ

اقتباس الانوار	شاہ محمد اکرم مودودی براسوی
توضیح السعادت	سید محمد بخدویمی حسینی
محبۃ التواریخ	آل حسن موذودی
تاریخ امروہہ	محمود عباس مطبوعہ ۱۹۴۰ء
آئینۂ عباس	مولوی محب علی
مراۃ الاسرار	شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالرسول داناپوری
روضۃ الصفا (فارسی)	نول کشور پریس لکھنو
تذکرۃ الاتقیا	محمد قاسم فرشتہ
تحفۃ الابرار	مرزا آفتاب بیگ، دہلی
سید مودودی	سید اسعد گیلانی
تذکرہ مودودی	تدوین وترتیب جمیل احمد رانا سلیم منصور خالد، ادارہ معارف اسلامی لاہور
زین الاخبار	ابوسعید ضحاک بن محمود گردیزی متوفی ۴۴۵ھ ایران
تاریخ اولیاء	مولوی اشرف علی عرف مفتی عبدالفتاح گلشن آبادی
سیر الاولیاء	مبارک علوی ۱۳۰۲ھ، مطبع محبت ہند دھلی
مولانا کی زبانی	جریدہ نقوش آپ بیتی نمبر

شجرہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ

سیدالشہدا حضرت امام حسینؓ — سیدنا حضرت امام حسنؓ

امام علی زین العابدینؓ
(پیدائش: ۱۵ جمادی الثانی ۳۸ھ)
(وفات: ۲۵ محرم الحرام ۹۵ھ بمطابق ۷۱۳ء)

زیدؓ — عمرؓ — امام محمد باقرؓ — حسین اصغر — علی اصغرؓ

امام محمد باقرؓ
(پیدائش: یکم رجب ۵۷ھ)
(وفات: ۷ ذوالحجہ ۱۱۴ھ)

سیدنا امام جعفر صادقؓ
(پیدائش: ۱۷ ربیع الاول ۸۰ھ)
(وفات: ۱۵ رجب المرجب ۱۴۸ھ)

سیدنا امام موسےٰ کاظمؓ
(پیدائش: ۷ صفر المظفر ۱۲۸ھ بمطابق ۷۴۵ء)
(وفات: ۲۵ رجب المرجب ۱۸۳ھ)

سیدنا امام علی رضاؓ
(پیدائش: ۱۱ ذی قعدہ ۱۵۳ھ)
(وفات: ۲۳ ذی قعدہ ۲۰۳ھ)

سیدنا امام محمد تقیؓ
(پیدائش: ۱۰ رجب المرجب ۱۹۰ھ بمطابق ۸۰۹ء)
(وفات: ۲۹ ذی قعدہ ۲۲۰ھ)

سیدنا امام علی نقیؓ
(پیدائش: ۵ رجب المرجب ۲۱۴ھ)
(وفات: ۳ رجب المرجب ۲۵۴ھ)

امام حسن عسکری — سیدنا ابوعبداللہ جعفر الثانیؒ

سیدنا ابوعبداللہ جعفر الثانیؒ
(پیدائش: ۲۹ رمضان المبارک ۲۳۳ھ)
(وفات: ۵ رجب المرجب ۲۹۶ھ بمطابق ۹۰۸ء)

ابو ابراہیم عبداللہ حسین
(پیدائش: ۲۰۹ھ بمطابق ۸۷۳ء)
(وفات: ۳۱۳ھ بمطابق ۹۲۵ء)

سیدنا ابراہیم بن حسین
(پیدائش: ۲۸۵ھ بمطابق ۸۹۸ء)
(وفات: ۳۳۸ھ بمطابق ۹۶۱ء)

سیدنا سمعان بن ابراہیم
(پیدائش: ۳۱۳ھ بمطابق ۹۲۵ء)
(وفات: ۳۷۸ھ بمطابق ۹۸۸ء)

مولانا سیدنا محمد بن سمعان
(پیدائش: ۳۴۰ھ بمطابق ۹۵۲ء)
(وفات: ۴۱۶ھ بمطابق ۱۰۲۵ء)

سیدنا ناصرالدین ابو یوسف بن محمد
(پیدائش: ۵ شوال ۳۷۵ھ بمطابق ۹۸۸ء)
(وفات: ۳ ربیع الثانی ۴۵۹ھ بمطابق ۱۰۶۷ء)

قطب زمان قطب الدین سید مودود بن ابو یوسف نقوی چشتیؒ
(پیدائش: ۴۳۳ھ بمطابق ۱۰۴۱ء)
(وفات: ۵۱۷ھ بمطابق ۱۱۲۳ء)

خواجہ سید ابی احمد بن سید مودود چشتیؒ
(پیدائش: ۴۷۷ھ بمطابق ۱۰۸۴ء)
(وفات: ۵۶۰ھ بمطابق ۱۱۶۵ء)

مولانا سید رکن الدین بن ابی احمد مودودی چشتیؒ
(پیدائش: ۵۰۷ھ بمطابق ۱۱۱۳ء)
(وفات: ۵۷۷ھ بمطابق ۱۱۸۱ء)

سید نظام الدین بن رکن الدین مودودی چشتیؒ
(پیدائش: ۵۳۵ھ بمطابق ۱۱۴۰ء)
(وفات: ۵۹۹ھ بمطابق ۱۲۰۲ء)

سید ابواحمد بن نظام الدین مودودی چشتیؒ
(پیدائش: ۵۶۵ھ بمطابق ۱۱۶۹ء)
(وفات: ۶۳۳ھ بمطابق ۱۲۳۵ء)

مولانا سید یوسف بن ابواحمد مودودی چشتیؒ
(پیدائش: ۵۸۹ھ بمطابق ۱۱۹۳ء)
(وفات: ۶۶۰ھ بمطابق ۱۲۶۲ء)

سید زاہد بن یوسف مودودی چشتیؒ
(پیدائش: ۶۲۱ھ بمطابق ۱۲۲۴ء)
(وفات: ۷۰۶ھ بمطابق ۱۳۰۶ء)

سید قطب الدین مودود الثانی بن زاہد چشتیؒ
(پیدائش: ۶۵۱ھ بمطابق ۱۲۵۴ء)
(وفات: ۷۳۵ھ بمطابق ۱۳۳۵ء)

سید عبدالعلی بن قطب الدین الثانیؒ
(پیدائش: ۶۹۵ھ)
(وفات: ۷۶۶ھ)

سید سلطان شاہ خواجگی بن عبدالعلیؒ
(پیدائش: ۷۳۳ھ)
(وفات: ۸۱۹ھ)

سید شاہ ابوالاعلیٰ مودودی بن شاہ خواجگیؒ
(دلی کے دور میں رہبر کامل، آفتاب چشتیہ)
(پیدائش: ۷۹۸ھ)
(وفات: ۹۲۶ھ)

حضرت سید قطب الدین ثانی بن ابوالاعلیٰؒ
(پیدائش: ۸۵۳ھ)
(وفات: ۹۳۶ھ)

مولانا سید ابومحمد بن قطب الدینؒ
(پیدائش: ۸۸۷ھ)
(وفات: ۹۵۷ھ)

مولانا سید محمد اعظم بن ابومحمدؒ
(پیدائش: ۹۲۲ھ)
(وفات: ۹۸۸ھ)

مولانا سید سلطان محمد بن محمد اعظم مودودی چشتیؒ
(پیدائش: ۹۲۸ھ)
(وفات: ۱۰۱۹ھ بمطابق ۱۶۱۱ء)

نورالمشائخ مولانا سید نظر محمد بن سلطان محمد مودودیؒ
(پیدائش: ۹۸۵ھ بمطابق ۱۵۷۷ء)
(وفات: ۱۰۸۲ھ بمطابق ۱۶۷۱ء)

سید کلیم اللہ بن نظر محمدؒ — سید سلیم اللہ

سید کلیم اللہ بن نظر محمدؒ
(پیدائش: ۱۰۳۳ھ)
(وفات: ۱۱۰۱ھ بمطابق ۱۶۸۹ء)

سید حکیم اللہ بن کلیم اللہؒ
(پیدائش: ۱۰۷۸ھ بمطابق ۱۶۶۸ء)
(وفات: ۱۱۶۳ھ بمطابق ۱۷۵۲ء)

مولانا سید ہدایت النبی بن حکیم اللہؒ
(پیدائش: ۱۱۲۰ھ بمطابق ۱۷۰۸ء)
(وفات: ۱۲۱۳ھ بمطابق ۱۸۰۲ء)

مولانا حافظ سید عنایت النبی بن ہدایت النبی نقوی مودودیؒ
(پیدائش: ۱۱۶۵ھ بمطابق ۱۷۳۳ء)
(وفات: ۱۲۵۱ھ بمطابق ۱۸۳۵ء)

مولانا حکیم سید عنایت علی بن عنایت النبی نقویؒ
(پیدائش: ۱۲۰۰ھ بمطابق ۱۷۸۸ء)
(وفات: ۱۲۷۹ھ بمطابق ۱۸۶۰ء)

سید عنایت حسینؒ (لاولد) — مولانا حکیم سید ہدایت حسین نقوی مودودیؒ بن عنایت علی

مولانا حکیم سید ہدایت حسین نقوی مودودیؒ بن عنایت علی
(پیدائش: ۱۲۳۰ھ بمطابق ۱۸۲۸ء)
(وفات: ۱۳۱۶ھ بمطابق ۱۸۹۸ء)

مولانا حکیم سید اعجاز حسین نقوی مودودیؒ

(پیدائش: ۱۲۸۷ھ بمطابق ۱۸۷۰ء)
(وفات: ۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۹۱۹ء)

سید احمد حسین نقوی — رضیہ — فہمیدہ — سید محمد حسین نقوی — ذکیہ — صفیہ — سید حامد حسین نقوی — عزیزہ — سید محمود حسین نقوی (پیدائش: ۱۹۱۳ء) (وفات: ۲۹ نومبر)

سید حسنین احمد نقوی

نجمہ — فرزانہ — فوزیہ — بشریٰ — عائشہ — زینی — صداقت حسین نقوی — مجاہد حسین نقوی

سید فاخر حسین نقوی — فاخرہ — ناصرہ — واجدہ — سید منیر حسین نقوی

شازیہ — سید عادل حسین نقوی

لبنیٰ — سید حسین سمعان نقوی — معظمہ — حسین نعمان نقوی — عظمیٰ — حامدہ — آبرو — حسین رضوان نقوی — حسین سلمان نقوی

محمد صائم — محمد قاسم — رحیلہ — شہربانو

محمد داؤد

حسن اعجاز — زینت سلمان

زینب اعجاز

سید راشد محمود نقوی — سید خالد محمود نقوی — سید زاہد محمود نقوی — اسماء — فریدہ — خولہ — سید شاہد محمود نقوی

سید واثق حسین نقوی — سید شاہ الدین نقوی — عماد الدین نقوی — رضا

محمد شافع

سید حسن بلال نقوی — سید حسن طلال نقوی — نمرہ

رضا نقوی — عزیز نقوی — سدرہ — جاذب نقوی

سید علی سادات نقوی — حسنہ — فاطمہ — سید حسین حماد نقوی

اریبا علی — عائشہ علی — ال علی

تحفظیہ حسین — ہانیا حسین — زینب حسین

یہ تالیف امیر المومنین امام ہدا سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور سیدہ فاطمۃؓ الزہرا خاتونِ جنت رسول ﷺ کی اولاد میں سے اس شاخ کے صالح افراد کا تذکرہ ہے۔ جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی حق وانصاف اور اسلام کا پرچم بلند رکھا۔ ان کی زندگی پر ہمیشہ اعمال خیر کا غلبہ رہا۔ اس خاندان نے کم وبیش تیرہ صد سال فقر ودرویشی کی زندگی بسر کی اور بندگان خدا کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ ان کے زاویوں میں آنے والے تعلیم دین تصفیۂ قلب اور تزکیۂ کی روح دولت سے آسودہ رہے۔ وہ تنگی میں بھی غنی رہے اور امیری میں بھی فقیر رہے۔ انہوں نے کبھی کسی کو اپنے سے کمتر نہیں سمجھا۔ ہمیشہ خوش خلقی، خاکساری، تواضع اور خلق کی ہمدردی اور خدمت کو اپنا وطیرہ بنائے رکھا۔ وہ خلق کو نیکی اور بلند کرداری کی تلقین کرتے۔ ان کے قلوب میں جذبات خیر ابھارتے رہتے۔ امراء وحکام کے سامنے اپنی خودداری اور حفظ نفس کا خیال رکھا اور کلمۂ حق بلند کرتے رہے۔ ان کے عیوب سے انہیں آگاہ کرتے رہے۔

خالد محمود نقوی

مشرقی۔لندن